وَلَا تَقُولُوا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

اور نہ کہو خدا تین ہیں باز آجاؤ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے بے شک اللہ ہی معبود واحد ہے

احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث

توحیدِ باری تعالیٰ کے اثبات اور ابطالِ تثلیث کے موضوع پر متکلم اسلام محققِ مسیحت مجاہدِ حق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہ کی قدیم و نایاب علمی تحریر سلیس اردو کے خوبصورت لباس میں جس میں عیسائیت کے اساسی نکتہ "تثلیث فی التوحید" کو عقلی و نقلی، الزامی و تحقیقی، جامع و مسکت دلائل اور بائبل کی رُو سے باطل کیا گیا ہے۔

تقدیم، تسہیل، تخریج، تحقیق

حضرت مولانا ابو محمد اسماعیل عارفی

تالیف

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی

ادارہ اسلامیات

کراچی ــــ لاہور

وَلَا تَقُولُوا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (القرآن)

''اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ باز آجاؤ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ بے شک اللہ ہی معبود واحد ہے''

احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث

توحید باری تعالیٰ کے اثبات اور ابطالِ تثلیث کے موضوع پر متکلم اسلام محقق مسیحت مجاہدِ حق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہٗ کی قدیم و نایاب علمی تحریر سلیس اردو کے خوبصورت لباس میں جس میں عیسائیت کے اساسی نکتہ ''تثلیث فی التوحید'' کو عقلی و نقلی 'الزامی و تحقیقی' جامع و مسکت دلائل اور بائبل کی رو سے باطل کیا گیا ہے۔

تقدیم و تسہیل، تشریح و تحقیق

مولانا ابو محمد اسماعیل عارفی

ادارہ اسلامیات

باہتمام۔اشرف برادرن سلمہم الرحمان

ناشر:ادارہ اسلامیات کراچی لاہور

پبلشرز بک سیلرز ایکسپورٹرز

☆ادارہ اسلامیات موہن روڈ، چوک اردو بازار کراچی فون ۲۷۲۲۴۰۱

☆ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انار کلی، لاہور۔پاکستان فون ۷۵۳۲۵۵

☆ادارہ اسلامیات دینا ناتھ مینشن مال روڈ، لاہور فون ۷۳۲۴۴۱۲

ملنے کے پتے:۔

ادارۃ المعارف : ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مکتبہ دارالعلوم : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

دارالاشاعت : ایم اے جناح روڈ کراچی نمبر ۱

بیت القرآن : اردو بازار کراچی نمبر ۱

بیت الکتب : نزد اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی

بیت العلوم : ۲۶ نابھہ روڈ لاہور

ادارہ تالیفات اشرفیہ : بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر

ادارہ تالیفات اشرفیہ : جامع مسجد تھانیوالی ہارون آباد بہاولنگر

حسنِ ترتیب

مقدمہ

احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث

فوائدِ اربعہ

تنبیہاتِ عشرہ

براہینِ اربعہ

انتساب

اللہ جلّ جلالہ کے نام

وہی واحد معبودِ برحق ہے' اُسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' رحمٰن ورحیم ہے۔ وہی رب العالمین ہے' اُسکے سوا کوئی پروردگار نہیں' رؤف وکریم ہے۔ وہ احد ہے جسکی ذات میں کسی قسم کے تعدّد وتکثر کی گنجائش نہیں۔ وہ صمد ہے' خدائے بے نیاز' جو تمام خوبیوں کا مالک' تمام عیبوں سے پاک' اپنی ذات وصفات میں کامل و بے مثال ہے۔ وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کوئی اُسکا بیٹا' نہ کوئی اُسکی اولاد نہ وہ کسی کی اولاد' کوئی اُسکے مقابل و مشابہ نہیں' کوئی اُسکا شریک اور سہیم نہیں۔ وہی قدیم مطلق ہے' ازلی وابدی ذات جس کے وجود کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہا' جسکی تمام صفات بھی قدیم ہیں' وہ تخلیقِ کائنات سے پہلے بھی خالق ہے۔ وہی عالم الغیب والشہادہ ہے کہ کائنات کا کوئی ذرّہ اُسکے حیطۂ علم سے باہر نہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق' قادر ومختار ہے' ایجاب واضطرار سے پاک ہے۔ وہی ہر جگہ حاضر وناظر ہے۔ حدوث وامکان' جسم وزمان' جہت ومکان سے مبرّا ہے۔ وہی عظیم ذات ہے کسی چیز کیساتھ متحد نہیں ہوتا' نہ کوئی چیز اُسکے ساتھ متحد ہوتی ہے' کسی شئے میں حلول نہیں کرتا' نہ کوئی چیز اُس میں حلول کرتی ہے۔ وہی احکم الحاکمین' مالک الملک ہے' تمام مخلوقات اُسکی مملوک' تمام جن وانس اُسکے بندے اور غلام ہیں۔ اے مہربان آقا! ایک گدائے بے نوا آپکی بارگاہِ احدیّت میں ہدیہ اخلاص وعبدیّت اور بہانہ مغفرت لیکر آیا ہے۔ اِسے محض اپنے فضل سے قبول کر لیجئے اور مصنف مرحوم کی طرح اس پر بھی اپنے کرم کی بارش کر دیجئے۔

آمین یا مجیب السّائلین وماذالك علیك بعزیز

ابو محمد اسماعیل عارفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لِلّٰہ وکفیٰ وَسَلَامٌ علیٰ عبادہِ الّذِین اصطفیٰ امّا بعد!

متکلمِ اسلام، محقق مسیحیت حضرت مولانا رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن کیرانوی عثمانی ہندیؒ اُن عظیم دیدہ ور ہستیوں میں سے ہیں جو صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اُن خدا مست مجاہدین میں سے ہیں جنکی حیاتِ مستعار کا ہر لمحہ دینِ متین کی خدمت کیلئے وقف تھا انہوں نے ایک ایسے دور میں حق کا نعرہ بلند کیا اور میدانِ کارزار میں کود ے جب حق کا اظہار خود کو موت کی دعوت دینے کے مترادف تھا۔ سازگار ماحول میں خدمت دین کا کام کرنا بھی قابلِ قدر ہے لیکن جب اسلامی سیاست کا شیرازہ بکھر چکا ہو، زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر کفار کے ہاتھ میں جاچکی ہو اور وہ کفار غلبہ وفتح کے نشے میں بدمست ہاتھی بن کر ظلم وستم کا بازار گرم کر رہے ہوں ایسے وقت میں دینِ اسلام کا دفاع کرنا، اثاثہ محمدی ﷺ کی حفاظت کرنا، اپنی زبان وقلم سے دشمن کے ٹھکانوں پر تابڑ توڑ حملہ کرنا، احقاق حق اور ابطالِ باطل کیلئے اپنا خون تک پیش کرنا بلاشبہ ایک قابلِ رشک اور لائق فخر سعادت ہے۔

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ است

تاریخ میں ایسی شخصیات کے نام انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں کہ جنہوں نے خدمتِ اسلام کیلئے اپنی زبان وقلم کی تمام توانائیاں وقف کی ہوں اور دوسری طرف دشمن کے استعمار وظلم کے خلاف عملی جہاد کرتے ہوئے تلوار لیکر بھی نکلے ہوں۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ انہیں نفوسِ قدسیہ میں سے ایک ہیں وہ کبھی تو پادری فنڈر کیساتھ مناظرہ کرتے ہوئے اسلام کے ایک عظیم وکیل، روشن ضمیر عالم اور کامیاب متکلم کے طور پر نظر آتے ہیں اور دوسری طرف ۱۸۵۷ء کے جہاد میں تھانہ بھون اور کیرانہ کے محاذ پر مجاہدین کے لشکر کی قیادت کرتے نظر آتے ہیں۔

تعارف:

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانہ کے مشہور ومعروف عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔آپ محلہ دربارکلاں قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر میں جمادی الاولی ۱۲۳۳ھ کو پیدا ہوئے۔آپ کا نسب حضرت کبیر الاولیاء مخدوم جلال الدین عثمانیؒ سے ملتا ہے جو صوفیاء میں مشہور بزرگ گذرے ہیں اُنکی درگاہ پانی پت میں موجود ہے۔مخدوم صاحب کا وصال پانی پت میں ۱۳ ربیع الاول ۷۶۵ھ کو ہوا۔مولانا نے بارہ سال کی عمر میں قرآن کریم کی تعلیم مکمل کرلی۔اسکے بعد دینیات' فارسی اور مروجہ ابتدائی نصاب کی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھیں پھر مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے دہلی تشریف لے گئے وہاں مولانا محمد حیات صاحبؒ کے مدرسہ میں قیام رہا پھر تحصیل علم کا شوق آپکو لکھنو لے گیا آپ لکھنوی کی علمی شہرت سن کر اپنے چند رُفقاء کیساتھ وہاں تشریف لے گئے اور حضرت مولانا مفتی سعد اللہ صاحبؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور اُن سے اصول فقہ اور منطق کی بڑی کتابوں کا درس لیا۔مولانا کے اساتذہ میں ایک بزرگ ولی کامل مولانا حافظ عبد الرحمٰن چشتی صاحبؒ ہیں۔استادِ وقت تھے' تمام علومِ عقلیہ ونقلیہ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔بستی نظام الدین اولیاءؒ میں اُنکی آرام گاہ ہے۔حکیم فیض محمد صاحبؒ جو اپنے زمانے کے مشہور ومعروف اور باکمال طبیب تھے اُن سے مولانا نے خاندانی روایت کے مطابق علمِ طب کی تحصیل کی۔

تدریسی زندگی اور تلامذہ:

ہندوستان میں حضرت مولانا کیرانویؒ کو تدریس کا زیادہ موقعہ نہیں مل سکا۔حالات ناساز تھے' عیسائیت کا فتنہ زوروں پر تھا اور آپ ہندوستان میں نصاریٰ کے بڑھتے ہوئے تسلط کو روکنے کی فکر میں لگ گئے جسکی وجہ سے اطمینان کیساتھ تعلیم وتدریس کا فیض عام جاری کرنے کا موقعہ نہ مل سکا تاہم تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کر دیا تھا یہ ۱۲۷۰ھ کا زمانہ تھا۔اس مدرسہ سے سینکڑوں لوگ فیضیاب ہوئے۔۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ناکامی کے بعد مولانا کی گرفتاری اور ضبطِ جائیداد کے وارنٹ جاری ہوئے مگر آپ بچ بچا کر مکہ مکرمہ

تشریف لے گئے۔ کچھ دن بعد وہاں بھی آپکا حلقہ درس قائم ہو گیا جو سینکڑوں علماء وطلبا پر مشتمل ہوتا تھا۔ مکہ مکرمہ میں آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، بعض خاص شاگرد تو اپنے وقت کے بڑے علماء واکابر میں سے ہوئے۔

میدانِ جہاد میں:

۱۸۵۷ء میں سلطنتِ مغلیہ کا ٹمٹماتا چراغ گل ہوا اور ہندوستان پر برطانوی استعمار نے اپنے پنجے گاڑ دیے۔ مسلمانوں نے بھی دشمن کیخلاف مسلح جنگ کا عزم کر کے کئی جگہوں پر کارروائیاں کیں چنانچہ تھانہ بھون اور کیرانہ کا محاذ قائم کیا گیا۔ مجاہدین کی جماعت مدافعت اور مقابلہ کرتی رہی۔ تھانہ بھون میں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ امیر، حافظ محمد ضامن شہیدؒ امیرِ معسکر، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سپہ سالار قرار پائے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی قیادت کررہے تھے۔ اسی جماعت نے شاملی میں انگریزی فوج پر حملہ کر کے تحصیل شاملی کو فتح بھی کرلیا۔ کیرانہ اور اسکے گردونواح میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ امیر تھے اور چوہدری عظیم الدین صاحب سپہ سالار تھے۔ اُس زمانے میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم وتربیت کیلئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ بجا کر اعلان ہوتا کہ

"ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا"

بعض ابن الوقت لوگوں کی مخبری اور سازش سے حکومت کو آپکی تمام سرگرمیوں کی خبر مل گئی چنانچہ انہوں نے آپکے نام وارنٹ گرفتاری جاری کردیے۔ مخبر نے جاسوسی کرتے ہوئے یہاں تک اطلاع دی کہ مولانا کیرانہ کے ایک محلے میں موجود ہیں چنانچہ انگریزی فوج نے تاپ وتاپ گھوڑوں کی دوڑ کیساتھ پورے محلے کا محاصرہ کرلیا۔ توپ خانہ نصب کیا، محلے کی تلاشی لی، عورتوں اور بچوں کو ایک ایک کر کے باہر نکالا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپکی حفاظت کی اور آپ دوستوں کے مشورے سے کیرانہ کے قریب ""پنجیٹھ"" نام کے گاؤں میں روپوش ہوگئے۔ گاؤں کے مسلمانوں کا جذبہ اخلاص بھی قابلِ صد مبارک باد ہے جنہوں نے ایک "باغی"

کو پناہ دی گویا خود کو موت کی دعوت دی۔

ہجرت:

برطانوی فوج کو کسی طرح یہ اطلاع مل گئی کہ مولانا کیرانہ سے نکل کر اس گاؤں میں روپوش ہیں تو انہوں نے یہاں کا رخ کیا۔ گاؤں والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے مولانا سے گذارش کی کہ گھر پا لیکر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں۔ مولانا بھی تو اضع کا پیکر، سادگی کا مجسمہ تھے، دیہاتی وضع قطع تھی وہی سر پہ پگڑی، لمبا کرتا اور تہبند۔ لہٰذا کوئی دقت پیش نہیں آئی فوراً کھیتوں میں چلے گئے اور گھاس کاٹنی شروع کر دی۔ انگریزی فوج انکو تلاش کرتے ہوئے اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گذر گئی۔ انکے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ گھاس کاٹنے والا بوڑھا کسان ہمارا مفرور باغی ہے۔ مولانا خود فرماتے ہیں ''میں گھاس کاٹ رہا تھا اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں اور میں انکو اپنے پاس سے گذرتا ہوا دیکھ رہا تھا'' فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیا، پورے گاؤں کی تلاشی لی مگر مولانا نہ مل سکے کیونکہ وہ تو کھیت میں گھاس کاٹنے گئے ہوئے تھے تاہم فوجداری مقدمہ دائر کیا گیا، وارنٹ جاری ہوا اور آپکو ''خطرناک دہشت گرد'' قرار دے کر گرفتاری کیلئے ایک ہزار روپیہ انعام کا اعلان ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کی یہ تاریخ رہی ہے کہ اپنی قوم کو دعوتِ دین کا پیغام پہنچانے کے بعد قوم کی طرف سے انکار وتکذیب اور ایذاء رسانی پر اپنے وطنِ مالوف سے ہجرت کرنے کی نوبت آتی ہے۔ مولانا کی قسمت میں بھی ہجرت کی سنت پر عمل کرنا مقدر تھا چنانچہ عزم کر لیا لیکن ان حالات میں ہجرت کرنا بھی آسان نہ تھا۔ بہر حال اپنا نام بدل کر ''مُصلح الدین'' رکھا اور پیدل دہلی روانہ ہوئے۔ جے پور اور جودھ پور کے خطرناک جنگلوں اور راستوں کو اکیلے پیادہ پا طے کرتے ہوئے سورت پہنچ گئے۔ سورت کی بندرگاہ سے جہاز کا سفر بھی آسان نہ تھا۔ بحری جہاز چلا کرتے تھے سال بھر میں ایک جہاز مناسب موسم میں سورت سے جدہ جایا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد غیبی ہوئی کہ حسنِ اتفاق سے جہاز مل گیا اس طرح راہِ خدا کا یہ عظیم مجاہد آلام ومصائب کی وادیوں سے گذرتا ہوا اپنی

جان پر کھیل کر حرمِ بیت اللہ مقامِ امن میں پہنچ گیا اور خلیل اللہ کا بیٹا رحمت اللہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعمیر کردہ پناہ گاہ میں آ گیا۔

ضبطِ جائیداد:

ادھر مولانا مکہ مکرمہ کی طرف عازمِ سفر ہوئے اُدھر برطانوی حکومت نے آپ پر فوجداری مقدمہ کے بعد خاندان کی تمام جائیداد ضبط کر کے نیلام کرنے کا حکم دیا۔ جائیداد کے نیلام کا یہ فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرنال نے ۲۰ جنوری ۱۸۶۲ء میں کیا۔ پانی پت کے مخبر کمال الدین نامی شخص کی "مہربانی" سے یہ جائیداد قُرق کر کے نیلام کی گئی۔ نیلام شدہ جائیداد کے کاغذات کا عنوان یہ ہے۔ "انڈکس مشمولہ مثل فوجداری مقدمہ عرضی کمال الدین ساکن کیرانہ حال پانی پت مولوی رحمت اللہ باغی"

رحمت اللہ بیت اللہ میں:

ہندوستان سے مہاجرین کی ایک تعداد نے مکہ معظمہ کا رخ کیا مولانا نے بھی مرکزِ اسلام کعبہ مشرفہ کو نشانِ منزل بنایا تا کہ بیت اللہ کے زیرِ سایہ خدمتِ اسلام کا کوئی پہلو نکل سکے۔ آپ سے پہلے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ہجرت فرما کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے اور باب عمرہ سے متصل رباط داؤد یہ کے ایک حجرے میں مقیم تھے۔ صبح صادق کا وقت تھا کہ مولانا رحمت اللہ مکہ معظمہ پہنچے' مطاف میں حضرت حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی عمرہ کے بعد دونوں حضرات جائے قیام پر آ گئے یہ سلطان عبدالعزیز خاں کا دورِ خلافت تھا اور شریف عبداللہ بن عون "امیرِ مکہ" تھا۔ سید احمد دحلان شیخ العلماء تھے اور مسجدِ حرام میں درس دیا کرتے تھے۔ ایک دن درس میں شیخ نے کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب شافعی کو ترجیح دیتے ہوئے حنفیہ کے دلائل کو کمزور قرار دیا۔ درس کے بعد مولانا نے شیخ سے پہلی ملاقات کی اور مسئلہ کے بارے میں طالب علمانہ انداز میں سوالات اٹھائے، گفتگو علمی اور طویل ہو گئی۔ شیخ کو بھی اندازہ ہو گیا کہ سائل طالب علم نہیں بلکہ ذی استعداد عالم ہے۔ شیخ کے اصرار پر مولانا نے مختصراً کچھ تعارف کرایا۔ شیخ بہت خوش ہوئے گھر پہ دعوت کی' مناظرہ اور ردِّ عیسائیت کی دیگر مساعی کا تذکرہ سن کر بے حد مسرت کا اظہار کیا،

علماءِ حرم میں آپکا نام درج کرایا اور مسجدِ حرام میں باقاعدہ حلقہ کی اجازت دلائی۔

قسطنطنیہ کا سفر:

مولانا کے زمانے میں ہندوستان پر انگریزی استعمار کا تسلط ہوا تو عیسائی مشنری بھی برسات کے مینڈکوں کی طرح آنکلے۔ انہوں نے اسلام دشمن سرگرمیاں تیز کردیں اس گروہ کا سرکردہ پادری فنڈر تھا۔ مولانا کا پادری صاحب سے مناظرہ ٹھہرا جس میں اہلِ اسلام کو شاندار کامیابی ملی اور پادری صاحب کو جو عبرت ناک شکست ہوئی تو اُسکے بعد پادری فنڈر کا ہندوستان میں رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا چنانچہ لندن کی چرچ مشنری سوسائٹی نے اُسے یہاں سے نکالا اور قسطنطنیہ (استنبول) بھیج دیا تا کہ وہاں کوئی کام کرے۔ اس نے وہاں جا کر سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم کے سامنے ڈینگیں مارنا شروع کردیں کہ میں ہندوستانی علماء کو شکست دے آیا ہوں میرا وہاں ایک مسلمان عالم سے مذہبی مناظرہ ہوا تھا جس میں عیسائیت کو فتح اور اسلام کو ناکامی ہوئی۔ سلطان کو اس پہ بڑی حیرت ہوئی تحقیقِ حال کیلئے شریفِ مکہ عبداللہ پاشا کے نام فرمان جاری کیا کہ "حج کے زمانے میں ہندوستان سے باخبر حضرات آئیں اُن سے پادری فنڈر کے مناظرے اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے خاص حالات معلوم کر کے بابِ خلافت کو مطلع کیا جائے" شریفِ مکہ کو اِس مناظرے کی تفصیل سید احمد دحلان حرم کے ایک مشہور استاذ کی زبانی معلوم ہو چکی تھی چنانچہ انہوں نے فوراً خلیفہ کو صحیح معلومات فراہم کرتے ہوئے لکھا "جس عالم سے یہ مناظرہ ہوا ہے وہ خود یہاں موجود ہے" سلطان نے مولانا کو طلب کر لیا چنانچہ آپ ۱۲۸۰ھ بمطابق ۱۸۶۴ء میں شاہی مہمان کی حیثیت سے پہنچے۔ فنکار صلیبی فنڈر کو مولانا کی آمد کا علم ہوا تو فوراً دامِ تزویر سمیٹ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ سلطان نے ایک مجلسِ علماء منعقد کی جس میں وزراءِ سلطنت کے علاوہ اہلِ علم اصحاب کو مدعو کیا گیا اور حضرت مولانا سے ہندوستان میں مذہبِ عیسوی کی شکست اور انقلاب ۵۷ء کے حالات سنے۔ مسیحی مبلغین کے فتنے کو روکنے کیلئے پابندیاں لگائیں اور سخت احکام جاری کیے۔ سلطان نے نہایت محبت وادب اور التفاتِ شاہانہ کیساتھ مولانا کی دینی خدمات پر قدر افزائی کی

تمغہ مجیدیہ عطا کیا اور مستقل وظیفہ بھی مقرر کیا۔

دارالعلوم حرم "مدرسہ صولتیہ" کا قیام:

مولانا مرحوم قسطنطنیہ سے واپس تشریف لائے اور حسبِ سابق درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ اُن دنوں مسجدِ حرام میں مختلف علماء کے حلقاتِ درس قائم تھے جنکو خلافتِ عثمانیہ کی سرپرستی پر حاصل تھی لیکن اوّل تو کوئی مرتب نظامِ تعلیم نہ تھا دوسرا یہ کہ کوئی خاص نصابِ تعلیم بھی مقرر نہ تھا تدریس کا طریقہ بھی کچھ ایسا ہی رائج تھا کہ طلباء استاذ کے درس کو وعظ وتقریر سمجھ کر بوانفش کی طرح سنتے اور سر ہلاتے۔ اُن میں خود سے قوتِ مطالعہ اور استخراجِ مطالب کی صلاحیت پیدا نہ ہوتی تھی۔ استاذ خود عبارت پڑھتا' خود ہی مطلب بیان کرتا' سوال وجواب' توضیح واستفسار کا کوئی سلسلہ نہ تھا۔ طلبہ تمام عمر نحو' فقہ' تفسیر پڑھتے اور وہ بھی نامکمل طریقے سے کہ تمام عمر ختم ہونے کے باوجود نہ تکمیل ہوتی اور نہ اعلیٰ قابلیت پیدا ہوتی۔ بلادِ اسلامیہ کے مختلف لوگ ہجرت کر کے یہاں آتے اُنکی تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اِن حالات وضروریات کے پیشِ نظر مولانا کا یہ احساس تھا کہ یہاں مستقل طور پر دینی مدرسہ کا انتظام ہونا چاہیئے جہاں دینی تعلیم وتربیت کیساتھ ساتھ جدید فنون اور صنعت ودست کاری سکھانے کا اعلیٰ معیار پر ایک صنعتی اسکول بھی قائم کیا جائے۔ آپ نے مکہ معظمہ کے ہندوستانی مہاجرین اور اہلِ خیر حضرات کو اس طرف متوجہ فرمایا۔ یہ رمضان ۱۲۹۰ھ کی بات ہے کہ ضلع علیگڑھ کے رئیس نواب فیض احمد خاں مرحوم کے رہائشی مکان کے ایک حصے میں مدرسے کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ حج کے موسم میں کلکتہ کی ایک نیک سیرت فیاض خاتون "صولت النساء بیگم صاحبہ" حج کیلئے آئیں' وہ حرمین شریفین میں صدقہ جاریہ کے طور پر کوئی نیک کام شروع کرنا چاہتی تھیں۔ مولانا کے مشورے سے اُس خاتون نے محلّہ خندریسہ میں جگہ خریدی اور اپنی نگرانی میں تعمیر کروائی۔ مولانا کا بھی کمالِ اخلاص تھا کہ اسی نیک دل خاتون کے نام پر مدرسے کا نام "مدرسہ صولتیہ" رکھا گیا۔ اسلامی علوم کی یہ عظیم دینی درسگاہ "دارالعلوم حرم" کے مبارک لقب سے ملقب ہے اور مسجدِ حرام کے بابِ فہد کی جانب بالکل قریب ہی واقع ہے۔

''مدرسہ صولتیہ'' کا مسلک و مشرب:

اسلام کا یہ عظیم سپاہی 'بوڑھا مگر جواں عزم مجاہد زندگی کے تمام نشیب و فراز سے گذر چکا تھا، برصغیر کے تمام حالات کا گہرا مطالعہ اور دیارِ عرب کی پوری صورت حال کا تجزیہ کرنے کے بعد آپ نے مدرسہ ہذا کیلئے کچھ ضروری اصول مرتب فرمائے' بالخصوص تین باتوں پر پابندی کی تاکید فرمائی۔

(۱) قطعی طور پر سیاسیات اور سیاسی دلچسپیوں سے ہر کارکن' مدرس اور طالب علم کو بے تعلق رہنا ضروری ہے۔

(۲) اختلافی امور اور مختلف فیہ مسائل سے کلی طور پر احتراز کیا جائے۔

(۳) تفریق اور گروہ بندی سے ہر طرح بچنا چاہیئے۔

حالات نے ثابت کر دیا کہ بانی مدرسہ حضرت مولانا مرحوم کے بتائے ہوئے یہ اصول انتہائی اہمیت کے حامل تھے۔ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی ''دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو'' مدرسہ صولتیہ کی اس امتیازی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''مدرسہ کی خوش نصیبی اور مولانا مرحوم کی نیک نیتی کا ایک عمدہ ثمرہ یہ ہے کہ اسکے تمام مدرسین اور طلباء اس وقت کی آفتوں سے علیحدہ ہیں' انکے خیالات میں نہ افراط و تفریط ہے اور نہ جدال ونزاع کا انہیں شوق ہے اور نہ کسی مسلمان کی تکفیر و تفسیق کا انہیں خیال ہے۔ الحمد للہ اس نازک اور پر فتنہ وقت میں اس بلاء سے بچنا ہی خدا کا بڑا فضل ہے اور وہ اس مدرسہ پر ہے''

قسطنطنیہ کے دوبارہ اسفار:

۱۲۹۹ھ میں عثمان نوری پاشا دولتِ عثمانیہ کی طرف سے گورنر مقرر ہوئے' فوجی آدمی تھے بعض خودغرض اور فتنہ انگیز لوگوں کی سازش سے مدرسہ صولتیہ سے بدگمان ہو گئے اور اپنی کسی غلط فہمی سے مدرسہ کو اجنبی ملک کی ''تحریک'' سمجھ کر مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ معاملے نے طول پکڑا اور بات دربارِ خلافت قسطنطنیہ تک جا پہنچی۔ سلطان نے مولانا کو طلب کیا اور آپ دوسری بار اپنے بھتیجے

مولانا بدرالاسلام کی معیت میں قسطنطنیہ تشریف لے گئے۔ مولانا کا چند دن یہاں قیام رہا، سلطان سے متعدد بار ملاقاتیں رہیں جن میں مختلف چیزیں زیرِ گفتگو آئیں۔ سلطان نے مدرسہ صولتیہ کیلئے ماہانہ امداد مقرر کرنے کا خیال ظاہر کیا' مولانا نے شکریہ اور دعا کیساتھ مستقل سرپرستی کرنے کا کہا۔ سلطان نے مولانا کے رفیقِ سفر اور بھتیجے مولانا بدرالاسلام صاحب کو "کتب خانہ حمیدیہ" کا ناظم مقرر کر دیا۔ یہ سلطان عبدالحمید خاں کا شاہی دارالکتب ہے، جو دنیا کے بڑے مکتبوں میں شمار ہوتا ہے اس میں سلاطینِ آلِ عثمان کی تمام کتابوں کا گراں قدر ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ واپسی پر الوداعی ملاقات کیلئے تشریف لائے تو سلطان نے اپنے ذاتی ھدیہ سے مرصع تلوار مولانا مرحوم کو دی اور کہا

"ہتھیار ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی زینت ہے"

مولانا مکہ معظمہ واپس تشریف لائے تو استقبال کرنے والوں میں حجاز کے گورنر "عثمان نوری پاشا" سب سے آگے تھے' وہی مولانا سے پہلے بغل گیر ہوئے اور اپنی غلطی کی معافی چاہی۔ سفر سے واپسی کے بعد بھی سلطان اور مختلف وزراء سے خط و کتابت جاری رہی۔ آخر عمر میں بڑھاپا اور ہجومِ مشاغل سے آپکو آنکھوں کی شکایت ہوگئی، موتیابند کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کے قابل نہ رہے سلطان کو پتہ چلا تو آپکو فوراً علاج کیلئے قسطنطنیہ طلب کیا۔ ۲ رمضان ۱۳۰۲ھ کو مولانا پھر استنبول پہنچے۔ اس سفر کی روداد بھی مولانا نے اپنے قلم سے ڈائری میں لکھی ہے۔ مختصر یہ کہ سلطان نے بڑا اعزاز واکرام کیا' پانچ ماہر ڈاکٹروں نے مولانا کی آنکھوں کا معائنہ کیا۔ آپ دو تین ماہ قسطنطنیہ میں رہے سلطان کی خواہش تھی کہ حضرت مولانا مرحوم قسطنطنیہ میں انکے پاس رہیں ایک ملاقات میں سلطان نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تو مولانا نے فرمایا

"اعزہ اور اقارب کو چھوڑ کر ترک وطن کر کے خدا کی پناہ میں اسکے دروازے پر آکر پڑا ہوں۔ وہی لاج رکھنے والا ہے آخری وقت میں امیر المومنین کے دروازے پر مروں تو قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤنگا"

سلطان کو بھی آپکی ازحد دلداری مقصود تھی اس لئے مرضی کیخلاف اصرار نہیں کیا اور آپ

واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔

وفات حسرت آیات:

اسلام کے اِس عظیم وکیل، مسلمانوں کی ہر دینی اور علمی ممکن خدمت کے انجام دینے والے داعی، اور ہندوستان کو مغربی اقتدار سے آزاد کرانے کیلئے تلوار لیکر نکلنے والے مجاہد نے پچھتر برس کی عمر میں جمعۃ المبارک کے روز ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ حرمِ محترم کی مقدس سرزمین میں مکہ معظمہ کے تاریخی قبرستان "جنت المعلیٰ" میں سیدۃ کائنات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پڑوس میں مدفون ہوئے۔

رحمۃ اللہ علیٰ رحمت اللہ رحمۃ واسعۃ لاتغادر ذنباً

جہاں آپکی مرقدِ مبارک ہے اُس چھوٹے سے احاطے میں اور بھی پانچ قبریں ہیں جن میں سیّد الطائفہ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور مولانا عبدالحق صاحب شیخ الدلائل مصنف "اکلیل شرح مدارک التنزیل" خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔

ردِّ عیسائیت پر مولاناؒ کی خدمات:

اگرچہ ہمارے ہاں عام تاثر یہی ہے کہ اسلامی علوم کے جس میدان میں تحقیق وتدقیق کرتے ہوئے ہمارے اکابر جہاں تک پہنچے ہیں بعد میں آنے والے اُسکا سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہ بات کسی حد تک بالکل درست ہے لیکن مولانا مرحوم نے اس قاعدہ میں استثناء پیدا کیا ہے۔ اگرچہ عیسائیت کے موضوع پر علامہ ابن حزمؒ، علامہ عبدالکریم شہرستانیؒ، شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیم جوزیؒ، امام رازیؒ وقرطبیؒ اور دیگر بے شمار اہلِ علم نے ہر دور میں لکھا ہے۔ عصرِ حاضر میں بھی جدید ذرائع اور قدیم ماٰخذ کی مدد سے بہت کچھ لکھا جا رہا ہے تاہم مولانا کیرانویؒ اور انکی تصنیفات وخدمات کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر تحسین وآفرین کے کلمات جاری ہو جاتے ہیں۔

۔ وَلَيْسَ عَلَى اللهِ بِمُسْتَنْكَرٍ

أَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِى وَاحِدٍ

پادری فنڈر سے مناظرہ:

مولاناؒ نے اس محاذ پر اسلام کے بہادر سپاہی کی حیثیت سے ہر طرح کی خدمات انجام دیں۔ تحقیقی کتابیں لکھیں اور کامیاب مناظرے بھی کیے' تاریخ انہیں بجا طور پر "سلطان المناظرین" کا لقب دیتی ہے۔ پادری فنڈر کیساتھ انکا جو مناظرہ ہوا اُسے برِصغیر کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ یہ برطانوی استعمار کا دور تھا اور ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے مغلیہ دور کا آخری چراغ گل ہو رہا تھا۔ مسلمانانِ ہند خطرات میں گھرے ہوئے تھے' عیسائی مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے' اسلام پر شدید نکتہ چینی ہو رہی تھی اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی شخصیتِ مقدسہ پر کیچڑ اچھالا جا رہا تھا' وہ جگہ جگہ اسلام کے خلاف دلخراش گفتگو کرتے تھے۔ مسیحی مبلغین کے سربراہ پادری جی۔ سی۔ فنڈر نے "میزان الحق" نامی کتاب میں اپنی تلبیسات لکھ کر کچھ شبہات پیدا کرنا چاہے تو مسلمانوں میں ایک عجیب بے چینی کی کیفیت تھی۔ ان حالات کا تقاضا تھا کہ کوئی مردِ حر میرِ کارواں بن کر میدانِ مبازرت میں آئے اور احقاقِ حق ابطالِ باطل کرتے ہوئے دکھائے کہ دلیل و حجت کے اعتبار سے مسیحیت میں کتنی طاقت ہے؟ چنانچہ مولانا کیرانویؒ نے یہ فرض ادا کرنے کا عزم کیا۔ انکی نگاہِ بصیرت نے محسوس کیا کہ اس فتنے کا موثر مقابلہ اس وقت نہ ہو سکے گا جب تک مسیحی مشنریوں کے سرخیل پادری فنڈر کیساتھ کسی مجمعِ عام میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کر کے مسیحیت کی حقیقت کھول نہ دی جائے۔ مولاناؒ نے اپنے دوست مولوی محمد امیر اللہ کیساتھ ملکر پادری صاحب سے ملنے کی کوشش کی' خط و کتابت بھی کی' پادری صاحب لیت و لعل سے کام لیتے رہے۔ عیسائی مشنری کا یہ بنیادی اصول ہے کہ اہلِ اسلام کیساتھ مناظرہ و مکالمہ کی صورت نہ بننے پائے کیونکہ اس طرح مسیحی مذہب کے عقائد و مسائل کی حقیقت بہت جلد کھل جاتی ہے اور اسکے بعد کوئی جادو چل نہیں پاتا۔ چونکہ اس صورت میں مسیحیت کا نقصان ہے لہٰذا وہ دیگر ہتھکنڈوں سے مسلمانوں میں ارتدادی سرگرمیوں کے پھیلانے پر یقین رکھتے ہیں اور بعض اوقات کچھ کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ آخرکار مولاناؒ کے پیہم اصرار پر ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کے آخری خط میں مناظرہ طے پا گیا۔

مجلسِ مناظرہ کا انعقاد:

۱۱رجب ۱۲۷۰ھ بمطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء بروز پیر علی الصباح کٹڑہ عبدالمسیح اکبر آباد آگرہ میں یہ مجلسِ مناظرہ منعقد ہوئی۔ مولانا کیرانویؒ کیساتھ ڈاکٹر محمد وزیر خاں مرحوم اور فنڈر کیساتھ پادری فرنچ معاون تھے۔ کئی معزز مسلمان' عیسائی شخصیات اور چھ سو کے قریب مسلمان' عیسائی' ہندو اور سکھ عوام بھی مناظرہ سننے کو موجود تھی۔

موضوعات و شرائط:

مناظرہ کیلئے پانچ مسائل پر گفتگو کرنا بطورِ موضوع طے ہوا۔ (۱) تحریف بائبل (۲) مسئلہ نسخ (۳) عقیدۂ تثلیث (۴) رسالتِ محمدی ﷺ کا اثبات (۵) حقانیت وصداقت قرآن۔ شرط یہ طے پائی کہ اگر مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ غالب آئے تو فنڈر مسلمان ہو جائیگا اور اگر فنڈر غالب آئے تو مولانا رحمت اللہ عیسائی ہو جائیں گے۔ مولانا مرحوم اپنے موضوع پر اتنی وسیع وعمیق مکمل و مفصل تیاری کر چکے تھے اور حقانیتِ اسلام پر ایسا شرحِ صدر تھا کہ علی سبیل الفرض والمحال اس شرط کو قبول کرلیا جیسا کہ قرآنِ مجید میں بھی ایک جگہ یہی اندازِ استدلال اختیار کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف آیت ۸۱) پہلے تین مسائل میں طے ہوا کہ مولاناؒ سائل ہونگے' اعتراضات کرینگے اور فنڈر جواب دیگا' آخری دو مسئلوں میں برعکس ہوگا۔

روئیدادِ مناظرہ:

مولاناؒ نے پہلے نسخ کی حقیقت سمجھائی کہ اہلِ اسلام کے نزدیک اسکا کیا مطلب ہے پھر ثابت کیا کہ انجیل کے بعض احکام منسوخ ہیں' بعض نہیں۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے توریت کے بعض احکام کو منسوخ کیا اور پولوس نے تو تمام شریعت کو منسوخ کر دیا۔ پادری فنڈر نے خاصی جرح وقدح کے بعد یہ تسلیم کرلیا کہ انجیل کے احکام میں نسخ ہوا ہے۔ پھر مسئلہ تحریف پر بحث شروع ہوئی' کافی طویل گفتگو کے بعد پادری صاحب نے سرِعام اعتراف کرلیا کہ ہاں سات آٹھ مقامات پر

تحریف ہوئی ہے۔ اس پر بعض مسلمانوں نے ''مطلع الاخبار'' کے ایڈیٹر منشی خادم علی سے کہا کہ آپ کل کے اخبار میں پادری صاحب کا اعتراف شائع کردیں۔ اس پر پادری فنڈر بولے ''ہاں: شائع کردیں' مگر اس قسم کی معمولی تحریفات سے بائبل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا' خود مسلمان انصاف کیساتھ فیصلہ کرلیں'' یہ کہہ کر پادری صاحب نے مفتی ریاض الدین صاحب کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا ''اگر کسی وثیقے میں ایک جگہ جعل ثابت ہوجائے تو وہ قابلِ اعتماد نہیں رہتا اور آپ تو سات آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کررہے ہیں۔ دیکھئے: مسلمانوں کا دعویٰ یہی تو ہے کہ بائبل کو یقینی طور پر اللہ کا کلام نہیں کہا جاسکتا اور آپکے اعتراف سے بھی یہی بات ثابت ہوئی ہے'' اس پر فنڈر نے کہا ''اجلاس کے وقت سے آدھا گھنٹہ زائد ہوچکا ہے باقی بحث کل ہوگی'' مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے کہا کہ آپ نے آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کیا ہے کل ہم انشاءاللہ پچاس ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے۔ لیکن تین باتوں کا خیال رکھیئے۔ ایک تو یہ کہ ہم آپ سے بائبل کے صحائف کی سندِ متصل کا مطالبہ کریں گے۔ دوسری بات یہ کہ جن مقامات پر ہم تحریف ثابت کریں گے تو آپ پر لازم ہوگا کہ اسے تسلیم کریں یا اُسکا کوئی معقول جواب دیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب تک تحریفِ بائبل کی بحث ختم نہ ہوجائے اُس وقت تک آپ اسکی کسی عبارت سے استدلال نہیں کریں گے۔

پہلے دن کے مناظرے کی شہرت دور دور تک پھیلی تو دوسرے دن حاضرین کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہوگئی۔ اس دن کی بحث میں سب سے پہلے پادری فنڈر نے ایک طویل تقریر میں قرآن کریم کی بعض آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے تک انجیل اپنی اصلی شکل میں محفوظ تھی' اور قرآن نے اسی پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔ لیکن مولانا کیرانویؒ اور ڈاکٹر وزیر خاں صاحب مرحوم نے نہایت معقول اور مدلل جوابات دیکر انکے تمام دلائل پر پانی پھیر دیا۔ اسکے بعد گذشتہ موضوع تحریف پر گفتگو شروع ہوئی اور مولاناؒ نے بائبل کے بہت سے مقامات پر تحریف ثابت کی تو بالآخر فنڈر اور فرنچ نے کہا کہ یہ سب 'سہوِ کاتب' ہیں۔ مسیحی

پادریوں کا عام طور پر یہی جواب ہوتا ہے کہ لکھنے والوں سے بھول ہوگئی۔ ان یگانہ روزگار محققین کو یہ خبر نہیں کہ سہو کاتب اس طرح کا نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو ایک آدھ نسخہ میں ہوتا ہے اور اسے بھی مسلسل جاری نہیں رکھا جاتا بلکہ درست کر دیا جاتا ہے۔ یہ ایسا ''سہو کاتب'' ہے جو اردو' فارسی' انگریزی وغیرہ مختلف تراجم بائبل کے لاتعداد نسخوں میں ہزاروں سال سے چلا آرہا ہے۔ کروڑوں مسیحی اس غلطی والے کلام کو الہامی اور کلام الٰہی سمجھ کر بڑی عقیدت مندی سے پڑھے جارہے ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ اس کتاب میں کاتبوں کا بے شمار سہو بھی شامل ہے۔ مزید قابل غور بات یہ ہے کہ جن کتابوں کے مصنفین کا اتہ پتہ نہ ہو اُنکے بارے میں بے چارے کاتب کو سہو و غلطی کا الزام دیکر کیوں پیٹا جاتا ہے؟ بہرحال پادری صاحب کے اس ''معقول'' جواب پر مزید کچھ گفتگو کے بعد یہ بحث ختم ہوگئی اور مناظرے کے تیسرے دن پادری صاحب تشریف نہیں لائے۔

یہ مناظرہ جسکا ہم نے انتہائی اختصار کیساتھ خلاصہ لکھا ہے اسکی پوری کیفیت اور مفصل روئیداد وزیر الدین بن شرف الدین صاحب شریک مناظرہ نے ''البحث الشریف علی اثبات النسخ والتحریف'' کے نام سے فارسی میں مرتب کی اور حافظ عبداللہ کے زیر اہتمام ''فخر المطابع'' شاہ جہاں دہلی سے ۱۲۷۰ھ میں کتابی شکل میں چھپ کر ہندوستان کے اطراف واکناف میں اشاعت پذیر ہوئی۔ حال ہی میں اظہار الحق (عربی) کے محشی ڈاکٹر محمد عبدالقادر خلیل نے اسے تہذیب وتحقیق' تحشیہ وتعلیق کیساتھ مرتب کیا ہے اور ''مطابع الصفا'' مکہ مکرمہ سے طبع ہوا ہے۔ اظہار الحق (اردو) ''بائبل سے قرآن تک'' کے مقدمہ میں بھی اسکا قدرے مفصل ذکر ہے۔

تصنیفات

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے برصغیر کی تینوں مشہور اسلامی زبانوں عربی' فارسی' اردو میں تصنیفات کا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ اسلام کے اُس عظیم داعی کا یہ جذبہ تھا کہ حق کی اطلاع ہر شخص کو مل جائے۔ اُنکی تصنیفات ردِ عیسائیت کے موضوع پر سند کا درجہ رکھتی ہیں جن میں سے بعض تو زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوسکیں اور حوادثِ زمانہ سے ناپید ہوگئیں۔ اِن میں سے ایک ''بروق لامعہ'' ہے جسکا

موضوع ختمِ نبوتِ محمدی ہے' سرکارِ دو عالم ﷺ کی رسالت کا مدلل اثبات کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب "معدل اعوجاج المیزان" ہے یہ کتاب پادری فنڈر کی "میزان الحق" کا بالاستقلال جواب ہے۔ پادری صفدر علی نے مسیحی رسالہ "نور افشاں" جلد ۱۲ شمارہ نمبر ۳۰ مطبوعہ ۲۴ جولائی ۱۸۸۲ء میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب کا کوئی قلمی نسخہ اُنکے پاس ہے۔ تیسری کتاب "تقلیب المطاعن" ہے یہ "تحقیقِ دینِ حق" مؤلفہ پادری لاسمند کا رد اور جواب ہے۔ چوتھی کتاب "معیار التحقیق" ہے۔ پادری صفدر علی نے ایک کتاب "تحقیق الایمان" کے نام سے لکھی یہ اُسی کا مدلل اور مفصل جواب ہے۔ انکے علاوہ موصوف کی مطبوعہ کتابوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

۱۔ ازالۃ الاوھام:

مولاناؒ کی پہلی تصنیف "ازالۃ الاوہام" ہے۔ جس کی تقریب یہ ہوئی کہ حضرت شاہ عبداللہ دہلوی المعروف شاہ غلام علی دہلویؒ جو نقشبندی سلسلہ طریقت کے ممتاز بزرگ ہیں' انکی خانقاہ میں شاہ عبد الغنیؒ سکونت پذیر تھے۔ انہی کی فرمائش پر مولانا نے یہ کتاب لکھنی شروع کی۔ اُن دنوں برصغیر کی سرکاری اور علمی زبان فارسی تھی چنانچہ مولانا نے عامۃ الناس کی خاطر کتاب کو فارسی زبان میں لکھا۔ جس میں عیسائیت کی طرف سے اسلام پر کیے گئے عمومی اعتراضات کے مدلل و مکمل' الزامی و تحقیقی' جامع و مسکت جوابات دیے۔ کتاب زیرِ تصنیف تھی کہ ایک اہم واقعہ پیش آیا چنانچہ لکھا ہے۔

"ازالۃ الاوھام" زیرِ ترتیب تھی کہ حضرت مولانا مرحوم سخت علیل ہوئے۔ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے۔ اشارہ سے نماز ادا ہوتی تھی۔ اقربا و اعزا' تلامذہ اور تیماردار بڑھتی ہوئی کمزوری اور شدتِ مرض سے پریشان تھے۔ ایک روز نماز فجر کے بعد آپ رونے لگے۔ تیماردار سمجھے کہ زندگی سے مایوسی ہے۔ اعزا نے تسلی و تشفی کرنی چاہی آپ نے فرمایا "بظاہر صحت کی کوئی علامت نہیں لیکن انشاء اللہ صحت ہوگی۔ رونے کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ بھی ساتھ ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں "اے جوان تیرے لئے رسول اللہ ﷺ کی یہ خوشخبری ہے کہ اگر تالیفِ ازالۃ الاوھام مرض کی وجہ ہے تو وہی

باعثِ شفا ہوگی'' حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس خوشخبری کے بعد مجھے کوئی رنج وملال نہیں بلکہ مسرور اور خوش ہوں اور فرطِ مسرت سے یہ آنسو نکل آئے۔ الحمد للہ کہ اسکے بعد صحت وعافیت ہوگئی اور ازالۃ الاوہام کی ترتیب وتالیف کا کام شروع کردیا'' (بحوالہ ''ایک مجاہد معمار'' مؤلفہ مولانا محمد سلیم، مطبوعہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ)

یہ کتاب مکمل ہوئی اور بڑی تقطیع کے پانچ سو چونسٹھ صفحات پر ۱۲۶۹ھ ۱۸۴۸ء میں سید المطابع شاہ جہاں آباد سے جناب قوام الدین صاحب کے زیرِ اہتمام چھپی۔ اس میں ایک مقدمہ اور چار ابواب ہیں جبکہ ہر باب میں تین فصول ہیں۔ مقدمہ میں کتب عہد عتیق وجدید کا تعارف، بائبل کی قابلِ اعتراض عبارات اور تحریفات کا مفصل بیان ہے۔ باب اول کی فصلِ اول میں دس اعتراضات کے جواب دیے گئے ہیں۔ جن میں مسئلہ نسخ، معراج، شق القمر، حجابِ نسواں، وجودِ جنات، حکمتِ جہاد، نسبِ نبوی ﷺ از اولادِ ہاجر علیہا السلام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ فصلِ دوم میں قرآنِ عزیز سے متعلق اور فصلِ سوم میں حدیث سے متعلق دس دس اعتراضات کے جوابات ہیں۔ باب دوم کی فصلِ اول میں انسانیت ونبوت حضرت مسیح علیہ السلام کا مدلل اثبات ہے فصلِ دوم میں عہد جدید سے اور فصلِ سوم میں عہد عتیق سے حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا بطلان ثابت کیا گیا ہے۔ باب سوم کی فصلِ اول میں قوم یہود بنی اسرائیل کی تاریخ واحوال، عادات وقبائح کا ذکر ہے۔ فصلِ دوم میں ختم المرسلین ﷺ کے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام کی اٹھارہ (۱۸) پیشین گوئیوں کا مبسوط بیان ہے۔ باب چہارم کی فصلِ اول میں چار اہم ضروری فوائد بتائے گئے ہیں۔ فصلِ دوم میں محسنِ انسانیت سید المعصومین ﷺ پر کیے گئے دس بڑے اعتراضات کے جوابات ہیں جنکی صدائے بازگشت آج بھی مغربی دنیا اور بے دین حلقوں میں پائی جاتی ہے جبکہ فصل سوم میں توریت، انجیل، صحفِ انبیاء سے رسالتِ محمدی ﷺ کے اثبات پر تیئیس (۲۳) براہین قاطعہ نہایت شرح وبسط کیساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔ مسئلہ تثلیث اور بشاراتِ محمدی ﷺ پر سیر حاصل بحث اس کتاب کی خصوصیات میں سے ہے۔ ''ازالۃ الاوھام'' کا جو نسخہ ہمارے پیشِ نظر رہا اُسکے حاشیہ پر

مولانا سید آل حسن موہانیؒ کی کتاب الاستفسار بھی چھپی ہوئی ہے۔ بندۂ ناچیز نے اِسکا سلیس اردو ترجمہ کر کے تحقیقی حواشی لکھ دیے ہیں۔ شروع میں ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں کئی مفید باتیں آ گئی ہیں۔

۲۔ اظہار الحق:

مولاناؒ کی دوسری اہم اور مشہور عربی کتاب "اظہار الحق" ہے جس نے بہت بلند مقام حاصل کیا ہے اور دنیا کی متعدد زبانوں میں اسکے تراجم ہوئے ہیں۔ سلطنتِ عثمانیہ کے خلیفہ سلطان السلمین عبدالعزیز خاں مرحوم کی درخواست پر یہ کتاب چھ ماہ کی مدت میں تصنیف ہوئی۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں کتاب کے متعلق تمہیدی باتوں کا تذکرہ ہے۔ بابِ اول کی پہلی فصل میں کتب عہد عتیق وجدید کا مفصل بیان ہے اور ان کتابوں کی قدامت واصلیت کے متعلق سیر حاصل بحث کی گئی ہے دوسری فصل میں بائبل کے تناقضات' تیسری فصل میں بائبل کی اغلاط اور غلط پیشنگوئیوں کا تذکرہ ہے' چوتھی فصل میں بائبل کا الہامی نہ ہونا مسیحی علماء ومفسرین کے حوالوں کیساتھ ثابت کیا گیا۔ باب دوم میں ثابت کیا گیا ہے کہ بائبل میں ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے' الفاظ کی تبدیلی ہوئی ہے' الفاظ کی زیادتی ہوئی ہے اور الفاظ کا حذف ہوا ہے اسکے بعد عیسائیت کے پانچ مغالطات کا جواب دیا گیا ہے۔ باب سوم میں نسخ کی حقیقت اُسکے امکان اور وقوع کو دلائل کیساتھ مبرہن کیا گیا ہے۔ باب چہارم میں ابطالِ تثلیث ہے، شروع میں بارہ اصول ذکر کیے گئے ہیں جن سے تثلیث کے پیچیدہ فلسفہ کے بطلان کو سمجھنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔ فصلِ اول میں عقیدۂ تثلیث کو عقلی دلائل سے باطل کیا گیا ہے فصلِ دوم میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں اِس عقیدہ کا جائزہ لیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ تثلیث اُنکا عقیدہ نہیں بلکہ وہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح توحید بلا تثلیث ہی کے داعی رہے فصلِ سوم میں تثلیث کے اثبات کیلئے عیسائیت کے مزعومہ دلائل کا رد کیا گیا ہے۔ بابِ پنجم میں حقانیت وصداقتِ قرآن پر بحث کی گئی ہے فصلِ اول میں قرآنِ کریم کے اعجاز اور بارہ (۱۲) خصوصیات کا تذکرہ ہے اور

بعض سوالوں کا جواب ہے' فصلِ دوم میں عیسائیت کے قرآن کریم پر کیے گئے اعتراضات کا جواب ہے' فصلِ سوم میں صحت وحجیتِ حدیث اور احادیث پر پادریوں کے اعتراضات کا تذکرہ ہے۔ بابِ ششم میں نبوتِ محمدی ﷺ کے اثبات کا بیان ہے آپ ﷺ کے معجزات' اخلاق' تعلیمات' شریعتِ مطہرہ اور بشارات کا تذکرہ ہے' فصلِ دوم میں رسالتِ مآب ﷺ پر عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ رد نصرانیت کی تمام مباحث پر ایک جامع کتاب ہے جسکا جواب دینے سے مسیحی دنیا آج تک قاصر ہے۔ اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت پر ''ٹائمز آف لندن'' نے تبصرہ کرتے ہوئے عجیب بات لکھی کہ

''لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہبِ عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی''

اللہ تعالیٰ نے اُنکی اس تصنیفِ لطیف کو قبولِ عام عطا فرمایا، عرب وعجم کے علماء برابر اس سے استدلال واستفادہ کرتے رہے، اسکی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہے اس پر اپنے اعتماد کا اظہار فرماتے رہے۔ آج بھی یہ اپنے موضوع پر ریفرنس بک کا درجہ رکھتی ہے۔

یہ کتاب ڈاکٹر محمد احمد محمد عبدالقادر خلیل ملکاوی پروفیسر کنگ سعود یونیورسٹی ریاض کی تحقیق وتعلیق کیساتھ چار جلدوں میں چھپی ہے۔ اسکا اردو ترجمہ مولانا اکبر علی مرحوم استاذ حدیث دار العلوم کراچی نے کیا۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے اس پر تحقیقی حواشی کا اضافہ کر کے کتاب کی افادیت بہت بڑھادی ہے۔ بائبل کی عبارات پر تخریج کر کے نسخوں کا اختلاف اور تازہ ترین تحریفات کو جمع کیا ہے' عیسائی اصطلاحات اور مشاہیر کا تعارف لکھا ہے۔ شروع میں ایک مبسوط مقدمہ بھی سپرد قلم کیا ہے جو مستقل کتاب ''عیسائیت کیا ہے؟'' کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ یہ اردو ترجمہ وتحقیق بھی ''بائبل سے قرآن تک'' تین جلدوں میں مکتبہ دار العلوم کراچی سے چھپ چکا ہے۔

۳۔ اعجازِ عیسوی:

یہ کتاب ۱۲۶۹ھ میں آگرہ میں لکھی گئی۔ پہلی بار آگرہ میں اور دوسری مرتبہ مطبع رضوی دہلی میں طبع ہوئی اسکا دوسرا نام ''اعجاز مسیحی'' اور ''مصقلة التحريف'' بھی ہے۔ کتاب کا اسلوب قدیم

اردو کا تھا مولانا محمد تقی عثمانی نے اسکی تحریر جدید یعنی سہل اردو کرا کے تحقیقی حواشی کیساتھ مکمل کروایا ہے۔ ادارہ اسلامیات' انارکلی' لاہور نے متعدد بار اسکو چھاپا ہے۔ کتاب کا موضوع مسئلہ تحریف ہے۔ شارحِ اظہارالحق مولانا محمد تقی عثمانی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس میں انہوں نے تحریفِ بائبل پر سب سے زیادہ شرح وبسط کیساتھ بحث کی ہے اور اس لحاظ سے اس کتاب کی کوئی نظیر عربی' فارسی یا اردو میں موجود نہیں ہے بلکہ انگریزی زبان کی کسی کتاب میں بھی اتنے استقصاء کیساتھ بائبل کے تضادات' غلطیوں اور تحریفات کا بیان میری نظر سے نہیں گذرا''

عیسائی مذہب کی حقیقت' کتابوں کی اصلیت اور تحریفِ بائبل پر مدلل بحث کرنے کے بعد آخر میں اے عیسائی بھائیو! اے پیارو! اے عزیزو! اے عزیز عیسائیو کہہ کر عیسائی دنیا سے بڑے دردمندانہ انداز میں خطاب کرتے ہیں۔

''بھلا تم کس کیلئے ایسے دین اور ایسی کتب کے حامی بنے ہوئے ہو۔ کیوں نہیں تم نبی آخرالزمان ﷺ پر ایمان لا کر نجات حاصل کر لیتے ہو''

دوسری جگہ لکھتے ہیں ''اے عزیزو! یہی وہ نبی ہے کہ تمہاری کتابوں میں اس قدر تحریفات کے باوجود اَب تک اُسکی بے شمار بشارتیں موجود ہیں اور مسلمانوں نے اپنی اکثر کتابوں میں اُنکو درج بھی کر دیا ہے اور وہ ایسی ہیں کہ ان بشارات کا مصداق سوائے نبی آخرالزمان ﷺ کے اور کوئی قرار نہیں پا سکتا۔ تم لوگ بھی اگر تعصب کو بالائے طاق رکھ کر اُنکی طرف توجہ دو تو یقین ہے کہ پھر ایسے وساوس اور شکوک میں مبتلا نہ ہو''

آخر میں مولانا نے اختتامی کلمات کیساتھ لوگوں کی ہدایت کیلئے دل کی گہرائیوں سے پُرخلوص دعا کی ہے اس موثر مناجات کے چند ابتدائی جملے ملاحظہ ہوں

''اے رب العالمین! تو جو ساری چیزوں پر قادر ہے اور بنی آدم کے دلوں کو شیطان کے وساوس سے چھڑانے کی طاقت رکھتا ہے' اپنے فضل وکرم سے عیسائیوں کو جو سچے دل سے اپنی

نجات کے خواہاں ہیں' راہِ راست پر لا اور اُنکو جو تعصب کی راہ سے دینِ محمدی ﷺ کے دشمن ہورہے ہیں تعصب سے چھڑا اور اُنکو توفیق عنایت فرما کہ سچے دل سے تیری راہ تلاش کریں اور تیرے نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لا کر نجاتِ ابدی اور حیاتِ سرمدی پائیں۔ اے خداوندِ متعال! انکو توفیق دے کہ اس کتاب کو بلا تعصب اور بلا طرفداری دیکھیں اور ضلالت و گمراہی کے ورطہ سے نکل کر ساحلِ نجات پر پہنچیں''

٤۔ ازالۃ الشکوک:

یہ کتاب اردو میں ہے اور اتالیس سوالات کا جواب ہے عیسائیوں نے کراچی میں ایک مسلمان کو مرتد کیا اور اُسکے ہاتھوں یہ سوالات لکھوا کر بطورِ اشتہار شائع کرایا کہ مسلمان اسکا جواب دیں حضرت مولانا مرحوم کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں

''بندہ رحمت اللہ قصبہ کیرانہ کا رہنے والا بھائی مسلمانوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۲ء میں ایک قطعہ تیئیس سوال کا جو دہلی اور آگرہ وغیرہما میں مشتہر ہوا تھا میری نظر سے گذرا اور پھر انہی سوالوں کو ایک ہندی رسالے کے آخر میں مندرج پایا اور معلوم ہوا کہ مسیحیوں کی علتِ غائی اشتہار سے یہ ہے کہ کوئی اُنکا جواب لکھے۔ اس پر میرے دل میں آیا کہ میں لکھوں لیکن جب دیکھا کہ وہ سوال نئے نہیں بلکہ سائل نے انہیں قدیم سوالوں کو جو میزان الحق اور پادریوں کے رسالوں میں مندرج ہیں نقل کر لیا ہے اور انکے جواب بخوبی ادا ہو چکے ہیں تو یہ دیکھ کر اُنکے علیحدہ جواب لکھنے کو فضول سمجھ کر چپ ہو رہا مگر ۱۲۶۹ھ میں دو امر باعث ہوئے کہ اُنکا جواب لکھوں۔ ایک یہ کہ بعض عیسائیوں نے اُن سوالوں میں اصلاح دے کے اور چھ سوال اور بڑھا کے اُنکو جناب مستطاب مرزا محمد فخر الدین ولی عہد بہادر دام اجلالہ کی خدمتِ بابرکت میں بھیجا اور جناب معظم الیہ نے مجھ سے درخواست کی کہ اُنکا جواب لکھوں اور اُنکا امر ماننا پڑا۔ دوسرا یہ کہ میں نے سنا کہ وہ پادری حضرات جو اس امر کی تنخواہیں پاتے ہیں اور اسی بات کی روٹی کھاتے ہیں کہ جاہلوں کو بہکا دیں اور بھولے بھالوں کو پھسلا دیں شور و غل مچاتے ہیں کہ مسلمان لوگ جواب

نہیں دے سکتے۔ پس ان دو امر کا لحاظ کر کے جواب کے لکھنے پر مستعد ہوا''

حضرت مولانا کے شاگرد شمس العلماء مولانا عبدالوہاب صاحبؒ نے اپنے اہتمام اور صرفہ سے مطبع مجیدیہ مدراس میں پہلی جلد چھپوائی تھی۔ دوسری جلد مولانا کے نائب ابوالفضل ضیاء الدین محمد صاحب نے اپنی نگرانی میں طبع کرائی ماہ شعبان ۱۲۸۸ھ میں مولانا عبدالوہاب کی تصحیح کیساتھ دونوں جلدیں طبع ہوئیں۔

۵۔ احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث:

یہی کتاب اس وقت آپکے ہاتھوں میں ہے۔ اسکا موضوع خصوصیت کیساتھ مسئلہ تثلیث ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مولانا قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے مسیحیت کی تردید وتنقید کیلئے خاص طور پر چن لیا تھا۔ انہوں نے اس موضوع پر سرسری یا سطحی طور پر قلم نہیں اٹھایا بلکہ پہلے اس مذہب کے وسیع لٹریچر کا بنظر غائر مطالعہ کیا۔ اپنے معاونِ خصوصی ڈاکٹر وزیر خاں مرحوم کی مدد سے انگریزی' عربی' سُریانی' عبرانی' یونانی زبان کی کتابوں سے خوب استفادہ کیا۔ پھر عیسائیت کے ایک ایک مسئلہ پر انتہائی شرح وبسط اور تحقیق وتنقید کیساتھ لکھا۔ اُنکی بعض کتابیں جامع نوعیت کی ہیں یعنی اُن میں عیسائیت کے متعلق جملہ مباحث پر قلم اٹھایا گیا ہے مثلاً اظہار الحق۔ بعض کتابوں کے خاص موضوعات ہیں مثلاً اعجاز عیسوی میں مسئلہ تحریف کا مفصل و مدلل بیان ہے۔ اسی طرح اس کتاب میں عیسائی عقائد کے بنیادی پتھر ''فلسفہ تثلیث'' کو دلائلِ عقلیہ ونقلیہ سے باطل کیا گیا ہے۔ اگرچہ مولاناؒ نے اظہار الحق باب چہارم اور ازالۃ الاوہام باب دوم میں بھی اس موضوع پر گرانقدر تحقیق کی ہے' دونوں جگہ مفید مقدمات لکھے ہیں' اس عقیدہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انکے حواریوں کے اقوال سے بطلان ثابت کیا ہے' دلائلِ عقلی دیے ہیں اور مسیحیت کے مزعومہ دلائل کا رد بھی کیا ہے لیکن یہ کتاب اِس موضوع پر بطورِ خاص ہے۔ شروع میں بطور تمہید دس تنبیہات اور ضروری امور لکھے ہیں پھر ابطالِ تثلیث اور اثباتِ توحید پر چار براہین ذکر کیے ہیں جن کے ضمن میں بھی بہت سے دلائل وفوائد آگئے ہیں۔

سببِ تصنیف:

تصنیفِ کتاب کا سبب یہ بنا کہ عیسائیوں نے چند اعتراضات لکھوا کر بطورِ اشتہار شائع کیے اور جواب طلب کیا۔ اہلِ اسلام کی طرف سے مولانا مرحوم نے یہ فرض اور قرض ادا کرنے کا عزم کیا اور دو جلدوں میں "ازالۃ الشکوک" کے نام سے جوابات تحریر کیے۔ شروع میں ایک مقدمہ لکھا جو ستر صفحات تک پھیل گیا اور طوالت و تفصیل کی وجہ سے مستقل کتاب بن گیا۔ قدر شناسوں نے اسے اصل کتاب سے پہلے ہی علیحدہ طور پر شائع کر دیا۔

مولانا کے سوانح نگاروں نے اس کتاب کا نام "احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث" ذکر کیا ہے۔ بعض نے "اوضح الاحادیث فی ابطال التثلیث" بتایا ہے۔ ہمارے پاس موجود نسخہ پر اسکا نام "اصح الاحادیث فی ابطال التثلیث" درج ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ عنوان کا فرق طابع کے تصرّف سے ہو گیا ہے کیونکہ خود مولانا نے اس مقالہ نافعہ کا نام "احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث" رکھا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"بعض احباب نے درخواست کی کہ ہمارے نزدیک یوں مناسب ہے کہ تم ابطال التثلیث کو جو اُسکے مقدمہ کے امر تیسرے میں مبیّن ہے نکال کر اُسکو رسالہ جداگانہ کر دو اور مواضع میں بقدر مناسب کے کچھ کچھ بڑھا دو اور پھر از سر نو اوّل سے چھپواؤ۔ پس اُنکی درخواست کے موافق میں نے اُس ابطال التثلیث کو اُس سے نکال کر کچھ اُس میں اور بسط کر کے اُسکو رسالہ جداگانہ کر دیا اور نام اُسکا احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث رکھا" (ازالۃ الشکوک ج ۱ ص ۶)

لہٰذا ہم بھی مولانا کی خواہش کے مطابق اسی نام کو ترجیح دیتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ مولانا نے اپنی اس تحریر میں تثلیث کے ابطال پر جو دلائل اور باتیں لکھی ہیں وہ مفاہیم و معانی کے اعتبار سے انتہائی اصح، الفاظ و کلمات کے اعتبار سے انتہائی اوضح اور تعبیر و اسلوب کے اعتبار سے انتہائی احسن ہیں۔ یہ کتاب فخر المطابع سے حافظ عبداللہ کی زیرِ نگرانی طبع ہوئی، سن طباعت درج نہیں ہے لیکن تذکرہ نگاروں کے بقول ۱۲۹۲ھ میں چھپی۔ کتاب صرف ایک ہی بار چھپی دوبارہ اشاعت کی

نوبت نہیں آئی لہٰذا نایاب ہوگئی۔ مصورات (Photo Copies) کی شکل میں ایک دو کتب خانوں میں موجود ہے۔ ضرورت تھی کہ دوبارہ منصۂ شہود پہ آ جائے لیکن کتاب کی اردو زبان اتنی پرانی ہے کہ اُسکا استعمال نہ صرف متروک ہو گیا ہے بلکہ آج کے اردو داں طبقہ کیلئے اِسکا سمجھنا یا استفادہ کرنا خاصا مشکل ہے۔ بندۂ ناچیز نے کتاب کی عبارت آج کی زبان کے مطابق سلیس اور رَواں بنانے کی کوشش کی ہے۔ جس کیلئے الفاظ کا تھوڑا سا تغیر ناگزیر تھا تاہم اس بات کا اطمینان ہے کہ مضامین ومطالب میں کوئی فرق نہیں آنے پایا اور مصنف ؒ کے کلام کی پوری دیانت کیساتھ تحریرِ جدید (Rewriting) کی گئی ہے۔ اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہیں کیا' اپنی کوئی بات لکھنا چاہی تو اُسے حواشی میں درج کیا' متن میں بین القوسین بھی کوئی چیز نہیں بڑھائی لہٰذا پورے یقین کیساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب خالص مصنف ؒ کی تحریر کا نیا پیراہن ہے۔

منہجِ تحقیق:

بہرکیف اس کتاب پر بندۂ ناچیز سے جو کچھ کام ہوسکا اور اُسکا جو انداز واسلوب یا طریقہ کار رہا اُسکا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) متن کی تسہیل کرتے ہوئے اُسے سلیس رَواں اردو میں منتقل کیا۔

(۲) متن میں جہاں بائبل کے حوالے آئے ہیں وہاں موجودہ اردو بائبل (کتابِ مقدس) سے ترجمہ لکھا تاکہ مسیحی حضرات کیلئے زیادہ قابلِ اعتماد رہے اور اختلاف کی صورت میں حواشی میں نوٹ دیکر وضاحت کی۔

(۳) متن کی تمام مباحث وابواب کے عنوانات قائم کیے تاکہ قاری کیلئے سہولت ہوجائے۔

(۴) ترقیم (Punctuation) کا اہتمام کیا' حوالہ جات کو ممتاز کیا' ہر نئی بات نئے پیراگراف سے ذکر کی۔

(۵) شروع کتاب میں ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ کے حالاتِ زندگی'

خدمات دینی اور تصنیفات علمی کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے جسکا ماخذ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے عزیز مولانا محمد سلیم مرحوم کا مختصر مگر جامع رسالہ ہے جو "ایک مجاہد معمار" کے نام سے مدرسہ صولتیہ نے طبع کیا ہے۔

(۶) حواشی میں بائبل کے حوالہ جات پر جدید تراجم بائبل (اردو عربی فارسی انگریزی) سے مراجعت کی گئی ہے۔

(۷) مسیحیت کی مذہبی اصطلاحات اور متداول علمی تعبیرات کی بقدر ضرورت وضاحت کی ہے۔

(۸) آیاتِ قرآنی کا ترجمہ وتفسیر، متن میں مذکور واقعات کی تحقیق کی گئی ہے انسانوں یا قبیلوں کے جو نام آئے ہیں اُن میں سے بہت سوں کا تعارف کرا دیا ہے۔

(۹) متنِ کتاب کی تسہیل کیلئے جہاں ضروری معلوم ہوا حواشی بڑھائے گئے ہیں۔

(۱۰) عبارتِ مصنفؒ کی تشریح کرتے ہوئے اُس بحث کے متعلق دیگر ماخذ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تاکہ اہلِ ذوق کیلئے استفادہ آسان رہے۔

تلكَ عشرةٌ كاملةٌ

ہم اپنی کوتاہ علمی، کم فہمی کے باوجود امید رکھتے ہیں کہ یہ تحقیق اہل علم کیلئے نئے اُفق روشن کریگی اور اسکا ہر ذیلی عنوان ایک نیا میدانِ تحقیق فراہم کریگا۔ انسان نسیان کا پُتلا ہے خطا لازمہ بشریت ہے یہ کوشش حرفِ آخر نہیں ہے اور علم کے قافلے کا کہیں پڑاؤ نہیں ہے لہٰذا ہر مثبت تنقید کا خیر مقدم کیا جائیگا اور ہر درست رہنمائی کو کھلے دل سے قبول کیا جائیگا۔

؎ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

آخر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور انتہائی عجز و نیاز، اخلاص وانکسار کیساتھ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے انسانیت کیلئے نافع بنائے اور مصنفؒ کی دیگر کتب کی طرح اس ہدیہ سنیہ کو جو جدید اردو کے خوبصورت لباس میں جلوہ گر ہے عوام وخواص کے ہاں مقبولِ عام اکسیر

ہدایت بنائے۔ خدا کرے کہ یہ ناچیز کوشش دلوں کے غبار چھٹنے، دماغوں کے پردے کھلنے، تعصب کے اندھیرے ہٹنے اور بھٹکے ہوئے قافلوں کی فلاح وصلاح کا سامان ہو جنہیں جادۂ منزل کی تلاش ہے اور وہ حق واضح ہو جانے کے بعد اسکے قبول کرنے میں کوئی ڈر نہیں رکھتے، نہ کسی رکاوٹ کو حائل ہونے دیتے ہیں۔ اے ہمارے رب کریم! ہمیں محض اپنے فضل وکرم سے عقیدۂ توحید پہ ثابت قدم رکھیے، صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرمایئے، اپنے انعام یافتہ بندوں کے نقشِ قدم پہ چلایئے، غضب شدہ اور گم کردہ راہ لوگوں سے بچایئے۔ یا الہ العالمین! محض اپنے فضل سے اس ناچیز کو مرتے دم تک اپنے دینِ متین کی خدمت کیلئے موفق فرمایئے، سعادت کی زندگی عطا فرمایئے، شہادت کی موت عطا فرمایئے، ایمان پہ خاتمہ فرمایئے، مصنف مرحوم کے قدموں میں جگہ عطا فرما دیجئے اور جب روزِ جزا کو دین کے مخلص کارکنان پر نوازش وعنایت کا موقع آئے تو اس فقیر سیاہ کار کو انکی رفاقت سے محروم نہ فرمایئے۔

آمین برحمتك یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا ومولانا ونبینا محمد وعلیٰ اله وصحبه اجمعین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین

ابومحمد اسماعیل عارفی

صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث

عقیدۂ تثلیث دین ودانش کی کسوٹی پر

لن یستنکف المسیح أن یکون عبدا للہ ولا الملئکۃ المقربون
احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث

خدا کے نہو پس اطلاق ان دونوں لفظوں کا شیطان پر ہوا اور کوئی لفظ صورت الہ یا شبیہ
خدا سی جو حق مسیح ہو میں ہے شبہ میں نزدیک ہے اس لئے حق آدم اور اولاد آدم میں یہ لفظ بولا گیا
ہی کتاب پیدائش کے اول باب میں ترجمہ فارسیہ سنہ ۱۸۳۹ء ۲۶ و خدا گفت کہ انسان را بصورت خود
موافق شبیہ خود بسازیم الخ ۲۷ پس خدا انسان را بصورت خود آفرید بصورت خدا او را آفرید ایشان
را نر و مادہ آفرید ترجمہ ہندیہ سنہ ۱۸۴۵ء تب خدا نے کہا کہ ہم آدمی کو اپنا مثل اور اپنی صورت بناتے ہیں الخ
۲۷ تب خدا نے آدمی کو اپنی صورت بنایا خدا کی صورت پر اوسی پیدا کیا پھر اوسی نر و مادہ
بنایا ترجمہ عربیہ سنہ ۱۸۲۵ء فخلق اللہ الانسان کصورتہ کصورت اللہ خلقہ اور چھٹی آیۃ باب
نویں کتاب پیدائش میں ہے ترجمہ فارسیہ ہر کہ خون انسان ریزد خونش از انسان ریختہ شود
زیرا کہ خدا انسان را بصورت خود ساختہ است ترجمہ ہندیہ اور جو کوئی انسان کا لہو بہاوے اوس کا
لہو انسان ہی بہاوے گا کہ انسان خدا کی صورت ہی پر بنایا گیا ہے انتہی پس اگر صورت
سے صفت اور سیرت ہی اور بلکہ بیچارہ شیطان کا بھی گیا ذکر اطلاق خدا اور مثل اوس کا غیر
ذوی العقول پر آیا ہی جناب پولوس آیۃ انیسویں باب تیسرے اپنے خط میں فیلپی والوں کو لکھتی
ہیں ترجمہ عربیہ سنہ ۱۸۲۵ء اور سنہ ۱۸۴۱ء اولئک الذین بطنہم الہہم ترجمہ فارسیہ سنہ ۱۸۱۶ء اور
سنہ ۱۸۲۸ء اور سنہ ۱۸۴۱ء خدای آنہا شکم است ترجمہ ہندیہ سنہ ۱۸۳۹ء اور سنہ ۱۸۴۴ء اونکا خدا پیٹ ہے دیکھو اس
جا شکم پر اطلاق الہہ و خدا کا آیا اور آیۃ اڑتیسویں باب اول یوحنا میں ہے ترجمہ عربیہ فقالا
له ربی الذی تأویلہ یا معلم ترجمہ فارسیہ سنہ ۱۸۲۳ء اور سنہ ۱۸۴۳ء آنہا گفتند ربی کہ ترجمہ آن است
ای استاد ترجمہ ہندیہ وونہوں نے اوس سے کہا اے ربی یعنی اے مرشد پس اس آیت میں خود ربی کی
تفسیر ربی کے استاد اور مرشد کے ساتھ مرقوم ہے پس جب اطلاق خدا اور الہہ اور رب
اور مانند اوس کا ایسا عام ہوا جیسا اوپر گذرا پس اگر حق مسیح میں کوئی لفظ ان الفاظوں سے
کسی حواری کی کلام میں واقع ہو تو کیونکر ثابت ہو کہ کہا وین اوس کی ذات مقدس جناب مسیح کے ملا
مشتبہ ہو ام اوسی اور انسانوں سے کہ جنکے حق میں لفظ خدا اور الہ کا زبور میں واقع ہوا اور
اسیطرح اون انسانوں سے کہ جنکے حق میں موافق ترجمہ عربیہ سنہ ۱۸۲۵ء کے لفظ الہہ کا اور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کروڑ کروڑ تعریفیں اور شکر اس واحدِ حقیقی کا کہ جسکے صحنِ ذات میں شرک وتثلیث کے خس وخاشاک نہیں پڑتے۔ عرش سے فرش تک ہر موجود مخلوقات اور ہر ذرۂ کائنات اسکے وجود پر دلالت کرتا ہے۔(۱) اسکی آیاتِ بینات کا نقارہ توریت' انجیل' زبور' فرقان اور صحفِ انبیاء علیہم السلام کی چھت سے لا الٰہ الا ھو کے آوازہ کیساتھ بلند آوازہ ہے۔(۲) مقرب وغیر مقرب فرشتوں اور اصحابِ عقل وعلم کی زبان اسکی توحید کے ظاہر کرنے میں شریں اور تازہ ہے۔

(۱) مصنفؒ نے کتاب کا افتتاح تحمید باری تعالیٰ سے کیا ہے مگر اندازِ بیاں ایسا پر لطف اور خوبصورت ہے کہ حمد وثناء کے ذیل میں کتاب کے موضوع اور مضامین کی طرف لطیف اشارے کیے ہیں کہ اس رسالہ میں عیسائیت کے خود ساختہ عقیدہ "فلسفہ تثلیث" کی مدلل تردید ہوگی کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر طرح کے شرک سے پاک ہے اور ایک "انسان ضعیف البنیان" ہستی کو "خدا" قرار دینا عقلِ انسانی کی توہین ہے صرف ذہنی بیمار ہی یہ کام کر سکتے ہیں۔

(۲) مصنفؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا ڈنکا توریت، زبور، انجیل، قرآن کریم اور صحفِ انبیاء علیہم السلام کی چھت سے لا الٰہ الا اللہ کے بلند نعرہ کیساتھ بج رہا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کارخانۂ عالم اور جہانِ رنگ وبو کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت دے رہا ہے اور اسکی عظمت وبزرگی کو بیان کر رہا ہے۔ یہ سب کتبِ مقدسہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر توحید سے بھری ہوئی ہیں مثلاً توریت میں ایک جگہ اعلان کیا گیا ہے "سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے" (استثناء باب ۶ آیت ۴) دوسری جگہ ارشاد ہے "یہ سب کچھ تجھ کو دکھایا گیا تا کہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے اور اُسکے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں............... پس آج کے دن تو جان لے اور اس بات کو اپنے دل میں جمالے کہ اوپر آسمان میں اور نیچے زمین پر خداوند ہی خدا ہے اور کوئی دوسرا نہیں" (استثناء باب ۴ آیت ۳۵'۳۹) صحیفہ زبور میں ایک جگہ ارشاد ہے "کیونکہ تو بزرگ ہے اور عجیب وغریب کام کرتا ہے۔ تو ہی واحد خدا ہے" (زبور باب ۸۶ آیت ۱۰) صحیفہ یسعیاہ میں ہے "میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں............... میں خداوند سب کا خالق ہوں۔ میں ہی اکیلا آسمان کو تاننے اور زمین کو بچھانے والا ہوں کون میرا شریک ہے؟" (یسعیاہ باب ۴۴ آیت ۶'۲۴) دوسری جگہ ارشاد ہے "میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں۔ میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ میں نے تیری کمر باندھی اگرچہ تو نے مجھے نہ پہچانا تا کہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی نہیں۔ میں ہی خداوند ہوں میرے سوا کوئی دوسرا نہیں" (یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۵'۶) اسی طرح بائبل کی دیگر کتب میں بھی باری تعالیٰ جل مجدہ کی توحید کا ذکر جا بجا ملتا ہے، پوری بائبل میں لفظ تثلیث یا عقیدہ تثلیث کا نام ونشان نہیں۔ رہا قرآن مجید تو اس میں تو آیاتِ توحید ہزاروں کی تعداد میں ہیں جیسا کہ قارئین کو معلوم ہی ہے۔

بدیع السموات والارض ہے　　عبادت اسی کی فقط فرض ہے
نہیں کوئی موجود اسکے سوا　　نہیں کوئی معبود اس کے سوا
خدائی میں بے مثل وضد ہے وہی　　ولم یولد اور لم یلد ہے وہی
نہیں اس کی تحمید حدِ بشر　　کہ اپنی بھی اسکو نہیں کچھ خبر

اور لاکھوں لاکھ صلوٰۃ وسلام ہوں نوعِ انسانی رحمتِ ربانی کے فردِ اکمل پر جو مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى (۱) کے تاجدار ہیں اور مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (۲) کے میدان کے شاہسوار ہیں۔ وہ سلطانِ حقیقی کی بارگاہ سے هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ (۳) کی خلعتِ فاخرہ سے سرفراز ہوئے۔

---

(۱) سورۃ النجم کی آیت ۳ ہے۔ ترجمہ یہ ہے "وہ اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں بولتے وہ تو حکم ہے بھیجا ہوا (اللہ کی طرف سے) یعنی آپ ﷺ کے اعمال وافعال تو کیا ایک حرف بھی آپ ﷺ کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو بلکہ جو کچھ آپ دینی تعلیمات کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی وحی اور اسکے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ ایک وحی متلو ہے جسے "قرآن کریم" کہتے ہیں دوسری وحی غیر متلو ہے جسے "حدیث نبوی ﷺ" کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کا بیان ہے "میں جو بات بھی رسول اللہ ﷺ سے سنتا یاد رکھنا چاہتا تھا اُسے لکھ لیا کرتا تھا قریش نے مجھے روکا اور کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے جو بات بھی سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ وہ بشر ہی تو ہیں بشر کی طرح وہ بھی کبھی غصے میں ہوتے ہیں (ہوسکتا ہے کہ غصہ کی حالت میں اُنکے منہ سے کوئی بات خلاف حق نکل جائے) حضرت عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے قریش کی یہ بات رسول اللہ ﷺ سے کہی تو آپ نے اپنے لبوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا والذی نفس محمد بیدہ ما یخرج مما بینھما الا حق فاکتب "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ان دونوں لبوں کے درمیان (جو زبان ہے اُس) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا اس لئے تم لکھا کرو" (سنن ابی داود، کتاب العلم)

(۲) سورۃ النجم کی آیت ۱۷ ہے۔ ترجمہ یہ ہے "نہیں بہکی نگاہ اور نہ حد سے بڑھی" یعنی شب معراج میں جناب رسول اللہ ﷺ نے عالم بالا کے جو عجائبات دیکھے اور خداوند قدوس کی تجلیات وانوار کے جو مظاہر مشاہدہ کیے تو ہر چیز کو بڑے اطمینان اور اتقان سے دیکھا نہ نگاہ ٹیڑھی ترچھی ہو کر دائیں بائیں ہٹی نہ اور طرف مائل ہوئی اور نہ مقصود سے تجاوز کر کے آگے بڑھی۔ بس اسی چیز پر جمی رہی جسکا دکھلانا حق جل شانہ کو منظور ہوا۔ بادشاہوں کے دربار میں جو چیز دکھلائی جائے اسکو نہ دیکھنا اور جو نہ دکھلائی جائے اسکو تکنا دونوں عیب ہیں اور سید المعصومین ﷺ تو ہر عیب سے پاک ہیں۔

(۳) سورۃ الفتح کی آیت ۲۸ ہے۔ ترجمہ یہ ہے "وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت (کی کتاب) اور دین حق دیکر بھیجا تا کہ اسکو تمام ادیان پر غالب کرے اور حق ظاہر کرنے کیلئے خدا ہی کافی ہے (باقی اگلے صفحہ پر ....

وہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (۱) کے خطاب عالی کیساتھ معزز اور وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی (۲) کے بلند منصب پر متمکن ہوئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو آپ ﷺ سے وہی نسبت

..............''یعنی اصول وفروع' عقائد ومسائل کے اعتبار سے صرف یہی دین سچا اور یہی راہ سیدھی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لیکر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین اسلام کو ظاہر میں بھی سینکڑوں برس تک سب مذاہب پر غالب رکھا جب تک مسلمانوں نے اس دین کو تھاما اللہ تعالیٰ نے اسکے ذریعہ انکو خوب کامیابی دی۔ انہوں نے صدیوں تک بڑی شان وشوکت سے کرۂ ارض پر حکومت کی اور دنیا کو امن وعدل بخشا اور آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے جب ہر طرف دین اسلام کا غلبہ ہوگا۔ باقی دلیل وحجت کے اعتبار سے تو دین اسلام ہمیشہ سے غالب ہے اور رہیگا۔

(۱) سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰۷ جس کا ترجمہ یہ ہے ''اور ہم نے آپکو تمام جہانوں کیلئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے'' بلاشبہ آپ ﷺ رحمت عالم بنا کر بھیجے گئے ہیں اگر کوئی بدبخت اس رحمت عامہ سے خود ہی نفع نہ اٹھائے تو یہ اسکا اپنا قصور ہے۔ بارش کی لطافت طبع میں کوئی کمی نہیں۔ آفتاب عالمتاب کی روشنی اور گرمی کا فیض ہر طرف پہنچتا ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کرلے تو اسکی اپنی حماقت اور جہالت ہوگی۔ آفتاب کی فیض رسانی میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ علوم نبوت ﷺ اور تہذیب اسلام کا حلقۂ فیض اس قدر وسیع ہے کہ ہر مسلم وکافر اپنے اپنے ذوق کے مطابق فائدہ اٹھا رہا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی رحمت عامہ کی یہ بھی برکت ہے کہ حق تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے کہ پہلی امتوں کے برعکس اس امت کے کافروں کو عمومی عذاب ہلاکت سے محفوظ رکھا جائیگا۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کے عام اخلاق کے علاوہ آپکا جہاد علی الکفار بھی رحمت ہے کیونکہ یہ اس خوبصورت دنیا کو خدا کے نافرمانوں کے فساد سے پاک کرکے گہوارۂ رحمت بنانے کا ذریعہ ہے۔
وللتفصیل مقام آخر

(۲) سورۃ الضحٰی کی آیت ۵ ہے۔ ترجمہ یہ ہے ''اور آپکا پروردگار آپکو وہ کچھ عطا فرمائیگا کہ آپ خوش ہوجاؤ گے'' اس آیت کے نزول پر آپ ﷺ نے فرمایا ''محمد راضی نہیں ہوگا جب تک اسکی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے'' (روح المعانی، مصنفہ علامہ سید محمود آلوسی، ج ۳۰، ص ۵۲۹، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) سبحان اللہ! سرور عالم ﷺ کی شفقت ورحمت دیکھئے کہ ایک طرف تو آپ ﷺ نے دعوت حق میں سب نبیوں سے زیادہ مصائب سہہ کر اللہ تعالیٰ کا پیغام توحید پہنچایا' انسانیت کی فلاح میں اپنی زندگی کی تمام کوششیں صرف کردیں۔ دوسری طرف روز جزا کو اپنی امت کے گناہگاروں کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں سفارش وشفاعت کریں گے یہاں تک کہ اللہ جل جلالہ اپنے حبیب ﷺ کے اکرام میں ان سب اہل توحید کلمہ گو انسانوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمائیں گے۔ خدا کے فرستادوں' راستباز بندوں کی یہی شان ہونی چاہیے۔ یہ کونسی منطق ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی چھوٹی سی لغزش ''ناقابل معافی موروثی گناہ'' بن کر ساری نسل آدم میں سرایت کرگئی' ہزاروں سال بعد خدا نے بے بس ہوکر اپنا اکلوتا معصوم بیٹا بھیجا جو ساری نسل آدم علیہ السلام کے گناہ کا بوجھ لیکر خود سزا کے طور پر پھانسی پر چڑھ کر ملعون ہوگیا۔ نعوذ باللہ من ذالک

ہے جو حضرت ایلیاہؑ کو حضرت مسیح علیہ السلام سے ہے جیسا کہ دلائل قطعیہ سے ظاہر اور ثابت ہے(۱) عظمت و شرافت کے اعتبار سے ہر نبی سابق کو اُن سے ایسی ہی نسبت ہے جیسا کہ ذرہ کی چمک نورِ آفتاب کے مقابلہ میں معلوم ہو۔(۲) میری مراد بہترین عالم سردار اولادِ آدم محبوبِ خلائق محبوب خالق شافعِ روزِ جزا حضرت ابوالقاسم محمد مصطفی ﷺ ہیں جنکے آفتابِ ہدایت نے کفر کی تاریک رات کو صفحۂ عالم سے مٹایا اور خلقِ خدا کو گمراہی و بت پرستی کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ ایسا کیوں نہ ہو وہی تو خاتم النبیین ہیں اور نصوصِ قطعیہ کے مطابق افضل المرسلین ہیں۔

---

(۱) ایلیا حضرت الیاس علیہ السلام کا نام ہے انکا نام الیاسین بھی آیا ہے جیسے کہ وسینا کو وسینین کہتے ہیں۔ بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ جب انکے متبعین کا لحاظ کرتے ہیں تو الیاسین کہتے ہیں ورنہ الیاس۔ لیکن یہاں پر ایلیا سے مصنفؒ کی مراد حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ بائبل میں کئی جگہ انکو ایلیا کہا گیا ہے مثلاً متی باب ۱۱ آیت ۱۴، باب ۱۷ آیت ۱۰ لوقا باب ۱ آیت ۱۷ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام یعنی یوحنا اصطباغی (بپتسمہ دینے والا) کو ایلیا کی شخصیت قرار دیا گیا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے تشریف لائے اور اپنے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کے آنے کی بشارت دی۔ قرآن کریم میں بھی ذکر ہے اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ الخ (آل عمران آیت ۳۹) حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت محمد ﷺ سے پہلے تشریف لائے اور اپنے بعد حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دی جسکا ذکر بائبل اور قرآن مجید دونوں میں ہے۔ انجیل یوحنا باب ۱۶ آیت ۷ میں ہے "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئیگا لیکن اگر جاؤنگا تو اسے تمہارے پاس بھیج دونگا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائیگا........ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم انکی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائیگا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا میرا جلال ظاہر کریگا" الخ یہ مضمون یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵، ۲۶ باب ۱۵ آیت ۲۶ میں بھی آیا ہے۔ قرآن کریم نے اس بشارت عیسوی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (سورۃ الصف آیت ۶) یاد رہے کہ جو فضیلت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام (یوحنا اصطباغی) پر حاصل ہے وہی فضیلت حضرت محمد ﷺ کو حضرت مسیح علیہ السلام پر حاصل ہے جیسا کہ اہل انصاف اصحاب علم پر مخفی نہیں۔

(۲) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔

۱۔ رحمۃ للعالمین ﷺ، مصنفہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، باب پنجم، ج ۲، ص ۲۸۸، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

۲۔ سیرت المصطفیٰ ﷺ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، ج سوم ۳۔ سیرت النبی ﷺ، علامہ شبلی نعمانیؒ و سید سلیمان ندویؒ، ج ۳۔

وہی ہے مرکزِ عالمِ کُن فکان	وہی باعثِ صحتِ جسم وجان
چلے حکم کے ساتھ جسکے درخت	ہوئے نقشِ پا بر سرِ سنگ سخت
منگا ایک برتن میں پانی قلیل	رکھا ہاتھ اُس میں باذنِ جلیل
ہر ایک انگلی سے چشمہ جاری ہوا	جسے جتنا منظور تھا پی لیا
حجر اور شجر نے بھی کی یہ ندا	سلامٌ علیک اے رسولِ خدا
وہ لاریب محبوبِ معبود ہے	وہی خلقِ آدم سے مقصود ہے
مراتب ہوں انکے بیاں مجھ سے کیا	کہ ہیں انکی امت میں کالانبیاء

اور ہزار ہزار درود ہوں اصحاب سید المرسلین پر خصوصاً خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کہ اُنکی منقبت کا نشان وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ (۱) سے مزین ہے۔ اسی طرح اُنکی آل پاک پر کہ اُنکی انگوٹھی کا نگینہ شرف مثل اهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها هلك (۲) کے نقش سے چمکدار اور روشن ہے۔

---

(۱) سورۃ الفتح کی آیت ۲۹ ہے۔ ترجمہ یہ ہے "اور جو لوگ انکے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں تو انکو دیکھے رکوع میں اور سجدہ میں خدا کا فضل اور اسکی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔ کثرت سجود کے اثر سے انکی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں" اصحاب رسول ﷺ کی مدح ومنقبت میں یہ آیات نازل ہوئیں کہ وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت مضبوط اور قوی ہیں جس سے کافروں پر رعب پڑتا ہے اور کفر سے نفرت وبیزاری کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اپنے بھائیوں کے ہمدرد ومہربان انکے سامنے نرمی سے جھکنے والے تواضع وانکسار سے پیش آنے والے ہیں۔ وہ نہایت اخلاص کیساتھ اس طرح وظیفہ بندگی ادا کرتے ہیں کہ نماز وعبادت نے انکے چہروں پر خاص نور اور رونق ہے۔ صحابہ کرام کی پوری تاریخ اسی عظمت کردار کی آئینہ دار ہے۔ چنانچہ بہت سے غیر متعصب اہل کتاب انکے روشن چہرے پاکیزہ سیرت دیکھ کر بول اٹھتے تھے واللہ یہ تو یسوع مسیح کے حواری معلوم ہوتے ہیں۔ توریت وانجیل میں بھی ان نفوس قدسیہ کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے چنانچہ استثناء باب ۳۳ آیت ۲ میں ہے "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کیساتھ آیا اور انکے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کیلئے تھی وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ انکے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے۔ ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا"

(۲) ترجمہ یہ ہے کہ میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جو اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا (باقی اگلے صفحہ پر.........

وجہ تصنیفِ کتاب:

حمد و نعت کے بعد طالب حق پر مخفی نہ رہے کہ اس گوشہ نشین گمنام نے ان دنوں ایک سوالات کا پرچہ دیکھا جو دِلّی' آگرہ' شملہ اور انبالہ وغیرہ میں مشتہر ہوا۔ پھر میں نے انہیں اعتراضات کو ایک ہندی رسالہ میں مندرج پایا جو کسی عیسائی کا لکھا ہوا ہے اور نئی طباعت کیساتھ چھپا ہوا ہے۔ سنا یہ گیا کہ اس اشتہار سے مسیحیوں کی اصل غرض جواب طلب کرنا ہے۔ اگرچہ ان اعتراضات اور اس طرح کے دیگر سوالوں کے جوابات اسلامی کتب میں بخوبی درج ہیں اور اگر طالب حق اس باب میں عربی تصنیفات کو نہ سمجھ سکے تو تھوڑا سا بھی اگر اردو اور فارسی میں دسترس رکھتا ہو تو اُسکا اطمینان صولۃ الضیغم' استفسار اور ازالۃ الاوہام سے بخوبی ہوسکتا ہے(۱) مگر چونکہ نئے جواب کا مطالبہ سنا جاتا ہے اس لئے علیحدہ جواب لکھنا اچھا معلوم ہوا۔ یہ سوالات تیئیس (۲۳) تھے بعض مسیحیوں نے ان میں کچھ اصلاح کر کے اپنے زعم کے مطابق چھ بڑے مضبوط اعتراضات بڑھا کر انتیس (۲۹) کر دیے۔ اس لئے ہم ان انتیس سوالوں کے جوابات لکھیں گے جن میں تیئیس سوالوں کا جواب بھی آجائیگا لیکن بعض وجوہ سے سوالوں کی ترتیب پلٹ کر ہم اس طور پر ذکر کرینگے کہ معجزات کے

............اور جو پیچھے رہا ہلاک ہو گیا۔ اہل بیت میں آپ ﷺ کی ذریتِ طیبہ کے علاوہ ازواج مطہرات بھی شامل ہیں بلکہ اہل بیت یا اہل خانہ کا اول اور اصل مصداق بیوی ہی ہوتی ہے قرآن مجید نے بھی اہل البیت کا لفظ ازواج مطہرات ہی کیلئے استعمال کیا ہے (سورۃ الاحزاب آ ۳۳ سورۃ ھود آیت ۷۳) یہ کہنا کہ ازواج مطہرات آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں یا اس لفظ کا مصداق صرف آپ ﷺ کی ایک بیٹی ایک داماد اور دو نواسے ہیں یہ بات نہ تو زبان و محاورہ کے لحاظ سے درست ہے اور نہ قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

(۱) یہ فاضل عباس علی جاجموی کی کتاب ہے جسکا پورا نام "صولة الضیغم علی اعداء ابن مریم" ہے انکا کانپور میں پادری ویٹ اور پادری ولیم کے درمیان ایک تاریخی مناظرہ بھی ہوا ہے یہ مولانا کیرانوی کے مناظرہ سے بائیس سال پہلے کی بات ہے۔ یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری معلوم نہیں موجود ہے یا مفقود ہے۔ دوسری کتاب "الاستفسار" ہے جسے حضرت مولانا سید آل حسن موہانی (المتوفی ۱۲۸۷ھ) نے لکھا ہے اس میں بائبل کا تنقیدی جائزہ، بشارات محمدی ﷺ کا تفصیلی بیان ہے اور عیسائیوں کے کئی اعتراضات کے جوابات ہیں۔ تیسری کتاب "ازالۃ الاوہام" ہے جو مولانا کیرانوی کی رد عیسائیت پر پہلی تصنیف ہے جس میں عیسائیت کے بڑے اعتراضات کے جامع و مدلل جوابات دیے گئے ہیں۔

متعلق اعتراضات ایک جگہ ہونگے' قرآن پاک کے متعلق ایک جگہ وعلیٰ ھذا القیاس مگر معترض کی عبارت بغیر کسی کمی پیشی کے حرفاً حرفاً ویسی ہی لکھی جائیگی جیسی تھی اُس میں کچھ تبدیلی نہ ہوگی اور تحریر جواب سے قبل چار باتوں کا لکھنا مناسب ہے۔

پہلی بات

قدیم سے یہ ہے کہ ہر مذہب والا اپنے مخالفین پر آباء کی تقلید یا ہٹ دھرمی یا عدم غور اور جہالت کی وجہ سے ہر طرح کے رطب ویابس اعتراضات کرڈالتا ہے اور ازراہِ عناد مخالفین کی اچھی بات کو بھی بری سمجھ کر اُسے بے ہودہ بتلاتا ہے۔ پھر اگر نفسانیت اور حُبِ جاہ بھی اس کیساتھ ہو تو کیا کہنا چاہیئے۔ اگر چہ یہ بات بدیہی ہے لیکن پھر بھی تنبیہ کیلئے اسکی چند نظائر لکھتا ہوں کہ یہودی اور بت پرست لوگ حضرت مسیح علیہ السلام اور مسیحیوں کو اُنکے وقت میں کیا کیا کہتے تھے اور کہتے ہیں۔

یہود کا حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق خیال:

(۱) یوحنا باب ۸ آیت ۴۸' ۵۲ میں ہے "یہودیوں نے جواب میں اس سے کہا کیا ہم خوب نہیں کہتے کہ تو سامری(۱) ہے اور تجھ میں بدروح ہے؟...... یہودیوں نے اس سے کہا کہ اب ہم نے جان لیا کہ تجھ میں بدروح ہے"

(۲) یوحنا باب ۹ آیت ۱۶' ۲۹ میں ہے "پس بعض فریسی کہنے لگے یہ آدمی خدا کی طرف سے نہیں کیونکہ سبت کے دن کو نہیں مانتا............ ہم جانتے ہیں کہ خدا نے موسیٰ کیساتھ کلام کیا ہے مگر اس شخص کو نہیں جانتے کہ کہاں کا ہے"

---

(۱) سامری ایک قوم کا نام ہے۔ یہ فلسطین کے شہر "سامرہ" کی طرف منسوب ہے جسے "سامریہ" بھی کہا جاتا ہے (بائبل اٹلس ص ۲۶) یہ قوم پہلے بت پرست تھی پھر یہود کے مذہب کو اختیار کرلیا۔ لیکن یہود سامریوں کو بدعتی سمجھتے تھے اور انکے درمیان حد درجہ مخاصمت پائی جاتی تھی حتی کہ سامریوں کی توریت تک الگ تھی۔ یہ لوگ توریت کی صرف پہلی پانچ کتابیں اور "یشوع وقضاۃ" کو مانتے ہیں اور عہدِ قدیم کی باقی کتب کا انکار کرتے ہیں۔ یہود کسی کو بے دین اور بدعتی قرار دینے کیلئے اسکو "سامری" کہتے تھے۔

(۳) یوحنا باب ۱۰ آیت ۲۰ میں ہے "اُن میں سے بہتیرے تو کہنے لگے کہ اس میں بدروح ہے اور وہ دیوانہ ہے تم اسکی کیوں سنتے ہو؟"

(۴) متی باب ۹ آیت ۳، ۳۴ میں ہے "اور دیکھو بعض فقیہوں نے اپنے دل میں کہا یہ کفر بکتا ہے ....مگر فریسیوں (۱) نے کہا کہ یہ تو بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے" اسی طرح کا قول مرقس باب ۳ آیت ۲۲، لوقا باب ۱۱ آیت ۱۵ میں بھی مذکور ہے۔

(۵) متی باب ۱۲ آیت ۲ میں ہے "فریسیوں نے دیکھ کر اس سے کہا کہ دیکھ تیرے شاگرد وہ کام کرتے ہیں جو سبت کے دن کرنا روا نہیں"

(۶) متی باب ۲۶ آیت ۶۵ میں ہے "اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے۔ اب ہم کو گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا وہ قتل کے لائق ہے"

(۷) متی باب ۲۷ آیت ۳۹، ۴۴، ۶۲ میں ہے "اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اُسکو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کیساتھ ملکر ٹھٹھے سے کہتے تھے اس نے اوروں کو بچایا ہے اپنے تئیں نہیں بچا سکتا الخ .... اسی طرح ڈاکو بھی جو اُس کیساتھ مصلوب ہوئے تھے اُس پر لعن طعن کرتے تھے........ دوسرے دن جو تیاری کے بعد کا دن تھا سردار کاہنوں اور فریسیوں نے پیلاطس کے پاس جمع ہو کر کہا خداوند! ہمیں یاد ہے کہ اس دھوکے باز نے جیتے جی کہا تھا میں تین دن کے بعد جی اٹھونگا"

---

(۱) حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانہ میں یہودیت کے تین اہم فرقے تھے۔ ۱۔ فریسی ۲۔ صدوقی ۳۔ اسینی۔ ان فرقوں میں فریسی سب سے زیادہ بااثر تھے یہ صرف اپنے آپکو راسخ الاعتقاد شریعت کی سختی سے پابندی کرنے والا طبقہ کہتے تھے۔ توریت کے مطابق ہو بہو عمل کرتے احکام بجالاتے اور خود کو دوسروں سے زیادہ کٹر مذہبی ظاہر کرتے۔ انہوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کی کچھ زیادہ ہی مخالفت کی اور حضرت عیسی علیہ السلام نے بھی انکی خوب خوب خبر لی۔

تجزیہ مصنفؒ:

دیکھئے اناجیل کی تصریح کے مطابق یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو کہتے تھے کہ اس میں بدروح ہے' وہ خدا کی طرف سے نہیں ہے' ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں سے ہے؟ وہ دیوانہ ہے تم اسکی کیوں سنتے ہو' وہ کفر بکتا ہے' وہ بدروحوں کو بدروحوں کے سردار کی مدد سے نکالتا ہے اور کبھی کپڑے پھاڑ کر چلاتے تھے کہ یہ کفر بک چکا گواہوں کی کیا ضرورت ہے' قتل کے لائق ہے۔ اسی طرح ملامت واستہزاء کرتے تھے اور دھوکے باز بتلاتے تھے یہاں تک کہ عام کفار چور ڈاکو تک جناب مسیح علیہ السلام کو ملامت کرتے تھے۔

یہود کی مسیحیوں کے متعلق سوچ:

مسیحیوں کے متعلق تو اس سے بھی زیادہ الزامات تھے مگر طوالت کے خوف سے صرف ایک حوالہ نقل کرتا ہوں۔ یوحنا باب ۷ آیت ۴۷ میں ہے "فریسیوں نے انہیں جواب دیا کیا تم بھی گمراہ ہوگئے؟ بھلا سرداروں یا فریسیوں میں سے بھی کوئی اس پر ایمان لایا؟ مگر یہ عام لوگ جو شریعت سے واقف نہیں لعنتی ہیں"(۱)

ایک تاریخی حوالہ:

ولیم میور صاحب(۲) نے اپنی تاریخ میں جو ۱۸۴۸ء میں آگرہ سے چھپی ایک درخواست نقل کی ہے جو پلینی (۳) نامی عالم وفاضل رومی بت پرست نے بادشاہ تراجان کو لکھی۔ اُس میں مسیحی

(۱) دیکھئے! یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھیوں اور حواریوں کو کس خطاب سے یاد کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انکا حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم ہونا انکے اہل حق ہونے کی دلیل نہیں اور جو کچھ یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھیوں کے متعلق کہہ رہے ہیں وہ محض تعصب وعناد پر مبنی ہے۔

(۲) ولیم میور (Willam Muir) مشہور مستشرق مصنف ہیں۔ بحیثیت مجموعی انکا رویہ اسلام کیساتھ مخالفانہ ہے جیسا کہ اکثر مغربی مؤلفین کا وطیرہ ہے۔ انکی ایک مشہور کتاب "The life of Muhammad" ہے۔

(۳) یہ ۱۱۱ء اور ۱۱۵ء کے درمیانی وقفہ میں ایشیائے کوچک کے صوبے کا گورنر تھا جس نے مسیحیوں کے خلاف مناسب قانونی کارروائی کرنے کیلئے بادشاہ کو درخواست لکھ کر اس سے وضاحت اور باضابطہ اجازت چاہی۔ (باقی اگلے صفحہ پر..................

مذہب کے متعلق بعض جملے یوں ہیں" دو لونڈیوں (۱) کو جنہیں وہ لوگ مددگار کہتے تھے شکنجہ عقوبت میں کھینچ کر استفسار کیا لیکن ایک برے اور لغو مذہب کے سوا اور کچھ نہ پایا اور اس بے ہودہ طریقے کا پھیلاؤ نہ صرف شہروں میں بلکہ دیہات' چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بھی ہے" انتہی ملخصاً اور طاسطس رومی کی کتاب سے جو کہ پلینی کی طرح ایک فاضل بت پرست تھا لفظ بلفظ ترجمہ نقل کرتے ہوئے ایک جگہ مسیحیوں کے متعلق یوں واقع ہے" اور وہ کرسٹان (Christian) کہلاتے تھے انکے بانی کا نام کرسٹس (Christ) تھا جس نے ہیرودیس قیصر کی سلطنت میں یہودیہ کے نائب پیلاطس کے ہاتھ سے قتل کی سزا پائی اُسکے بعد یہ خراب مذہب تھوڑی دیر تک موقوف رہا لیکن پھر پھیل گیا اور نہ صرف ملک یہودیہ میں جہاں پہلے یہ خرابی اٹھی تھی بلکہ شہر روما میں بھی جس میں ہر طرف سے سب شہر آ کر جمع ہوتے ہیں اور پھیلتا ہی جاتا ہے" انتہی ملخصاً۔ اسی تاریخ کے چوتھے باب میں ہے" اور جب کوئی بھی کال یا وبا یا حادثہ پڑتا تھا تو سب لوگ غل مچاتے تھے کہ یہ بات مسیحیوں کی شامت سے ہوئی ان سے ناخوش اور غصہ ہو کر ہمارے اوپر یہ مصیبت پہنچی ہے انکو شیروں کے سامنے ڈال دو اور ایسی ایسی باتیں کہہ کر عیسائیوں پر حملے کر کے انکو مارتے یا قتل کرواتے تھے" انتہی (۲)

آج کل جو یہود یا بت پرست ہیں اُنکا حال لکھنا کچھ ضروری نہیں وہ جو کچھ کہتے ہیں اُن سے ملاقات رکھنے والوں پر ظاہر ہے۔ (۳)

.... یہ تراجان دوسری صدی عیسوی میں سلطنت روم کا بادشاہ رہا۔ (تاریخ کلیسیا مصنف جان ۔سی۔ دوانیا ترجمہ اردو عمانوایل نیئر ص ۱۱۱ مطبوعہ کیٹیکیٹکل سنٹر صدر کراچی ۱۹۹۷ء)

(۱) شاید ان سے مراد راہبات (Nuns) ہیں جو چرچ کی خدمت کرتی ہیں' عشاء ربانی میں روٹی اور شراب تقسیم کرتی ہیں.

(۲) Church History کے موضوع پر بہت کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں اس طرح کی تفصیلات موجود ہیں۔

(۳) ہمارے زمانے کے یہود، مشرک اور لامذہب اقوام اسلام دشمنی میں نصاریٰ کیساتھ ظاہراً ایک ہو گئے ہیں ورنہ انکے درمیان بہت دوریاں ہیں۔ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى "انکی لڑائی آپس میں سخت ہے تم شاید خیال کرتے ہو کہ یہ اکٹھے ہیں مگر انکے دل پھٹے ہوئے ہیں" (الحشر، آیت ۱۴) یہود تو آج تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انکی والدہ ماجدہ کی شرافت و عظمت پر توہین آمیز الزام دیتے ہیں۔

دوسری بات

غالباً ہر کسی کو اپنے مذہب کی تائید مرغوب ہے اور ظاہر میں ہر کوئی اپنے مذہب اور اپنے ہی طریقہ کو فقط وسیلہ نجات بتاتا ہے یہاں تک کہ اگر کسی خاکروب یا بھنگی سے پوچھو! کہے گا فرقہ ناجیہ ہماری ہی قوم ہے اور بس۔ پھر جس وقت نفسانیت یا تعصب بے جا یا حبّ ریاست وجاہ یا غرور دولت ہو تو دوسرے مذہب کو بالکل ہی مٹانا چاہتا ہے گو وہ مذہب سراسر حق ہی کیوں نہ ہو اگرچہ مذہب حق کسی کے مٹانے سے نہیں مٹتا۔ پھر کسی فرقہ کی طرفداری اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انکو اظہار حق منظور ہے یا دوسرا مذہب باطل ہے۔ جب تک کہ اس باب میں دلائل قطعیہ سے حق ظاہر نہ ہو جائے۔ اناجیل نے حضرت مسیح علیہ السلام اور مسیحیوں کے متعلق یہود کا رویہ اس طرح لکھا ہے۔

یہود کا حضرت مسیح علیہ السلام سے سلوک:

(۱) یوحنا باب ۸ آیت ۵۹ میں ہے ”پس انہوں نے اُسے مارنے کو پتھر اٹھائے مگر یسوع چھپ کر ہیکل سے نکل گیا“

(۲) یوحنا باب ۹ آیت ۲۲ ہے ”یہودی ایکا کر چکے تھے کہ اگر کوئی اسکے مسیح ہونے کا اقرار کرے تو عبادت خانہ سے خارج کیا جائے۔

(۳) یوحنا باب ۱۰ آیت ۳۰، ۳۹ میں ہے ”یہودیوں نے اُسے سنگسار کرنے کیلئے پھر پتھر اٹھائے............ انہوں نے پھر اسے پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ انکے ہاتھ سے نکل گیا“

(۴) یوحنا باب ۱۱ آیت ۴۷، ۵۳ میں ہے ”پس سردار کاہنوں اور فریسیوں نے صدر عدالت کے لوگوں کو جمع کر کے کہا ہم کرتے کیا ہیں؟ یہ آدمی تو بہت معجزے دکھاتا ہے اگر ہم اسے یوں ہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے آئینگے اور رومی آکر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کر لیں گے....... پس وہ اُسی روز اسکے قتل کرنے کا مشورہ کرنے لگے“

(۵) یوحنا باب ۱۱ آیت ۵۶ میں ہے "پس وہ یسوع کو ڈھونڈنے اور ہیکل میں کھڑے ہو کر آپس میں کہنے لگے تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ عید میں نہیں آئیگا؟ اور سردار کاہنوں اور فریسیوں نے حکم دے رکھا تھا کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ وہ کہاں ہے تو اطلاع دے تا کہ اسے پکڑ لیں"

(۶) لوقا باب ۴ آیت ۲۸ میں ہے "جتنے عبادت خانہ میں تھے ان باتوں کو سنتے ہی غصہ سے بھر گئے اور اٹھ کر اسکو شہر سے باہر نکالا اور اس پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے جس پر انکا شہر آباد تھا تا کہ اسے سر کے بل گرا دیں مگر وہ انکے بیچ میں سے نکل کر چلا گیا"

(۷) متی باب ۲۶ آیت ۶۷ میں ہے "اس پر انہوں نے اسکے منہ پر تھوکا اور اسکے مکے مارے اور بعض نے طمانچے مار کر کہا اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا؟

(۸) یوحنا باب ۱۸ آیت ۲۲ میں ہے "جب اس نے یہ کہا تو پیادوں میں سے ایک شخص نے جو پاس کھڑا تھا یسوع کے طمانچہ مار کر کہا تو سردار کاہن کو ایسا جواب دیتا ہے؟

(۹) جب پیلاطس (۱) نے یہ کہا کہ "میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں تم جانو" اسکے جواب میں یہودی بولے "اسکا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر!" (متی ۲۷:۲۵)

(۱۰) متی باب ۲۷ آیت ۲۹ میں ہے "اور کانٹوں کا تاج بنا کر اسکے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا اس

---

(۱) اناجیل کے مطابق حضرت عیسی علیہ السلام کے حواری یہوداہ نے غداری کر کے یہود سے تیس روپے لیکر اپنے خداوند یسوع مسیح کو پکڑوا دیا۔ یہودی سرداروں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو پکڑ کر حاکم وقت پیلاطس کے سامنے پیش کیا اور سزا دلوانا چاہی مگر پیلاطس نے حقیقت حال سمجھ کر کوئی اقدام نہ کیا۔ اسکا دستور تھا کہ عید کے دن لوگوں کی خاطر ایک قیدی جسے وہ چاہتے چھوڑ دیتا۔ اس وقت "برابا" نام کا ایک قیدی بھی تھا۔ پیلاطس کی خواہش یہی تھی کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو چھوڑ دیا جائے مگر ان سب لوگوں نے "برابا" کو مانگ لیا تا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ہلاک کرائیں۔ پیلاطس نے کہا کہ اس نے کیا برائی کی ہے؟ اس پر ان لوگوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ تب پیلاطس نے مجبور ہو کر سب کے سامنے پانی سے اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میرا اس خون سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب ان محرف ومتضاد اناجیل کا بے سند بیان ہے۔ قرآن کریم کے مطابق اللہ تعالی نے انکو بحفاظت آسمانوں پر اٹھا لیا اور کوئی انکو قتل نہ کر سکا نہ سولی دے سکا۔ چونکہ مصنف کا روئے سخن نصاریٰ کی طرف ہے اس لئے انکی "الہامی کتاب" اور "لاتبدیل کلام" سے حوالے دیکر اپنے دعویٰ کو مدلل فرما رہے ہیں۔

کے دہنے ہاتھ میں دیا اور اسکے آگے گھٹنے ٹیک کر اسے ٹھٹھوں میں اڑانے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ آداب! اور اُس پر تھوکا اور وہی سرکنڈ الیکر اسکے سر پر مارنے لگے"

یہود کا مسیحیوں کیساتھ سلوک:

(۱) رسولوں کے اعمال باب ۵ آیت ۱۷، ۳۳، ۴۰ میں ہے "پھر سردار کاہن اور اسکے سب ساتھی جو صدوقیوں کے فرقہ کے تھے حسد کے مارے اٹھے اور رسولوں کو پکڑ کر عام حوالات میں رکھ دیا ......وہ یہ سن کر جل گئے اور انہیں قتل کرنا چاہا...... انہوں نے اسکی بات مانی اور رسولوں کو پاس بلا کر انکو پٹوایا اور یہ حکم دیکر چھوڑ دیا کہ یسوع کا نام لیکر بات نہ کرنا"

(۲) رسولوں کے اعمال باب ۷ آیت ۵۸ میں ستفنس (۱) کے قتل کا واقعہ یوں مذکور ہے "اور شہر سے باہر نکال کر اسکو سنگسار کرنے لگے اور گواہوں نے اپنے کپڑے ساؤل نام ایک جوان کے پاؤں کے پاس رکھ دیے۔ پس یہ ستفنس کو سنگسار کرتے رہے"

(۳) جناب پولوس پر یہود نے جو تشدد کیے وہ "رسولوں کے اعمال" اور پولوس کے "مکتوبات" سے ظاہر ہے۔ آنجناب اجمالاً بتاتے ہیں "میں نے یہودیوں سے پانچ بار ایک کم چالیس چالیس کوڑے کھائے، تین بار بید لگے، ایک بار سنگسار کیا گیا" (پولوس رسول کا کرنتھیوں کے نام دوسرا خط باب ۱۱ آیت ۲۴)

تجزیہ مصنف:

دیکھئے! اناجیل کی تصریح کے مطابق یہود اپنے مذہبی تعصب کیوجہ سے مسیحیت کے مٹانے کے درپے ہوئے اور کس طرح جناب مسیح علیہ السلام اور مسیحیوں کو تکلیف دی۔ پتھر مارنے کو اٹھاتے، پکڑنے کی تجویز کرتے اور اس فکر سے کہ اگر نہ ماریں تو سب لوگ مسیحی ہو جائینگے اور انکی جائیداد

(۱) یہ یونان کے ایک شہر کرنتھس کی کلیسیا کا ایک آدمی تھا جس نے پولوس کی دعوت پر مسیحیت کو قبول کیا پھر یہ اور اسکے خاندان نے کلیسیا کیلئے بڑی قربانیاں دیں۔ عیسائی دنیا انہیں "شہید اول" کہا جاتا ہے۔

رومی آ کر لے لینگے حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل پر تیار ہو گئے اور ایک بار انکو شہر سے نکال کر اس نیت سے لیکر چلے کہ پہاڑ کی چوٹی پر سے گرا دیں لیکن چونکہ وقتِ مقرر نہ پہنچا تھا اس لئے بچ گئے آخر کار انہوں نے گرفتار کر لیا' قتل کے فیصلے کے وقت اور اسکے بعد منہ پر تھوکا' مکّے مارے' طمانچے رسید کیے' مذاق اڑاتے ہوئے پوچھا کہ نبوت سے بتا کہ تجھے کون مارتا ہے؟ اور جب پیلاطس نے کہا کہ میں اس خون سے بری ہوں تو یہ سب چلائے کہ اسکا خون ہم پر اور ہماری اولاد پر۔ پھر مسخرا پن کر کے سولی پر چڑھایا۔ جناب مسیح علیہ السلام کے بعد مسیحیوں کو تکلیف دینے' قتل کرنے اور اس مذہب کو مٹانے میں کوئی کسر نہیں رکھی۔

رومی بادشاہان اور مسیحیت:

بت پرستوں میں سے روم کے بادشاہ نیرو (۱) نے ۶۴ء میں ہزاروں مسیحیوں کو مارا' بعضوں کو جنگلی جانوروں کی کھال میں ڈال کر کتوں کے سامنے ڈال دیا کہ وہ پھاڑیں' بعضوں کو سولی پر چڑھایا گیا' بعض رال (۲) وغیرہ لگا کر سرِ شام مشعل کی طرح جلائے گئے اور یہ حادثہ چار برس یعنی نیرو کے مرنے تک برابر رہا اور ۹۱ء میں ''دومتیان'' روم کا بادشاہ ہوا۔ اسکے عہد میں مسیحی لوگ بہت قتل کیے گئے ضبطِ جائیداد کے بعد دُور دُور کے ویران جزیروں میں مقید ہوئے۔ اسی طرح سے جناب یوحنا حواری بھی تقریباً ۹۵ء میں قید کیے گئے (۳) تراجان بادشاہ کے زمانے میں ۱۰۶ء میں یروشلیم کے اسقف (۴) شمعون کو ایک سو بیس برس کی عمر میں طرح طرح کے عذاب دیکر مصلوب کیا گیا اور انطاکیہ کے اسقف اغناطیس کو ۱۰۷ء میں تماشا گاہ میں شیروں سے پھڑوایا گیا اسی

(۱) مسیحی تواریخ کے مطابق روم کے اس بادشاہ نے ۵۴ء سے ۶۸ء کے درمیان حکومت کی وہ اسکے دور کو مسیحیت پر ایذاء رسانی کا پہلا دور قرار دیتے ہیں۔ انکا کہنا ہے کہ نیرو کی سرپرستی میں جو کچھ ہوا وہ اذیت رسانی کی بجائے ایک وحشیانہ عمل تھا۔

(۲) چیڑ کی گوند' موم' تیزابی مادہ وغیرہ جو جلانے میں بڑا معاون ہوتا ہے۔

(۳) ''رسولوں کے اعمال'' باب ۴ آیت ۱ تا ۲۲ میں اسکی تفصیل ہے۔

(۴) یہ یونانی لفظ Episkopos کا معرب ہے جسکا معنی ''نگہبان'' ہے۔ اسکے لئے دوسرا لفظ بشپ (Bishop) استعمال ہوتا ہے جو مسیحیت میں مشہور مذہبی عہدہ ہے اور اعلیٰ مرتبے کے عیسائی پادری کو دیا جاتا ہے۔

طرح اور بت پرست بادشاہان بھی روادار تکلیف ہوئے (۱) اور ڈاکٹر ٹیلر اپنی کتاب کے باب ۴۵ میں پہلی مبحث کی چوتھی فصل میں سلاطین روم کے مظالم کے متعلق لکھتے ہیں "ان اچھے اچھے بادشاہوں کے عہد میں مسیحیوں پر ظلم اور زیادتی ہوتی رہی اور ایک صدی میں سارے ملک میں شہداء کے قتل سے لہو کے پرنالے بہے۔

تیسری بات

محبت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے:

اکثر لوگ دوسروں کے عیب دیکھتے ہیں اور "حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِم" (۲) کے مضمون کے مطابق اپنے اور اپنے ہم مذہب دلی دوستوں کے عیب نہیں دیکھتے اور نہ کان لگا کر دوسروں سے سنتے ہیں۔

فرمانِ عیسوی علیہ السلام:

جناب مسیح علیہ السلام کا کیا خوب ارشاد ہے جو متی باب ۷ آیت ۲ میں مذکور ہے "جس طرح تم عیب جوئی کرتے ہو اُسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائیگی اور جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اُسی سے تمہارے واسطے ناپا جائیگا تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے تنکا نکال دوں؟ اے ریا کار پہلے اپنی آنکھ میں سے تو شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا"

---

(۱) مسیحی تواریخ کے مطابق اگسٹس سے نیرو تک شہنشاہوں کی ایک قطار لگی ہے جو مسیحیوں کے قتل کے جنون میں مبتلا رہے۔

(۲) یہ حدیث نبوی ﷺ ہے اور جوامع الکلم میں سے ہے (اخرجہ ابوداؤد عن ابی درداء رضی اللہ عنہ فی کتاب الادب، باب فی الھوی) نبی امی ﷺ کے اس ارشاد میں انسان کی نفسیات اور فطرت کو بیان کیا گیا ہے کہ انسان جب کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو یہ عشق ومحبت کا جذبہ ایسا غالب آجاتا ہے کہ اسکو اپنے محبوب کے علاوہ اور کوئی چیز نظر نہیں آتی اور دوسرے کی جائز بات سننا بھی پسند نہیں کرتا۔ اپنے عیب، ہنر معلوم ہوتے ہیں اور دوسروں کی خوبیاں برائی معلوم ہوتی ہیں۔

مسیحی پادریوں کی عادت:

جی ہاں! دنیا میں اکثر ناصح دوسروں کیلئے ناصح ہیں اپنے لئے بہت کم ناصح پائے جاتے ہیں اور یہ بات پادری صاحبان میں کچھ زیادہ ہی دیکھنے میں آئی ہے کہ اگر مخالف کے مذہب میں اپنے زعم کے مطابق ذراسی بھی خرابی پائیں تو ذرہ کو آفتاب اور سنگریزہ کو پہاڑ بتلاتے ہیں اور غل مچا کر چلاتے ہیں اور اپنے مذہب میں کیسا ہی نقصان پائیں اُسکا خیال تک نہ لائیں گے۔ ایسے بعض مفاسد "ازالۃ الاوہام" اور "الاستفسار" وغیرہ میں لکھے گئے ہیں اور اگر زندگی نے وفا کی تو اس مضمون کے بیان میں مستقل طور پر ایک کتاب لکھوں گا۔ اس جگہ ان مفاسد اور قبائح کا ذکر کرنا طوالت کے خوف سے مناسب نہیں جانتا اور بالکل ترک کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔

چوتھی بات

مسئلہ تثلیث فی التوحید:

اس جگہ صرف ایک مضمون وحدت فی التثلیث اور تثلیث فی الوحدت کو ذکر کر کے اسکے بطلان کے چار دلائل لکھتا ہوں کیونکہ یہ ملتِ مسیحی کے عقائد کی پہلی سیڑھی ہے اور اسکا درجہ وہی ہے جو ہمارے مذہب میں لا الہ الا اللہ کا ہے۔ مسیحی لوگ اسکے بغیر نجات کو محال جانتے ہیں اور ہم لوگ اسکو شرکِ محض اور اس اعتقاد کو روز جزا کے عذاب کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اُن چار دلائل میں سے تین اُس تثلیث کو باطل کرتے ہیں جو مسیحی علماء کا نقطۂ نظر ہے اور ایک دلیل اُس تثلیث کے بطلان پر ہے جسے مسیحی عوام نے سمجھ رکھا ہے تا کہ برادرانِ اسلام کو معلوم ہو جائے کہ جب اول سے کشتی سراسر ٹوٹی ہوئی ہے تو دریا کے پار اترنے کو کیا خاک کام آئیگی؟ اور جب بسم اللہ ہی غلط ہے تو اسکے مابعد کو کیا سمجھا جائے مگر اُن دلائل سے قبل دس تنبیہات (۱) لکھی جاتی ہیں کیونکہ دلیلِ اول کا اکثر

(۱) مصنف کا مقصود مخالفین پر اتمام حجت کے ساتھ ساتھ ناظرین کے دلوں کو مطمئن کرنا بھی ہے اس لئے اصل بحث کو شروع کرنے سے پہلے دس اہم امور اور انتہائی مفید تنبیہات ذکر کی ہیں جو بلاشبہ پورے موضوع کو سمجھنے میں بڑی معاون ہیں اور مقصد تک پہنچنے کیلئے سامانِ بصیرت ہیں۔

مضمون انہیں پر موقوف ہے اور باقی دلائل میں بھی بعض بعض جگہ ان تنبیہات کو کچھ کچھ دخل ہے۔

پہلی تنبیہ

عقیدۂ تثلیث پر کوئی عقلی دلیل نہیں:

تثلیث کا اعتقاد رکھنے والے مسیحی علماء کا اعتراف ہے کہ اس عقیدہ کے اثبات کیلئے کوئی دلیلِ عقلی نہیں بلکہ اس بھید کا اس عالم میں دریافت ہونا محال ہے۔

(۱) میزان الحق مطبوعہ ۱۸۵۰ء کے باب دوم کی فصل سوم میں ہے "اس بات کی کیفیت ہم سے تشخیص نہ کی جائیگی بلکہ کسی آدمی کی طاقت نہیں کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہے جو خدا کی پاک ذات کے "اسرار" سے تعلق رکھتی ہے" پھر ۱۸۳۹ء کے نسخہ کے مطابق اسی فصل میں لکھتے ہیں "غرض ان موضوعات میں خدا کے کلام کی دلیلوں کے سوا دوسری دلیل ممکن اور لازم نہیں" (۱)

---

(۱) یہ میزان الحق پادری فنڈر کی کتاب ہے جنکا پورا نام پادری کارل گوٹلیب فنڈر ہے۔ ۱۸۰۳ء میں ورٹمبرگ جرمنی میں پیدا ہوئے ۱۸۲۱ء میں ایران گئے فارسی زبان میں خاصی مہارت حاصل کی پھر ۱۸۳۶ء میں ہندوستان آئے۔ آگرہ میں سکونت اختیار کی اردو زبان سیکھی اور دعوتی مہم چلائی۔ عبداللہ آتھم صفدر علی جیسے افراد انکے ہاتھ پر مسیحی ہوئے۔ پادری صاحب نے "میزان الحق" کے نام سے جو کتاب تصنیف کی اسکو مسیحی دنیا میں بڑی پذیرائی ملی اور کہا گیا کہ یہ کتاب الہام سے لکھی گئی ہے۔ شروع میں مسیحی عقائد وافکار کی صداقت مدلل کرنے کی کوشش ہے آخری حصہ میں اسلام، قرآن کریم، رسول کریم ﷺ کے اخلاق واعمال پر بعض اعتراضات کیے گئے ہیں اخیر میں ایک ضمیمہ ہے جس میں چھ افراد کے قبولِ عیسائیت کی روئیداد بیان کی گئی ہے۔ پادری موصوف کا دوسرا کتابچہ "مفتاح الاسرار" ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور عقیدہ تثلیث کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو معجزات بیان کیے ہیں وہ انکی الوہیت پر دلیل ہیں۔ فلسفہ تثلیث کی گتھی سلجھانے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ انکی تیسری کتاب "طریق الحیات" ہے جس میں مسئلہ کفارہ کو موضوع بحث بنا کر گناہ کی ماہیت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مزعومہ شہادت وقربانی اور انسانیت کا از راہِ کفارہ نجات پانے کا تذکرہ ہے۔ انکی ایک کتاب "شجر زندگانی" ہے جسمیں انجیل سے عیسائی عقائد واخلاق سے متعلق اقتباسات جمع کیے گئے ہیں۔ پادری فنڈر کا ۱۸۴۴ء میں یعنی تحریک آزادی ہند سے تیرہ سال قبل حضرت مولانا سید آل حسن موہانی سے تحریری مناظرہ ہوا مسلم لیگ کے مشہور راہنما مولانا حسرت موہانی انہی کی اولاد میں سے ہیں۔ انہوں نے (باقی اگلے صفحہ پر.............

(۲) مفتاح الاسرار مطبوعہ ۱۸۵۰ء کے شروع میں ہے ''مسیح کی الوہیت اور خدا کی پاک ذات کی تثلیث بھی ایسی ہے جو خدا کی پاک ذات کے اُن بھیدوں میں سے ہے جنکی تشبیہیں موجودات میں نہیں پائی جاتی ہیں اور اسی سبب سے آدمی اُنکے پہچاننے اور بیان کرنے سے لاچار ہوجاتا ہے اور جب تک ہم اس دنیا میں ہیں محال ہے کہ وہ بھید تماماً اور کاملاً ہم بندوں پر کھولے جائیں'' پھر اسی مفتاح الاسرار کے بابِ دوم کی فصلِ اول میں ہے ''اس بات کی تفصیل اور ثبوت کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ذات کی وحدانیت باوجود تین اُقنوم کے معدوم نہ ہو انسان کی طاقت سے باہر ہے''

(۳) دافع البہتان کی آٹھویں فصل میں ہے ''اگر کوئی کہے کہ ہم اس بات کو یعنی توحید اور تثلیث کو سمجھ نہیں سکتے تو میں بھی اقرار کرتا ہوں کہ میری بھی سمجھ میں نہیں آتا'' (۱)

(۴) تحقیقِ دینِ حق حصہ سوم باب پنجم میں ہے ''اگر یہ شک ہے کہ باپ' بیٹا اور رُوح القدس تینوں ایک واحد خدا کس طرح ہیں اور خدا کیسے مجسم ہوسکتا ہے تو ہمارا صاف جواب یہ ہے کہ خدا

..............کتاب الاستفسار اور کتاب الاعجاز کے نام سے کتابیں لکھیں اور اول الذکر میں آپ نے پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق کے پہلے اور تیسرے باب کا جواب دیا ہے۔ مولانا نے پادری فنڈر سے مناظرے میں یہ شرط رکھی تھی کہ جہاں بھی ہمارے پیغمبر ﷺ کا نام لیں تو تعظیم کیساتھ لیں اور احتراماً جمع کی ضمیر استعمال کریں تاکہ مسلمانوں کو ذہنی وروحانی اذیت نہ ہو۔ پادری فنڈر جواب میں لکھتے ہیں ''خوب سمجھ لو ہم تمہارے نبی کا ذکر تعظیم کیساتھ کرنے یا افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں کیساتھ لانے سے معذور ہیں..... یہ بات ہمارے لئے قطعی ناممکن ہے...... اور کسی ایسی جگہ جہاں کلام کا مقتضاء ہوگا یہ بھی کہوں گا کہ محمد رسول نہیں ہیں یا جھوٹے ہیں'' پھر دوسرے خط میں لکھتے ہیں ''یہ بات محال ہے کہ ہم محمد کا نام ذکر کرتے ہوئے افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں کیساتھ لائیں'' اندازہ فرمایئے! ان لوگوں کے سینے سرکارِ دوعالم ﷺ کے بارے میں کس طرح بغض وعداوت سے بھرے ہوئے ہیں'' قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ''(آل عمران آیت ۱۱۸) جسکا اظہار ہمارے دور میں اور بھی زیادہ ڈھٹائی کیساتھ مسلسل جاری ہے۔ مولانا آل حسن مہانی اور پادری فنڈر کی یہ خط وکتابت عیسائیوں نے ''حل الاشکال'' کے نام سے شائع کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریری مناظرے کا موضوع تحریف بائبل' مسئلہ تثلیث اور رسالتِ محمدی ﷺ تھے۔ پادری صاحب کا حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے بھی انہی عنوانات پر تقریری مناظرہ ہوا جسکا مختصر تذکرہ مقدمہ میں آچکا۔

(۱) ''دافع البہتان'' مصنف ؒ کے ہم زمانہ ایک پادری ''رانکین'' کی تصنیف ہے۔

نے یوں ہم پر ظہور کیا اور اُسکی کچھ مرضی یہی تھی لیکن اُسکے ہونے کا طریقہ جو بیان نہیں کیا اس لئے ہم بھی بتا نہیں سکتے'' پھر اسی باب میں ہے'' غرض کہ الوہیت میں تین ہیں جو واحد خدا ہے اور اُسکی تفصیل قوتِ ناطقہ کے بیان سے باہر ہے۔(۱)

دوسری تنبیہ

عیسائیت سے نکتۂ اختلاف:

نزاع مسیحیوں کیساتھ جب ہے کہ تینوں اُقنوم (۲) میں باعتبار خارج کے قطع نظر اعتبارِ معتبر سے امتیاز ہو یہ امتیاز حقیقی بھی ہو اور تثلیث و توحید دونوں ذاتِ الٰہی میں حقیقی طور پر ہوں۔ نہیں تو اگر امتیازِ حقیقی نہ مانیں یا توحید کو مجازی یا دونوں کو مجازی کہیں تو یہ نزاع نہیں۔ لیکن مسیحی تینوں اُقنوم میں امتیازِ حقیقی مانتے ہیں اور تثلیث و توحید دونوں کو ذاتِ خدا میں حقیقی جانتے ہیں۔(۳)

---

(۱) ''تحقیق دین حق'' اسلام سے مرتد ہو کر پادری بننے والے نام نہاد مولوی عماد الدین نامی شخص کی کتاب ہے جس نے پادری فنڈر کے ہاتھوں بپتسمہ لیکر مسیحیت کو قبول کیا۔ عیسائیوں نے اسکا بڑا پرجاک استقبال کیا۔ اس نے تردید اسلام میں متعدد کتابیں لکھیں جنکی زبان اتنی دل آزار اور ایسی گستاخانہ تھی کہ سنجیدہ عیسائیوں نے بھی اسے ناپسند کیا۔ اسکی ایک کتاب ''ہدایۃ المسلمین'' کے نام سے ہے جسکا جواب مولانا محمد علی مونگیریؒ نے ''مرآۃ الیقین'' کے نام سے دیا۔

(۲) اقنوم (Person) کی جمع اقانیم ہے۔ مسیحیت کے اقانیم ثلثہ سے مراد باپ، بیٹا، روح القدس لیا جاتا ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک ''باپ'' سے مراد خدا کی تنہا ذات اللہ تعالیٰ ہے۔ ''بیٹا'' سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو خدا کی صفت کلام کا مظہر اور مجسم خدا ہیں۔ ''روح القدس'' سے مراد اَن دیکھی غیر دیدنی روح پاک ہے یہی روح ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اہل اسلام کے نزدیک روح القدس حضرت جبریلؑ کا دوسرا نام ہے۔ حضرت جبریلؑ مبارک نوری وجود کے حامل مقرب ترین فرشتے ہیں جنکا کام انبیاء علیہم السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کے احکامات و پیغامات لانا ہے۔ مسیحی دنیا روح القدس کو الوہیت کا تیسرا اُقنوم (شخص، جوہر) اور صفات الٰہی کا حامل قرار دیتی ہے۔ اہل اسلام کا ایسا کوئی تصور نہیں۔

(۳) مسیحیت کا عقیدہ یہ ہے کہ باپ ایک مستقل جوہر، شخص اور ذات ہے۔ بیٹا مستقل ذات ہے۔ روح القدس مستقل ذات ہے۔ باپ کامل خدا ہے۔ بیٹا کامل خدا ہے روح القدس کامل خدا ہے اور تینوں ملکر ''ایک'' خدا ہے۔ جب تین اشخاص کا الگ الگ وجود حقیقی مانا جائے تو وہ حقیقی طور پر ایک نہیں ہو سکتے ہاں البتہ متعدد چیزیں اعتباری طور پر ایک ہو سکتی ہیں مگر مسیحیوں کا کہنا ہے کہ توحید بھی حقیقی ہے اور تثلیث بھی حقیقی ہے۔

(۱) مفتاح الاسرار مطبوعہ ۱۸۵۰ء باب دوم فصلِ اول کے آخر میں ہے "ہر چند کہ ذات میں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے درمیان امتیاز حقیقی ہے پھر بھی ذات کی وحدانیت زائل نہیں ہوتی اور تثلیث کی تعلیم سے ذات کو نقصان اور قصور نہیں پہنچتا بلکہ حقیقت میں صرف ایک خدائے واحد حقیقی ہے اور بس"۔

(۲) حل الاشکال کے پہلے باب میں ہے "مسیحی لوگ کلام الٰہی کی نسبت جیسا کہ سابق ذکر ہوا وحدت اور تثلیث دونوں حقیقی اور ممکن جانتے ہیں" دس سوالات جو عبداللہ سبزواری نے کیے تھے اور صاحب حل الاشکال نے جواب دیا ہے اُن میں دوسرا سوال اس طرح تھا آیا اُقنومِ اَب اور اُقنومِ ابن میں کچھ فرق ہے یا دونوں برابر ہیں؟ مفصل بیان کیجئے۔ اِسکے جواب میں پادری موصوف یوں لکھتے ہیں "اُقنومِ اَب اور اُقنومِ ابن اور رُوح القدس میں امتیاز و فرق حقیقی ہے" دسواں سوال اِس طرح تھا کہ اپنے اس مشہور قول میں کہ "تثلیث میں توحید ہے" توحید و تثلیث دونوں کو حقیقی اور واقعی جانتے ہو یا ایک کو حقیقی اور دوسرے کو مجازی اور اِس توحید و تثلیث کے سوا اَور نقیضین بھی بالفرض والتقدیر توحید و تربیع' توحید و تخمیس' توحید و تسدیس آپس میں جمع ہو سکتی ہیں یا اس اجتماع کو صرف توحید اور تثلیث ہی کیساتھ خصوصیت ہے۔ اِسکے جواب میں لکھتے ہیں "مسیحی لوگ کلامِ ربانی کے موافق توحید اور تثلیث دونوں کو حقیقی جانتے ہیں اور اِس اجتماع کو صرف توحید و تثلیث ہی کا خاصہ سمجھتے ہیں" یعنی اجتماع توحید و تربیع' توحید و تخمیس' توحید و تسدیس وغیرہ محال ہیں۔ ایسے اجتماعات سے صرف اجتماع توحید اور تثلیث کا ممکن ہے اور بس۔ پس اِن دو عبارتوں سے صاف واضح ہوا کہ تینوں اُقنوم میں امتیاز حقیقی ہے اور اسی طرح تثلیث اور توحید دونوں ذاتِ باری میں حقیقی ہیں سوائے توحید و تثلیث کے اور دو ضدوں کا جمع ہونا ممتنع ہے۔

تیسری تنبیہ

عدد امرِ اعتباری ہے اِسکا وجود بغیر معدود کے نہیں پایا جاتا اور بلاشبہ ہر موجود چیز کو ایک یا اور

کوئی عدد جو اس سے اوپر ہو عارض ہوگا اور اُسکے ضمن میں پایا جائیگا۔ اسی طرح بلاشبہ جس جگہ ایک سے زائد موجودات ہوں اور اُن میں امتیاز حقیقی پایا جائے تو کثرتِ حقیقی اُنکو عارض ہوگی اور کثرتِ حقیقی کے عارض ہونے کے بعد اُن اشیاء کو وحدتِ حقیقی عارض نہ ہوگی تاکہ اجتماع ضدین لازم نہ آئے جیسا کہ چوتھی تنبیہ میں آتا ہے۔

تین کبھی ایک نہیں ہوسکتے:

جفت اور طاق میں انفصال حقیقی ہے اور آپس میں ضدیں ہیں۔ اسی طرح مختلف اعداد مثلاً ایک' دو' تین' پانچ' سات' نو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پس ایک چیز پر ایک زمانہ میں ایک ہی جہت سے جفت اور طاق یا مختلف عدد کا صادق آنا محال ہے مثلاً یہ نہ کہیں گے کہ فلاں موجود چیز ایک بھی ہے اور دو بھی' یا ایک بھی ہے اور تین بھی' یا ایک بھی ہے اور پانچ بھی' یا پانچ بھی ہے اور سات بھی۔ البتہ اگر کثرت اور وحدت میں سے ایک کو حقیقی اور دوسرے کو اعتباری جانیں یا مختلف اعداد کو مختلف جہات سے لے لیں تو اُنکا اجتماع ممکن ہے۔

چوتھی تنبیہ

محالِ عقلی ناممکن الوجود ہے:

ایک صورت یہ ہے کہ عقل کسی چیز کی کنہ و حقیقت کو پالے' اُسکے ممکن ہونے کا حکم کرے اور اُسکے ممکن سمجھنے سے کوئی محال لازم نہ آئے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عقل کسی چیز کے ممتنع ہونے کا حکم کرے خواہ دلیلِ قطعی سے یا بداہتاً اور اُسکے وجود کو محال سمجھے اِن دونوں باتوں میں فرق ہے اور دونوں کو ایک سمجھنا حماقت ہے یا تعصب بے جا اور نفسانیت۔ پس بہت چیزیں ایسی ہیں کہ گو عقل اُنکی ماہیت کو خوب نہیں جانتی لیکن انہیں ممکن سمجھتی ہے اور اُنکو موجود مانتی ہے۔ عقل کے نزدیک نفس الامر میں کوئی محال اور استبعاد لازم نہیں آتا اور اسی طرح اُس نوع کے اور افراد کا عدم سے وجود کی طرف آنے کو محال اور مستبعد نہیں سمجھتی۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ بداہتاً اُنکے محال ہونے

کا حکم ہوتا ہے جیسا کہ اجتماع نقیضین حقیقی مثلاً وجود و عدم ارتفاع نقیضین حقیقی یا عدد میں طاق کا جفت ہونا' جفت کا طاق ہونا یا شیء کا اپنی ذات پر مقدم ہونا یا وحدت اور کثرتِ حقیقی کا اجتماع یا اسی طرح اور متضاد چیزوں کا جمع ہونا مثلاً مختلف عدد' نور و ظلمت' سرخی و سفیدی' حرارت و برودت' سکون و حرکت وغیرہ کہ ایک مادۂ شخصی میں ایک زمانہ میں ایک ہی جہت سے انکا جمع ہونا ہر عقلمند کے نزدیک بداہتاً محال ہے۔ بہت چیزیں ایسی ہیں کہ دلیل قطعی سے انکے ممتنع ہونے کا حکم ہوتا ہے جیسے دَور اور تسلسل وغیرہ۔ جب دو چیزوں کا آپس میں نقیضین ہونا ثابت ہوگیا تو وہ دونوں کسی مادۂ شخصی میں جو فرض کیا جائے ایک زمانے میں ایک جہت سے کبھی جمع نہ ہونگی مثلاً وجود اور عدم کا نقیضین ہونا یا جفت اور طاق کا متضاد ہونا جب ثابت ہوا تو اب انکا ایک جگہ جمع ہونا ایک زمانے میں ایک ہی جہت سے ممتنع اور محال ہوگا خواہ وہ محل قدیم ہو یا حادث واجب ہو یا ممکن (۱)

پانچویں تنبیہ

الوہیتِ مسیح علیہ السلام کی حقیقت معلوم نہیں:

خدائی کا تعلق جو بدنِ مسیح علیہ السلام کیساتھ ہے وہ حلول اور اتحاد کے علاوہ ہے اور یہی اکثر مسیحیوں کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ تثلیث کا اعتقاد رکھنے والے یہی اقرار کرتے ہیں کہ ساری انجیل میں اسکا بیان نہیں آیا۔ صاحب حل الاشکال باب دوم میں لکھتے ہیں ''اور وہ علاقہ جو مسیح میں الوہیت وانسانیت کے درمیان قرار پایا ہے نہ حلول کی قسم سے ہے نہ اتحاد کی بلکہ وہ ایک خاص علاقہ ہے

(۱) یہاں چند اصطلاحات کی وضاحت مناسب ہے۔ اجتماع نقیضین کا مطلب یہ ہے کہ دو ایسی چیزوں کا ایک جگہ جمع ہو جانا جو باہم متضاد اور متناقض ہوں مثلاً انسان اور گھوڑا۔ اب ایک ہی چیز کو بیک وقت حقیقی معنی کے اعتبار سے انسان اور گھوڑا قرار دینا عقلاً قابل تسلیم نہیں۔ اہل منطق نے اسکا اصطلاحی نام ''اجتماع نقیضین'' رکھا ہے۔ ارتفاع نقیضین کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی دو متضاد چیزوں سے خالی ہو یہ بھی محال ہے مثلاً یہ کہنا کہ یہ عدد نہ جفت ہے نہ طاق نا قابل تسلیم ہے یا یہ کہنا کہ زید نہ انسان ہے نہ غیر انسان عقلاً محال ہے۔ ''دَور'' کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا اپنی ذات پر موقوف ہو جانا۔ ''تسلسل'' کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا اس طرح غیر متناہی ہونا کہ اسکا سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہو۔ یہ دَور اور تسلسل بھی محالِ عقلی ہیں اور جس صورت میں یہ لازم آتے ہوں وہ باطل ہے۔

جسکی ماہیت اسرار الٰہی میں سے ہو کر عقل کے درک و دریافت سے باہر اور معدوم الادراک کے قبیل سے ہے" موصوف عبداللہ سبزواری کے چوتھے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں "ہم اُس تعلق کی کمیت و کیفیت کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے جو اُسکے بدن کیساتھ ہوا کہ یہ بھید انجیل میں بیان نہیں ہوا" اور چھٹے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں "مسیح میں الوہیت وانسانیت کے درمیان جو علاقہ تھا اُسکی ماہیت انجیل میں بیان نہیں ہوئی" دافع البہتان کی آٹھویں فصل میں ہے "حقیقت میں یہ کیا تعلق ہے اور کس طور پر ہے خدائے برتر نے اپنے کلام میں ظاہر نہیں کیا اور اِس میں ہمارے ناقص قیاس کو دخل نہیں" اِس طرح کی ان علماء کی اور بھی تصریحات موجود ہیں اور اس بات میں سچی ہیں کہ ساری انجیل میں کہیں اسکا بیان نہیں آیا۔(۱)

چھٹی تنبیہ

گذشتہ انبیاء کرام نے تثلیث کی دعوت نہیں دی:

دنیا کی پیدائش سے لیکر حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ نبوت تک چار ہزار چونتیس برس کا عرصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی امت پر مسئلہ تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کو واجب الاعتقاد نہیں کیا۔ ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اِس عقیدۂ عظیمہ کو کتاب پیدائش میں جہاں انبیاء علیہم السلام کے حالات لکھے ہیں ضرور لکھتے۔ کیونکہ انہوں نے جب انبیاء کرام علیہم السلام کی خطاؤں اور لغزشوں حتیٰ کہ حضرت لوط علیہ السلام کا حالتِ نشہ میں اپنی بیٹیوں سے زنا کرنا تک لکھ دیا تو اس بنیادی عقیدے کو کس طرح چھوڑ دیا جس پر مسیحیوں کے بقول نجات کا

---

(۱) ہمارے زمانہ کے مسیحی علماء و فضلاء کا بھی یہی کہنا ہے کہ "خدا کا جسم میں ظاہر ہونا ایک بھید ہے جو سمجھ میں آنے والا نہیں۔ یسوع کی شخصیت میں الٰہی زور اور انسانی کمزوری دونوں باہم وابستہ ہیں ہم اس راز کو حل نہیں کر سکتے" اسی طرح دیگر محققین بھی اس موضوع پر اسی طرح کی گوہر افشانی کرتے ہیں۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔

۱۔ مسیحی علمِ الٰہی کی تعلیم، مصنف پادری لوئیس برک ہاف، مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور ۲۰۰۵ء

۲۔ رسولوں کے نقشِ قدم پر، مصنف بشپ ولیم ۔جی ۔ینگ، مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور ۱۹۹۸ء

۳۔ قاموس الکتاب، ص ۲۳۲، مؤلفہ ایف ۔ایس ۔خیر اللہ، مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور ۲۰۰۱ء

دار و مدار ہے؟(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے ایک ہزار چار سو اکانوے برس قبل نبوت عطا ہوئی اور اُنکی معرفت بنی اسرائیل کو سینکڑوں احکام ملے اور بعض بعض احکام مثلاً تعظیم سبت' بت پرستی کا حرام ہونا وغیرہ کی تاکید توریت میں بیسیوں جگہ بار بار لکھی ہے اور توریت کے احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی تاکید سینکڑوں جگہ لکھی گئی ہے(۲) جو مسیحیوں کے نزدیک نجات کے حوالے سے بالکل بے مصرف ہیں(۳) لیکن یہ مسئلہ جس پر نجات کا دار و مدار ہے ایک جگہ بھی

---

(۱) یہودیوں اور مسیحیوں کے بقول بائبل کی پہلی پانچ کتابیں (پیدائش' خروج' احبار' گنتی' استثناء) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہیں جن کو "اسفارِ خمسہ" کہا جاتا ہے۔ ان حضرات کے بقول یہ توریت موسوی ہے۔ پہلی کتاب "پیدائش" ہے جس کے پچاس ابواب ہیں جن میں تخلیق کائنات' انسان کی پیدائش اور انبیاء سابقین کے حالات درج ہیں جس میں حضرت آدم علیہ السلام کا پھل کھا کر لعنتی ہونا' حضرت نوح علیہ السلام کا شراب پی کر برہنہ ہونا' حضرت اسحاق و ابراہیم علیہما السلام کا جھوٹ بولنا' حضرت یعقوب علیہ السلام کا خدا سے کشتی کرنا' اپنے ماموں کی بیٹیوں سے عشق و محبت کرنا (نعوذ باللہ من ذالک) اور اسی طرح کے اور بہت سے واقعات مذکور ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بھی بڑی تفصیل کیساتھ ذکر ہوا ہے۔ دوسری کتاب "خروج" ہے جس کے چالیس ابواب ہیں جن میں فرعون کا بنی اسرائیل پر ظلم کرنا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش' بچپن' مصری کا قصداً قتل کرنا' مدین کا سفر کرنا' نبوت کا ملنا' معجزات کا مفصل بیان ہے۔ فرعون کا غرق دریا ہونا' بنی اسرائیل کا مصر سے ہجرت کرنا' موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور سینا پر جانا' احکامات کا ملنا' کہانت اور قربانی کے مسائل بڑی طوالت کیساتھ آئے ہیں۔ تیسری کتاب "احبار" ہے جو ستائیس ابواب مشتمل ہے اس میں کئی قسم کی قربانیوں کا تذکرہ ہے' حلال حرام جانوروں کی تفصیل ہے' عورتوں کے ایام حیض و نفاس' طہارت' کفارات کا بیان ہے' کئی تہواروں کے مسائل اور سبت کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ چوتھی کتاب "گنتی" ہے جسکے چھتیس ابواب ہیں۔ اس میں بنی اسرائیل کی مردم شماری' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم' بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کی وفات' حضرت یشوع کی خلافت کا تذکرہ ہے۔ بنی اسرائیل کا مصر سے موآب تک سفر کی منازل کی تفصیل' بلعم بن باعور کا نافرمانی کرنا' مقتول ہونا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اہل مدین سے جنگ کرنا' مال غنیمت تقسیم کرنا' بتیس ہزار کنواری لڑکیوں کو لونڈی بنانا اور دیگر کئی احکام کا ذکر ہے۔ پانچویں کتاب "استثناء" ہے اسکے چونتیس ابواب ہیں۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سرزمین موآب میں جو دینی احکام نازل ہوئے انکا بڑا مفصل بیان ہے۔ افسوس ہے کہ عقیدۂ تثلیث کا اشارۃً بھی ذکر نہیں۔

(۲) توریت کی کتاب خروج' احبار میں اسکی تفصیل ہے اور مصنفؒ نے اپنی کتاب ازالۃ الاوہام کے مقدمہ میں فائدہ سوم کے تحت کچھ حوالے بطور نمونہ لکھے ہیں۔

(۳) کیونکہ اُنکا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے فدیہ و کفارہ نے احکام شرع سے آزاد کر دیا جو شخص مسیح کی تصلیب پر ایمان لائے گا بس اُسی کے فضل سے نجات پا جائیگا۔ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توریت کو (باقی اگلے صفحہ پر..................

صراحت کیساتھ اسکا ذکر نہیں آیا تکرار اور تاکید کا تو کیا ذکر۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو نبی گذرے ملاکی نبی تک کسی کے صحیفے میں صراحۃً ذکر نہیں آیا اور یقینی بات ہے کہ زبانی بھی نہ فرمایا ہوگا ورنہ لکھتے بھی۔ (۱) اسی لئے یہود کو تقریباً ایک ہزار پانچ سو سال تک خبر نہ ہوئی کہ تثلیث فی التوحید ذاتِ خدا میں ہے اور اب بھی جو یہودی یہودیت پر ہیں اور کتب عہدِ عتیق و جدید کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں، ان کتب کی جدید و قدیم تفاسیر اُنکے پاس ہیں اور ان کتب کو پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں وہ آج تک عقیدۂ تثلیث کو حکمِ الٰہی کے خلاف جانتے ہیں اور یقینی طور پر محال و کفر کہتے ہیں۔ (۲)

ساتویں تنبیہ

عقیدۂ تثلیث حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم نہیں:

جنابِ مسیح علیہ السلام نے عروج تک کبھی صاف نہیں کہا کہ میں خدا ہوں (۳) جو شخص انجیل کو دیکھے گا

............واجب العمل قرار دیا (متی باب ۵ آیت ۱۷، باب ۷ آیت ۱۲) لیکن پولس نے آزاد کر دیا چنانچہ لکھتے ہیں "مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا" (گلتیوں باب ۳ آیت ۱۳) یاد رہے کہ موجودہ عیسائیت کے افکار و اعمال کی بنیادیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نہیں ملتیں بلکہ یہ سب پولس کی تعلیمات ہیں۔

(۱) حالانکہ ان صحائف میں بھی دنیا بھر کی چیزوں کا تذکرہ ہے کہیں بنی اسرائیل کی غلط سلط مردم شماری کا بیان ہے (سموئیل دوم باب ۲۴، تواریخ اول باب ۲۱) کہیں قید و جلاوطنی سے رہائی پانے والے قبائل اور انکی تعداد کی اُلٹی سیدھی تفصیل ہے (عزرا باب ۲، نحمیاہ باب ۷) کہیں ایک ہی مضمون ایک ہی عبارت کیساتھ بغیر کسی فرق کے دوسری کتاب میں درج ہے اور بے فائدہ تکرار یا کامیاب سرقہ کا نمونہ ہے (سلاطین دوم باب ۱۹، یسعیاہ باب ۳۷) الغرض بائبل کا یہ مجموعہ جتنا ضخیم ہے اُتنا ہی اسکا مواد رکیک ہے مگر فلسفۂ تثلیث کا کہیں بھی نام و نشان نہیں۔

(۲) چنانچہ ایک مشہور مسیحی فاضل مؤلف لکھتے ہیں "اگر اس عقیدے کو عہدِ عتیق کے توحید پرستی کے پس منظر میں دیکھا جائے تو کفر نظر آتا ہے اور کٹر یہودی یہی نظریہ رکھتے تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا خالق خدا خود اپنی مخلوق بن گیا" (قاموس الکتاب ص ۲۳۵، مصنفہ ایف۔ ایس۔ خیر اللہ، مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور)

(۳) بلکہ انہوں نے ہمیشہ توحید خداوندی کا درس دیا اور کبھی تثلیث کا لفظ تک اپنی زبانِ مبارک پر نہیں لائے جیسا کہ مرقس باب ۱۲ آیت ۲۸ میں اُنکا ارشاد مذکور ہے اور دیگر بہت سی جگہوں پر دیکھا جا سکتا ہے۔

اُس پر یہ بات مخفی نہ رہیگی (۱) اِسکا اعتراف انکے علماء کی گفتگو سے ظاہر ہے۔ مفتاح الاسرار کے باب اول کی فصلِ اول میں اِس اعتراض کے بعد کہ ''مسیح نے اپنی الوہیت اِس سے زیادہ وضاحت کیساتھ ذکر کر کے واضحاً ومختصراً یوں کیوں نہ فرمایا کہ ''میں خدا ہوں اور بس'' پھر ایک جواب کے بعد دوسرا جواب یوں لکھا ہے ''مسیح فقط اُسی ازلی تعلق یعنی ذات کی اُسی وحدانیت کے سبب سے باپ کیساتھ ایک اور ایک خدا ہے نہ کے اُس وحدانیت کا غیر۔ لیکن اِس تعلق اور وحدانیت کو اُسکے قیام اور صعود سے پہلے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا اِس حالت میں اگر مسیح بے حجاب کہتا کہ میں خدا ہوں تو اُس وقت لوگ ایسا سمجھتے کہ گویا وہ ظاہر کے اعتبار سے یعنی انسانیت کے حوالے سے خدا ہے اور یہ بات بالکل باطل اور برخلاف ہوتی'' انتہٰی بلکہ اِن لوگوں نے آیاتِ متشابہات لیکر اِس عقیدہ کو استنباط کیا ہے اور اُنکا جواب میں ازالۃ الاوہام میں دے چکا ہوں۔ (۲)

آٹھویں تنبیہ

تثلیث مسیحیوں کا اختلافی عقیدہ ہے:

مذکورہ بالا وجوہ کی وجہ سے اِس عقیدہ میں قدیم مسیحیوں کا بڑا اختلاف رہا۔ (۳) ۳۲۵ء میں

---

(۱) مصنفؒ نے اسکی تفصیل اپنی کتاب ''اظہار الحق'' باب ۴ فصل دوم اور ''ازالۃ الاوہام'' باب ۴ فصل اول میں لکھی ہے۔

(۲) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ''ازالۃ الاوہام'' باب دوم فصل دوم، سوم۔

(۳) حتیٰ کے ایک گروہ وہ ہے جس نے یہ کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا ماننا ہی غلط ہے وہ صرف انسان تھے جیسا کہ James Mackinon نے اپنی کتاب From Christ to Constantine مطبوعہ لندن ۱۹۳۶ء میں اِنکا تذکرہ کیا ہے اور مسیحی راہنما Paul of Samosata ''پولس الشمشاطی'' اور Lucian کے افکار ذکر کیے ہیں۔ توحیدی عیسائیت (Unitarianism) کے ایک اور داعی میخائیل سروِیٹس (Michael Servitus) (م ۱۵۳۳ء) نے ایک اصلاحی تحریک چلائی اور The Errors of the Trinity کے نام سے ایک کتاب لکھ کر عقیدۂ تثلیث کو غلط ثابت کیا اور بڑی وضاحت کیساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کی بجائے نبی قرار دیا۔ اور جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوہری شخصیت (الوہیت وانسانیت) کا عقیدہ رکھا اُن میں بھی بڑا اختلاف ہے چنانچہ آج بھی مسیحی علم الٰہیات میں تثلیث کے حوالے سے تین بنیادی اور عالمی عقائد ذکر کیے جاتے ہیں جن میں ایک ''رسولی عقیدہ'' دوسرا ''عقیدۂ نیقیہ'' تیسرا ''اثناسی عقیدہ'' کہلاتا ہے۔ عیسائیوں کے قدیم فرقے ملکائیہ، نسطوریہ اور یعقوبیہ کے بھی مختلف نظریات ہیں۔

قسطنطین کے عہدِ سلطنت میں سکندریہ کے پادری آریوس (۱) نے اقنومِ ابن کو حادث اور مخلوق بتایا اور اس بات میں اپنا عقیدہ یوں ظاہر کیا کہ باپ قدیم ہے اور بیٹا جس کو کلمہ کہتے ہیں حادث ہے' باپ نے بیٹے کو پیدا کر کے مخلوق کے سب کام کاج اُسے سونپے' اُس بیٹے نے آسمان' زمین اور سب چیز کو پیدا کیا' پھر مریم کنواری اور رُوح القدس سے ظہور پکڑا اور مسیح کہلایا۔ پس مسیح دو چیزوں کا مجموعہ ہے کلمہ اور بدن اور یہ دونوں حادث ہیں۔ یہ عقیدہ سینکڑوں سال تک بڑا رائج رہا اور اس میں کئی فرقے مثلاً یونومیان' سیمی اریئس اور یوسیان وغیرہ نکلے۔ جیسا کہ یہ احوال لُب التواریخ کے دفترِ دوم باب ششم کی فصلِ اول میں مذکور ہیں۔

اسکے بعد مقدونیین کا قول زبانِ زدِ عام ہوا جو کہتا تھا کہ روح القدس حادث اور مخلوق ہے۔ ولیم میور نے اپنی کتاب کے باب سوم کے حصہ دوم میں بدعتی فرقوں کا بیان کرتے ہوئے شق نمبر ۳۵ اور ۳۶ میں جو لکھا ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ یونانی حکماء اور مشرق کے اکثر فلسفیوں نے مسیحی مذہب کو بغیر دریافتِ حال کے قبول کیا۔ اُن میں سے ایک فرقہ دوسیتی نام نے ایک یہ نئی بات کہی کہ باپ' بیٹا' روح القدس جیسا ازل میں تھا ویسا ہی اب ہے اور ویسا ہی ابد تک رہیگا آمین۔

نویں تنبیہ

ایک گستاخانہ عقیدہ:

جواد بن ساباط نے اس عقیدہ کے ذیل میں کہ ''اُس نے ہماری نجات کیلئے دکھ اٹھائے'' مسیحیوں کا قول یوں نقل کیا ہے کہ جب مخلوق میں اختلاف پڑا' اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھیجا۔ جب مخلوق نے انبیاء کرام علیہم السلام کی فرمانبرداری نہ کی تو باپ نے چاہا کہ سب کو ہلاک کرے اور عذاب دے۔ بیٹے نے معارضہ کر کے کہا کہ مجھے جانے دے کہ اُنکے پاس جا کر سمجھاؤں پس مجسم ہو کر انکی طرف آیا اور انکے لئے تمام رنج اٹھائے اور سولی پر چڑھا اور مدفون ہوا اور جہنم میں گیا۔ جو

(۱) پادری آریوس (Arius) (م ۳۳۶ء) کو اتنی حق بیانی کی توفیق ہوئی کہ ''باپ (خدا) برتر ہے اور بیٹا (یسوع) فروتر۔ بیٹا ازلی نہیں بلکہ ایک وقت تھا جب اُسکا وجود نہ تھا۔

شخص مسیح پر ایمان لاتا ہے جہنم میں داخل نہ ہوگا۔

جواد بن ساباط نے ''کتاب الصلوٰۃ'' سے جو جامس بادشاہ کے حکم سے ۱۶۰۳ء میں چھپی اس میں انکتاریوں کا عقیدہ یوں نقل کیا ہے ''جس طرح مسیح ہمارے لیے مرا اور دفن ہوا اسی طرح ہمارا یہ عقیدہ بھی ہے کہ وہ جہنم میں گیا'' پھر اسی کے ذیل میں لکھتا ہے کہ ''پادری مارطیروس نے اسکو یوں سمجھایا کہ جب مسیح مجسم ہوا سب عوارضِ انسانی اٹھانے پڑے پس اس لئے جہنم میں جا کے عذاب پایا اسکے بعد نکلا اور اپنے ساتھ اُن سب لوگوں کو جو اُس سے پہلے جہنم میں عذاب پارہے تھے نکال لایا۔ میں نے پوچھا کہ اسکی کوئی دلیل نقلی ہے؟ بولا یہ عقیدہ محتاج دلیل نہیں۔ وہاں ایک خوش طبع مسیحی بیٹھا تھا کہنے لگا باپ بڑا ہی سنگ دل تھا ورنہ بیٹے کو تین روز جہنم میں پڑا رہنے نہ دیتا۔ مارطیروس یہ سن کر خفا ہوا اور اُسے مجلس سے نکال دیا۔ پھر وہ مسیحی میرے پاس آ کر مسلمان ہو گیا اور مجھ سے عہد لیا کہ تاحیات اُسکے مسلمان ہونے کا پردہ رکھوں'' انتہی

پادری یوسف ولیم (۱) اور لکھنو کے ایک شیعہ مجتہد کے درمیان رمضان المبارک ۱۲۴۸ھ میں مناظرہ ہوا تھا جس میں مجتہد صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے پادری صاحب سے یہی بات پوچھی تو پادری صاحب نے جواب دیا کہ اس میں کیا مضائقہ ہے کہ اپنی امت کے بچانے کیلئے جہنم میں پڑے۔(۲)

تین اور ایک کا اتحاد:

دافع البہتان کی آٹھویں فصل میں ہے ''باوجودیکہ تینوں خدا کہلاتے ہیں اور پوجے بھی جاتے ہیں اور صفاتِ الٰہیہ سے آراستہ ہیں فی الحقیقت وہ تینوں ایک خداءِ واحد ہیں'' پھر اسی فصل میں ہے ''یہ تین اگرچہ ماہیت' قدرت' ابدیت' جلال میں ایک ہیں تو بھی انسان کی نجات کے واسطے

(۱) اپنے زمانہ کے مشہور پادری تھے۔ اپنے بارے میں صاحب الہام ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ۱۸۴۷ء میں ہوگا۔

(۲) مصنفؒ نے یہ واقعات اپنی کتاب اظہار الحق اور ازالۃ الاوہام میں بھی لکھے ہیں۔

اپنے کمال مہربانی وخداوندی سے فرداً فرداً عہدے کو سرانجام دیتے ہیں یعنی باپ بیٹے کو بھیجتا ہے' بیٹا وقتِ مقرر پر آدمی کے جسم میں مجسم ہو کر نجات کا دروازہ کھولتا ہے اور روح القدس اِن دونوں یعنی باپ بیٹے سے بھیجا جاتا ہے تاکہ چنے ہوئے لوگوں کے دل کو پھر تبدیلی دیکر اور انہیں صادق کر کے گناہ کی آلودگی وحکومت سے آزاد کرے'' انتہٰی

ارامنہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مصلوب ہونے کے وقت مسیح خدائے کامل تھے اور درد ہونا' سولی دیا جانا' مرنا' دفن ہونا اور پھر جی اٹھنا جیسا بدنِ مسیح کو ہوا ویسے ہی یہ سب چیزیں دوسرے جزءِ اُقنومِ ابن کے ساتھ بھی ہوئیں۔

اسکے قریب وہ قولِ بد ہے جو آرمینیوں کا عقیدہ ہے جسے یعقوب برذعانی (۱) نے نکالا تھا جسکی طرف مسیحیوں کا فرقہ یعقوبیہ منسوب ہے۔ انکے نزدیک لاہوت اور ناسوت میں اختلاط ایسے ہے جیسے آگ اور کوئلے میں کہ نہ وہ خالص آگ ہے نہ کوئلہ۔ ایسے ہی اختلاط کے بعد نہ لاہوت خالص رہا نہ ناسوت بلکہ تیسری شیء ہوئی۔

دسویں تنبیہ

مفہومِ عقلی کی تین اقسام:

جو مفہوم ذہن میں آئے عقلی طور پر تین اقسام میں منحصر ہے۔ ایک واجب الوجود بالذات' دوم ممتنع الوجود بالذات' سوم ممکن الوجود۔ واجب الوجود بالذات وہ ہے کہ کسی امرِ خارجی یا علت یا سبب کا لحاظ کیے بغیر صرف اُسکی ذات پر نظر کرنے سے اسکا وجود واجب ہو اور اُسکا عدم محال ہو اور یہ صرف ذاتِ الٰہی میں منحصر ہے۔ (۲) ممتنع الوجود بالذات وہ ہے کہ کسی امرِ خارجی یا علت یا سبب

(۱) یعقوب برذعانی (Jacabus Baradaeus) کے نظریات نے چھٹی صدی عیسوی میں فروغ پایا اور اسکے اثرات شام وعراق تک پہنچے۔ یعقوبی فرقہ انکی طرف منسوب ہے۔

(۲) کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کی شانِ الوہیت کا تقاضا یہ ہے کہ اُنکی ہستی ہمیشہ سے ہو ہمیشہ رہے۔ خدا کی ذات وہی ہو سکتا ہے جس پر فنا وزوال نہ آئے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمان۔ آیت ۲۶، ۲۷)

کا لحاظ کیے بغیر صرف اُسکی ذات کے لحاظ سے اُسکا عدم ضروری ہو اور کسی طرح کے وجود کی صلاحیت نہ رکھے مثلاً شریکِ باری تعالیٰ۔(۱) ممکن الوجود وہ ہے کہ اُسکی ذات پر نظر کرتے ہوئے وجود اور عدم دونوں برابر ہوں جیسے جملہ مخلوقات۔(۲) یہ دس تنبیہات کاملہ ہیں۔

خلاصہ تنبیہات:

ان تنبیہات پر نظر کرنے سے ثابت ہوا کہ مسئلہ تثلیث کے اثبات کیلئے کوئی دلیلِ عقلی مسیحیوں کے پاس نہیں اور مسیحی تینوں اُقنوموں میں امتیازِ حقیقی کہتے ہیں اور توحید اور تثلیث دونوں کو ذاتِ باری تعالیٰ میں حقیقی جانتے ہیں اور اجتماع توحید وتثلیث کے سوا دیگر اضداد مثلاً توحید وتربیع' تخمیس' تسدیس کے جمع ہونے کو مسیحی بھی محال سمجھتے ہیں اور ہر موجود چیز کو یقیناً ایک یا اس سے اوپر کوئی عدد عارض ہوگا اور اس موجود کے ضمن میں متحقق اور کثرتِ حقیقی کا معروض وحدتِ حقیقی کا معروض نہیں ہوسکتا اور ایک چیز پر ایک ہی جہت سے ایک ہی زمانے میں مختلف عدد صادق نہیں آتے۔ عقلاء کی عقل بعض چیزوں کے بداہتاً محال ہونے کا حکم کرتی ہے مثلاً اجتماعِ نقیضین کا محال ہونا یا ایک محل میں زمانہ واحد میں جہتِ واحدہ سے اضداد کا جمع ہونا۔ اور بعض چیزوں کا محال ہونا دلیلِ قطعی سے ہے مثلاً تسلسل اور دَور۔ جب دو چیزوں کا آپس میں نقیضین ہونا یا ضدین ہونا ثابت ہوا تو وہ کسی مادۂ شخصیہ میں ایک زمانہ میں ایک جہت سے جمع نہ ہونگیں۔ خدائی کا بدنِ مسیح کیساتھ جو تعلق ہے وہ آج تک اکثر مسیحیوں کے نزدیک مجہول ہے اور وہ تعلق حلول واتحاد کے علاوہ ہے۔ دنیا کی پیدائش سے لیکر حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ نبوت تک چار ہزار چار سو چونتیس برس کا عرصہ گذرا اور اس میں ہزاروں نبی ہوئے مگر خدا نے کسی نبی کی معرفت یہ مسئلہ بیان نہیں فرمایا۔ یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ سے قبل یہ سنا بھی نہ تھا حالانکہ عہدِ عتیق کی تمام کتابیں

---

(۱) خارجی دلائل ومسائل سے قطع نظر عقل سلیم اور طبع مستقیم خود تقاضا کرتی ہے کہ ذات الٰہی جل مجدہ کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہونا چاہیے۔ وہ خود اپنی ذات وصفات میں اتنی کامل بے نیاز ذات ہے کہ اُسے بیٹا کے نام سے کسی معاون کی حاجت نہیں۔

(۲) ذاتِ باری تعالیٰ کا وجود ضروری ہے کبھی فنا نہیں آسکتی۔ شریکِ باری کا عدم ضروری ہے کبھی وجود نہیں مل سکتا۔ تمام مخلوقات کبھی وجود میں آتی ہیں اور کبھی پردۂ عدم میں چلی جاتی ہیں ان میں وجود وعدم دونوں کا وقوع ممکن ہے۔

اور انکی قدیم وجدید تفسیریں اُنکے پاس تھیں جنہیں وہ پڑھتے پڑھاتے رہتے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر اب تک جو یہود مسیحی نہیں ہوئے وہ عقیدۂ تثلیث کو حکم الٰہی کے خلاف' یقینی طور پر محال اور کفر جانتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے کبھی نہیں فرمایا کہ "میں خدا ہوں" اس مسئلہ میں شروع ہی سے خاصا اختلاف ہے یونانی حکماء اور مشرقی فلاسفہ میں سے دوسیتی فرقہ نے مسیح کو ایک قوت یا ایک روح جانا کہ وہ حضرت عیسی علیہ السلام پر بپتسمہ لینے کے بعد اترا اور مصلوب ہونے سے قبل آسمان پر چڑھ گیا۔ اس بات کو اکثر اہل مصر اور اہل مشرق نے پسند کیا اور راجح قول قرار دیا۔ ابیونی فرقہ میں سے بعض نے جناب مسیح علیہ السلام کو محض آدمی کہا اور بعض نے کہا کہ روح القدس کی قوت سے پیدا کیا گیا۔ ارتیمن کا فرقہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام الوہیت میں اختلاف رکھتا تھا انکا عقیدہ یونان اور مصر کے ملکوں میں پھیلا۔ یورپ' جرمنی اور برطانیہ کے انگریز علماء وفضلاء نے بھی جناب مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا انکار کیا۔ آریوس اور اسکے معتقدین اقنوم ابن کو حادث اور مخلوق اسی طرح مقدونیین اور اسکے پیروکار روح القدس کو حادث اور مخلوق کہتے تھے۔ مسیحیت کے اور بھی کئی فرقوں نے اس قول کو مانا اور آریوس کا یہ عقیدہ سینکڑوں سال تک بڑا ہی رائج رہا۔ مسیحیوں کے نزدیک عقیدۂ تثلیث پر نجات کا مدار ہے۔ ہر مفہوم تین اقسام میں منحصر ہے واجب الوجود بالذات' ممتنع الوجود بالذات اور ممکن الوجود۔

ابطالِ تثلیث پر برہانِ اوّل

جب یہ باتیں ذہن نشین ہو گئیں تو میں کہتا ہوں کہ پہلی تنبیہ کے مطابق معلوم ہوا کہ اس عقیدہ کے اثبات کیلئے مسیحیوں کے پاس کوئی دلیل عقلی نہیں ہے اور یہ سچ ہے۔ دلیل عقلی اسکی کہاں ہو عقل تو ایسی چیزوں کے ماننے سے کوسوں دُور بھاگتی ہے بلکہ انکے باطل ہونے کا حکم کرتی ہے۔ اس لئے جب دوسری تنبیہ کے مطابق تینوں اقنوم میں امتیازِ حقیقی ثابت ہے اور یہ تینوں امور موجودہ سے ہیں بلکہ انکے اجماعی عقیدہ کے مطابق ان تینوں میں سے ہر ایک واجب الوجود' غیر معلول' ازلی' مقتدر' اللہ اور رب ہے گو مسیحی لوگ اپنے مذہبی اتفاق کا لحاظ کر کے "تین شخص" ظاہر میں نہیں کہتے

پس تیسری تنبیہ کے مطابق عددِ کثیر کا عروض اور کثرتِ حقیقی کا ہونا ضروری ہے۔ اس صورت میں خدا کو واحدِ حقیقی بھی جانو اور اُسکی وحدت کو حقیقی مانو تو بدیہی طور پر وحدت اور کثرتِ حقیقی کا جمع ہونا لازم آئیگا اور یہ تیسری اور چوتھی تنبیہ کے مطابق باطل ہے اور اس بطلان کا انکار کرنا بیوقوفی ہے۔

تثلیث فی التوحید عقلی پہلو سے:

اسی طرح جب توحید و تثلیث دونوں کو حقیقی مانا تو دوسری تنبیہ کے مطابق مختلف عدد کا جمع ہونا لازم آیا اور یہ تیسری اور چوتھی تنبیہ کے مطابق بالکل غلط ہے اور کیوں غلط نہ ہو۔

(۱) ایک کے واسطے ثلث (تہائی) پورا نہیں نکلتا اور تین کا ثلث پورا ایک ہوتا ہے۔

(۲) تین کا عددِ حقیقی تین اکائیوں کے مجموعہ سے عبارت ہے اور ایک کا عدد حقیقی اکائیوں کا مجموعہ نہیں ہوتا پس اِن دونوں کا اتحاد غیر ممکن ہے۔

(۳) ایک تین کا جز ہے اب اگر ایک تین کا عین ہو تو جز کا کُل ہونا لازم آئیگا اور اگر تین ایک عین ہو تو کُل کا جز ہونا لازم آئیگا اور اسکا باطل ہونا بدیہی ہے۔

(۴) واجب الوجود کا غیر متناہی اجزاء سے مرکب ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ جب جز کی حقیقت بعینہٖ حقیقتِ کُل ٹھہری اور کُل مرکب تھا تو جز بھی ایسے جز سے مرکب ہونا چاہیئے کہ وہ اسکا عین ہو پھر وہ بھی مرکب نکلے گا اور اسی طرح غیر متناہی سلسلہ رہیگا۔ شئے کا اجزاءِ غیر متناہی سے مرکب ہونا باطل ہے۔

(۵) جب ایک تین کا ثلث ہو اب اگر تین ایک کا عین ہو جائے تو لازم آئیگا کہ ایک اپنی ہی ذات کا ثلث ہو جائے اور اسکا محال ہونا بھی بدیہی ہے۔

مسیحیوں کی ایک نامعقول توجیہ:

یہ فرق کرنا کہ توحید و تربیع یا توحید و تخمیس یا توحید و تسدیس یا تثلیث و تخمیس وغیرہ جب حقیقی

ہوں تو ہر موقع میں انکا جمع ہونا ناممکن اور محال ہے' وحدت و کثرتِ حقیقی کا جمع ہونا اور تثلیث و توحیدِ حقیقی کا اجتماع ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا محال ہے اور باری تعالیٰ میں جائز۔ یہ تو انصاف کا خون کرنا اور خلاف بداہت چیز کو اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ جب وحدت و کثرتِ حقیقی اور مختلف اعداد کو آپس میں حقیقۃً ضد مانا تو دو چیزیں جو آپس میں حقیقی طور پر ضد اور نقیض ہوں وہ ایک ہی مادہ شخصیہ میں ایک ہی زمانہ میں ایک ہی پہلو سے کبھی جمع نہیں ہوتیں۔ جب اِن میں منافات ذاتی ہے تو انکا جمع ہونا باری تعالیٰ میں اور ممکنات میں یکساں ہے۔ اگر محال ہے تو سب جگہ محال ہے اور اگر ممکن ہے تو سب جگہ ممکن ہے اور توحید و تثلیث کا جمع ہونا یا دیگر اجتماعات میں عقلاً کوئی فرق نہیں۔ (۱)

پادری فنڈر کا رد:

صاحب ''حل الاشکال'' عبداللہ سبزواری کے نویں سوال کے جواب میں لکھتے ہیں ''اعداد آپس میں ضد ہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ زید ایک آدمی اور دو آدمی اور تین آدمی ہے لیکن اسکے باوجود بھی ذاتِ پاکِ الٰہی کی تثلیث باطل نہیں ہوتی کیونکہ خدا نہ عدد ہے نہ انسان ہے جو اعداد اور انسانوں کے برابر کیا جائے اس لئے کہ اسکی ذات اور ذات کا ذات کیساتھ تعلق اور چیز ہے اور انسان کی ذات اور اعداد کا تعلق اور شئے ہے'' انتہٰی۔ یہ جواب تو بہت ہی بعید ہے کیونکہ جب خدا تعالیٰ موجود اور واحدِ حقیقی ہوا تو تیسری تنبیہ کے مطابق ایک کے عدد کا عارض ہونا لازم آئیگا۔ جب مسیحیوں کے اعتقاد کے مطابق تینوں اقنوموں میں امتیاز حقیقی ہے جیسا کہ دوسری تنبیہ میں معلوم ہوا تو اَب تیسری تنبیہ کے مطابق تین کے عدد کا لاحق ہونا بھی ضروری ہوگا۔ اور جب ذاتِ باری تعالیٰ کیلئے ایک اور تین کے عدد حقیقی طور پر ثابت کیے جائیں وہی مذکورہ بالا خرابیاں لازم آتی ہیں۔ پس جس طرح زید میں توحید و تثلیث کا جمع ہونا مسیحیت کے نزدیک بھی ناممکن اور محال ہے اسی طرح

(۱) مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک اور چار یا ایک اور پانچ یا ایک اور چھ کا حقیقی طور پر جمع ہونا عقلاً محال ہے اسی طرح ایک اور تین کا حقیقی طور پر جمع ہو کر ''ایک'' قرار دینا بھی محال ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ مسیحیت کا یہ کہنا کہ چار ایک نہیں ہوسکتے' پانچ ایک نہیں ہوسکتے' چھ ایک نہیں ہوسکتے مگر ذاتِ باری تعالیٰ کے مسئلہ میں تین ایک ہوسکتے ہیں یہ بالکل بلا دلیل اور محض سینہ زوری ہے۔

باری تعالیٰ جل جلالہ میں بھی محال ہوگا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے وجود وعدم یا جفت وطاق کا جمع ہونا ممکنات اور واجب الوجود میں یکساں طور پر محال ہے اور مسیحیوں کا اس پر اتفاق ہے اور ذاتوں میں فرق کرنا کسی کام کا نہیں۔

ایک اور غلط تاویل:

یہ کہنا کہ یہ بات (۱) ممکنات (مخلوقات) میں محال اور واجب الوجود (اللہ جل جلالہ) میں ممکن ہے گو ہماری عقل میں نہ آئے اس سے تو پادریوں کے تمام اعتراضات بالخصوص صاحب "تحقیقِ دینِ حق" ہندو مت اور انکے اوتاروں پر جو اعتراض کرتے ہیں وہ سب اٹھ جاتے ہیں کیونکہ ہندو بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ چیزیں جنکو تم قدوسیت یا انصاف کے خلاف سمجھتے ہو حقیقت میں خلاف نہیں کیونکہ مخلوق میں اگرچہ یہ چیزیں قابل اعتراض ہوں مگر خالق میں نہیں ہیں کیونکہ "سامرتھی کو دوش نہیں" (۲) اور دونوں ذاتوں میں فرق ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اگرچہ تثلیث عقلاً درست نہیں مگر چونکہ نقلاً ہمارے دین میں ثابت ہے اس لئے ہم مانتے ہیں تو ان حضرات سے دوسرا فریق بھی یہی کہے گا کہ اگرچہ فلاں بات عقلی طور پر درست نہیں لیکن ہمارے دین میں ثابت ہے ہم تسلیم کرتے ہیں اور تمہارا اعتراض محض ہٹ دھرمی ہے۔

الوہیت اور انسانیت کا تعلق:

جب پانچویں تنبیہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بدن اور الوہیت میں جو تعلق ہے وہ حلول واتحاد کے علاوہ ہے پس وہ تعلق محض ہوگا گو اس تعلق کی پوری حقیقت ہم بخوبی دریافت نہ کر سکیں جیسا کہ روح کا جسم کیساتھ خالق کا مخلوق کیساتھ تعلق ہے یا سورج کا بدخشان کے پتھر سے تعلق ہے یا سہیل ستارہ کا تعلق یمنی چمڑے کیساتھ ہے یا اس طرح کے اور تعلقات ہیں اور یہ تعلق

---

(۱) یعنی تین کا ایک ہونا "تثلیث میں توحید کا پایا جانا۔

(۲) اس ہندی محاورہ کا لفظی مطلب ہے "طاقتور پر کوئی الزام نہیں" سامرتھی ہندی لفظ ہے جسکا مطلب ہے طاقتور۔ سامرتھیہ طاقت کو کہتے ہیں۔ دوش ہندی میں جرم والزام کو کہتے ہیں۔ مجرم کو "دوشت" اور الزام لگانے والی کو "دوشک" کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عقل وانصاف کو بالائے طاق رکھ کر ایسی نامعقول بات کہہ دے تو کون روک سکتا ہے۔

مغایرت چاہتا ہے اس لئے کہ کوئی بھی روح کو جسم کا عین نہیں کہتا۔ اسی طرح خالق کو مخلوق کا' سورج کو پتھر کا' سہیل ستارے کو یمنی چمڑے کا عین نہیں کہتے۔ اگرچہ سورج کا سنگِ بدخشانی کیساتھ تعلق بہ نسبت دیگر علاقوں کے پتھروں سے زیادہ ہے۔ اسی طرح سہیل ستارے کا تعلق یمنی چمڑے کیساتھ بہ نسبت دیگر ملکوں کے چمڑوں کے زائد تر ہے(۱) اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام اور خداتعالیٰ میں حقیقی تغایر ہوگا گو ذاتِ باری تعالیٰ کو انکے جسم سے تعلق بہ نسبت دیگر اجسام کے زائد تر ہے اور اس صورت میں امتیازِ حقیقی اٹھ گیا کیونکہ ذاتِ خداوندی جسمِ مسیح سے تعلق کے بغیر "اب" ہے اور باعتبار تعلق کے "ابن" ہے۔ اور جب امتیازِ حقیقی اٹھ گیا تو تثلیثِ حقیقی بھی جاتی رہی۔

تثلیث اور حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام:

خداتعالیٰ کی ذات وصفاتِ حقیقیہ سب وقت اور سب زمانوں میں برابر ہیں اور ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ پس اگر اس عقیدہ پر نجات موقوف ہوتی تو اللہ تعالیٰ ضرور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر حضرت مسیح علیہ السلام تک انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے اس عقیدہ کو فرض قرار دیتے حالانکہ ایسا نہیں کیا جیسا کہ چھٹی تنبیہ سے معلوم ہوا۔ بڑا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو ہزار برس قبلِ مسیح ختنہ کرنے کا حکم دیا اور بڑی تاکید فرمائی اگرچہ جناب پولوس اسکو بہت برا سمجھتے ہیں اور ختنہ کرنے والے کو ملتِ مسیحی سے خارج کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں "دیکھو میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا" (گلتیوں کے نام خط باب ۵ آیت ۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو ہزاروں احکام دیئے' اکثر احکام مثلاً تعظیم سبت اور ممانعتِ بت پرستی کی توریت میں کئی جگہ تاکید ہے اور توریت کے احکام ظاہریہ پر عمل کرنے کیلئے سینکڑوں جگہ تاکید مذکور ہے مگر اس اہم ترین بات کا

(۱) سہیل ایک مشہور ستارہ ہے جسکی ایک خاصیت یہ ہے کہ اسکی روشنی سے یمن میں عمدہ چمڑے تیار کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح افغانستان کے ایک شہر بدخشان کا پتھر جو لعل بدخشان کے نام سے مشہور ہے اسکی خوبصورتی میں سورج کا دخل ہے (بحوالہ فارسی لغات) اس گہرے تعلق کے باوجود بدخشانی پتھر اور سورج کو ایک قرار نہیں دیتے۔ اسی طرح یمنی چمڑے کو سہیل ستارے کا عین نہیں کہتے۔

ایک جگہ بھی ذکر نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلسلہ انبیاء میں ملاکی (۱) نبی تک کوئی بھی اس کو ذکر نہیں کرتا۔ یہ حضرات رات دن توریت کے احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی تاکید کرتے ہیں' اس حوالے سے بنی اسرائیل کی اپنی کتابوں میں مذمت لکھتے ہیں' انکو نصیحت کرتے ہیں' کلمہ حق کہنے اور لکھنے سے باز نہیں آتے خواہ مرتبہ شہادت پائیں یا طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں لیکن اس مسئلہ کو صراحتاً کہیں بیان نہیں کرتے نہ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں۔

تثلیث تعلیم مسیح علیہ السلام نہیں:

سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی عروج آسمانی تک کبھی صاف نہیں کہا کہ "میں خدا ہوں" اور یہ عذر کرنا بالکل لایعنی اور غلط ہے کہ اس صورت میں (۲) لوگ یہ سمجھتے کہ گویا وہ جسم کے اعتبار سے خدا ہیں۔ اس لئے کہ اگر فرمادیتے ہیں کہ میں خدا ہوں لیکن جسم ناسوتی کے اعتبار سے نہیں بلکہ جزِ لاہوتی کے اعتبار سے ہوں اور ایک ایسے تعلق سے ہوں جو میرے بدن اور باپ (خدا) کی ذات کے درمیان ہے تو یہ شبہ بالکل نہ پڑتا۔ اگر کہا جائے کہ عوام اس تعلق کو نہ سمجھتے تو یہ بات تو اب بھی ہے بلکہ عوام کا تو کیا ذکر خواص لوگ مثلاً پادریوں اور راہبوں کے حصے میں بھی اب تک "نا سمجھی" کے علاوہ کچھ نہیں۔ علاوہ ازیں اگر آپ علیہ السلام یوں فرما دیتے کہ اس جہاں میں اسکا عوام کی سمجھ میں آنا محال ہے فقط تمہیں عقیدہ رکھنا چاہیئے تو بہت ہی کھل جاتا۔ بہرحال عوام کے اعتبار سے عروج سے پہلے اور بعد کا زمانہ دونوں برابر ہیں (۳) اور

---

(۱) اردو میں "ملاکی" عربی میں "ملاخی" اور انگریزی میں "Malachi" کہتے ہیں۔ یہودی اور مسیحی حضرات انکو پیغمبر کہتے ہیں اور ان سے منسوب ایک کتاب کو "صحیفہ" قرار دیکر بائبل میں شامل کرتے ہیں لیکن انکی شخصیت' نبوت یا دیگر حالات کے متعلق کچھ نہیں بتاتے یہاں تک کہ اس بارے میں بھی شک ہے کہ آیا یہ نبی کا اپنا اصلی نام تھا یا کسی نامعلوم مصنف کے بھیجے جانے کے مقصد کو دکھانے کیلئے محض ایک لقب ہے۔ لکھتے ہیں "نبی کی شخصی زندگی کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے لیکن مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ انکی یہ کتاب خالص خدا کا کلام ہے" (ہماری کتب مقدسہ' مصنفہ پادری جی۔ٹی۔ مینلی ومعاونین' ص ۲۵۱' مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور' ۱۹۹۸ء)

(۲) یعنی اگر حضرت مسیح علیہ السلام صاف دوٹوک لفظوں میں لوگوں سے کہتے کہ میں خدا ہوں تو

(۳) انکو حضرت عیسیٰ کے رفع آسمانی سے پہلے بھی یہ مسئلہ سمجھ نہ آیا اور آج تک نہ سمجھ سکے بلکہ خواص کا بھی یہی حال ہے۔

حواریوں کو تو عروج سے پہلے یہ مسئلہ سمجھنے کی استعداد تھی کیونکہ وہ روح القدس سے فیض یاب ہو چکے تھے۔(۱)

عقیدۂ تثلیث مختلف فیہ ہے:

چونکہ تثلیثِ حقیقی ذاتِ الٰہی میں عقلاً بالکل باطل ہے اور نقلاً سوائے آیاتِ متشابہات کے کوئی اصلی دلیل نہیں اس لئے مسیحیوں کے اکثر اہلِ علم وعقل نے صاف اسکا انکار کیا ہے حالانکہ وہ مسیحی تھے اور اسی بائبل کو مانتے تھے جیسے اکثر یونانی حکماء، مشرقی فلاسفہ، انگریز، جرمن اسکالرز اور دیگر مغربی اقوام کے زعماء۔ انکے انکار کو مصر اور مشرق کے اکثر ممالک نے قبول کیا تھا۔ آریوس اور اسکے معتقدین اقنوم ابن کو حادث ومخلوق بتاتے ہیں۔ اسی طرح مقدوسین اور انکے پیروکار اقنومِ روح القدس کو حادث اور مخلوق بتاتے ہیں۔ اب بھی اکثر مسیحی جو جدید علوم سے شغف رکھتے ہیں اور تقلید میں گرفتار نہیں وہ مسئلہ تثلیث کو "اجتہادی" سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی منصوصات میں سے نہیں ہے۔(۲)

ایک شبہ کا ازالہ:

ان حکماء اور فلاسفہ کے بارے میں یہ خیال بالکل بے اصل ہے کہ انہوں نے مسیحیت کو بلاتحقیق قبول کرلیا تھا جیسا کہ ولیم میور صاحب نے لکھا ہے کیونکہ حکماء وفلاسفہ جیسے لوگ مذہب

---

(۱) جیسا کہ یوحنا باب ۲۰ آیت ۲۲ میں اسکی صراحت ہے۔ اسکے علاوہ مرقس باب ۱۳ آیت ۱۱، لوقا باب ۱۲ آیت ۱۲، رسولوں کے اعمال باب ۱ آیت ۷ اور دیگر بہت سے مقامات پر اسکا ذکر ملتا ہے۔ لہٰذا اُن میں اس عقیدہ کو سمجھنے کی پوری استعداد تھی لیکن حضرت مسیح علیہ السلام نے اُنکے سامنے بھی اپنے خدا ہونے کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ لوگ تو "توما رسول" کے قول "اے میرے خداوند! اے میرے خدا!" (یوحنا باب ۲۰ آیت ۲۸) کو حقیقی معنوں پر محمول کر کے دلیل پکڑتے ہیں کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا سمجھتا تھا۔ اب یہ کہنا کیسے درست ہے کہ لوگ اس عقیدہ کے فہم وادراک کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اس وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام نے اُنکے سامنے صاف لفظوں میں یہ عقیدہ بیان نہ فرمایا؟ الغرض یہ عذر لنگ قطعاً قابلِ التفات نہیں۔

(۲) یعنی اس مسئلہ پر حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی صریح ارشاد یا حکم ثابت نہیں ہے بلکہ کئی زمانوں بعد مختلف پادریوں، عقیدہ ساز کونسلوں اور حکمرانوں کی کاوشوں سے یہ نظریات وجود میں آئے ہیں۔ مسیحی لٹریچر میں اسکا مفصل ذکر آیا ہے۔

جیسی اہم چیز کو اپنے باپ دادوں کا راستہ چھوڑ کر بلا تحقیق کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ ہاں البتہ یہ سچ ہے کہ اکثر مسیحی جو کروڑوں کی تعداد کو پہنچے ہونگے اندھی تقلید میں مبتلا ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا وہ ان چند غریبوں کو سچے مسیحی نہیں مانتے اور انہیں کافر کہتے ہیں۔ بعض ثقہ عیسائیوں نے جو مسیحی کتب دینیات میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں مجھے بتایا کہ ایک مسیحی عالم نے انجیل کا اصل یونانی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس میں وہ ثابت کرتا ہے کہ اصل انجیل میں کوئی آیت ایسی نہیں جس سے حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت یا تثلیث کا کوئی اشارہ ملتا ہو۔ یہ الوہیت کا اعتقاد رکھنے والے مسیحی حضرات کی من گھڑت باتیں ہیں۔ مگر وہ مترجم انکے نزدیک پورا مسیحی نہ تھا بلکہ اس پر الزام دیتے ہیں کہ اسکا اسلام کی طرف میلان تھا واللہ اعلم۔(۱)

مسیحی دلائل کا تجزیہ:

مسیحیوں کا اجماعی عقیدہ اور انکے علماء کے اقوال جو نویں تنبیہ میں مذکور ہوئے عجیب قابل تماشا ہیں۔ انکا حال سنیئے! انکا قول "ایک خدا کا تثلیث میں اعتقاد الخ" یہی عقیدہ باعث شرک ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوجائیگا۔ انکا قول کہ "تین کو تین شخص الخ" جب تینوں اقنوم میں امتیاز حقیقی

(۱) مسیحیت کے بہت سے مصلحین اسی فکر کے حامل رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول تھے ان میں سے کئی ایک نے کفارہ و تصلیب کا بھی انکار کیا ہے۔ اور بعض نے اس اصلاحی جدوجہد پر کلیسیا کی طرف سے مصائب بھی اٹھائے ہیں مثلاً آدم نیوسر (Adam Neuser) نامی پادری جب اس سوچ کی وجہ سے اسلام کے کافی قریب ہوگئے تو انکے مخالف عیسائی پادری انکے قتل پر تل گئے چنانچہ انکی اذیتوں سے بچنے کیلئے انہوں نے مسلمان بادشاہ سلطان سلیم ثانی سے مذہبی وسیاسی پناہ حاصل کی۔ اسی طرح سترہویں صدی میں جان بڈل (John Biddle) (م ۱۶۶۲ء) نے روح القدس کی "خدائی" کی تردید میں اپنی مشہور کتاب Twelve Arguments لکھی۔ اٹھارویں صدی میں لنڈسے (Lindsay) اور انکے حامی اسی طرح انیسویں صدی میں چیننگ (Channing) کے پیروکار عقیدۂ تثلیث کیخلاف سرگرم عمل رہے۔ مؤخر الذکر نے عقیدۂ کفارہ کی بھی شدت سے مخالفت کی۔ اُسکا اعلان تھا کہ

The Scriptures, when reasonably interpreted, teach the doctrine held by the Unitarians.

{E.M.Wilbur:A History of Unitariansm.,p.424.}

"بائبل کو درست طریقے سے سمجھا اور سمجھایا جائے تو وہ موحدین ہی کی تائید کرے گی"

ہوتو تین شخص جدا جدا سمجھے گئے اس لئے کہ ذات میں بغیر تشخص کے امتیازِ خارجی نہیں ہوسکتا پھر تین شخص نہ ماننا محض تقلید ہے اور بس اور جہالتِ ابدی کا ذریعہ رہیگا۔ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالسلطنت لندن ۱۸۱۸ء صفحہ انتیس پر لکھا ہے ''اے مقدس' مبارک اور عالی شان جو تینوں ایک ہو یعنی تین شخص اور ایک خدا ہم پریشان گناہ گاروں پر رحم کر۔ اے مقدس' مبارک اور عالی شان تینوں جو ایک ہو یعنی تین شخص اور ایک خدا! ہم پریشان گناہ گاروں پر رحم کر۔'' انتہٰی بلفظہٖ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ انکار محض ایک ظاہری دھوکہ ہے ورنہ عیسائی اپنی عبادات میں اقانیم ثلثہ پر تین شخصوں کا اطلاق کرتے ہیں۔ اور ''جنس'' سے اہلِ منطق کی اصطلاح تو مراد نہیں کہ ان اقانیم میں سے ہر ایک کا نوع یا فصل یا خاصہ یا عرضِ عام ہونا لازم آئے حالانکہ یہ انکے نزدیک بھی باطل ہے پس لامحالہ اس سے مراد محض مفہوم کلی ہے اور معنی یہ ہیں کہ ان تینوں کو علیحدہ علیحدہ تین جزئیات یا جدا جدا تین کلیات نہ سمجھیں اور یہ تو بالکل دیوانے کی بڑ ہے۔ اس لئے کہ جو بھی مفہوم ہے وہ کلی اور جزئی میں منحصر ہے اور بلا شبہ ہر اقنوم کا مفہوم یہی مفہوم کہلاتا ہے پس جب دونوں سے خارج ہوا تو وہ کیا ٹھہریگا۔(۱) انکا قول ''اس لئے الخ'' یہ تو ایک ناممکن چیز پر استدلال کی بنیاد رکھنا ہے(۲) عوام کے قریب الفہم اسکی مثال یہ ہے کہ اوّلاً کوئی شخص دعویٰ کرے کہ فلاں درخت آدمی ہے پھر یہ

---

(۱) جو شئے بھی ذہن میں آتی ہے اسے مفہوم کہتے ہیں یعنی سوچا ہوا' خیال کیا ہوا' سمجھا ہوا۔ مفہوم کی دو قسمیں ہیں کلی اور جزئی۔ جزئی وہ مفہوم ہے جو شئے معین پر صادق آئے یعنی اس میں شرکت نہ ہوسکے۔ عقل کثیر افراد پر اسکے اطلاق کو جائز قرار نہ دے جیسے زید ایک خاص شخص کا نام ہے۔ کلی وہ مفہوم ہے جو کئی چیزوں پر صادق آئے یعنی اسمیں شرکت ہوسکے جیسے انسان کہ زید' عمرو' بکر ان سب کو انسان کہنا صحیح ہے۔ کلی جن چیزوں پر بولی جاتی ہے وہ اسکے جزئیات اور افراد کہلاتے ہیں جیسے انسان کے افراد زید' عمرو' بکر وغیرہ ہیں۔ حیوان کی جزئیات انسان' بکری' بیل وغیرہ ہیں۔ کلی کی دو قسمیں ہیں ذاتی اور عرضی۔ کلی ذاتی کی تین قسمیں ہیں جنس' نوع' فصل۔ کلی عرضی کی دو قسمیں ہیں خاصہ' عرضِ عام۔ انکی تفصیلات میں جائے بغیر بھی اتنی بات واضح ہے کہ کوئی بھی مفہوم عقلی دو حالتوں سے خالی نہیں یا کلی ہوگا یا جزئی ہوگا۔ اب یہ کہنا کہ اقانیم ثلثہ کے مفہوم نہ تین جزئیات ہیں نہ کلیات ہیں یہ تو بالکل مجنونانہ بات ہے۔

(۲) یعنی ایک ممتنع اور ناممکن چیز کا وجود فرض کرلیا جائے پھر اسکی بنیاد پر استدلال قائم کیا جائے ظاہر ہے کہ یہ محال ہی رہیگا۔ اسے علم کلام کی اصطلاح میں "بناء الفاسد علی الفاسد" کہتے ہیں کہ ایک غلط چیز پر دوسری چیز کی بنیاد رکھی جائے تو وہ بھی غلط ہی ہوگی۔

کہے اس لئے کہ اسکی دم شیر کی سی ہے' گردن اونٹ کی سی ہے' کان اور سونڈ ہاتھی کی سی دکھائی دیتی ہے۔ لوگو خدا کیلئے دیکھو! یہ عقل مند پادری لوگ کیسی عمدہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہر حرف اسکا مدعا پر ناطق ہے؟ اس استدلال کا پس منظر یہ ہے کہ جب رومیوں کو مسیحیت کی طرف دعوت دی گئی تو وہاں کے سمجھدار لوگ جو موحد تھے' اسی طرح انکے معتقدین بھی تعدد خدا کی بات سننے سے گھبراتے تھے لہٰذا یہ دلیل گھڑی گئی تاکہ توحید ظاہری سن کر عوام کی نفرت کم ہو(۱) اکثر یونانی حکماء جنہوں نے مسیحیت کو قبول کیا تاہم تثلیث کا انکار کیا جیسا کہ آٹھویں تنبیہ میں گذرا۔

تثلیث پر پادریوں کے عقلی دلائل:

کبھی پادری لوگ جاہلوں کو مغالطہ میں ڈالتے ہوئے عقلی مثالوں سے بھی سمجھاتے ہیں۔ جواد بن ساباط لکھتے ہیں کہ "میں نے پادری کیاروس سے مسئلہ تثلیث کی دلیل پوچھی؟ کہنے لگا مثلث کی تین لکیریں برابر ہوتی ہیں اور "ایک" مثلث کہلاتی ہے حالانکہ اُسکی تین لکیریں ہوتی ہیں۔ میں نے کہا سچ ہے لیکن ہر لکیر کو اس مثلث کا عین اور برابر نہیں کہہ سکتے کیونکہ مثلث تین لکیروں' تین کونوں کا مجموعہ ہے مگر ہر لکیر تین لکیروں اور تین کونوں والی نہیں۔ کہنے لگا جاہلوں کے سمجھانے کو یہی کافی ہے اور اہلِ علم پر یہ بھید ریاضتِ کاملہ کے بغیر نہیں کھلتا" انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مثال بالکل لچر اور فضول ہے ورنہ تو دوسرے شخص کیلئے ممکن ہے کہ دعویٰ کرے کہ توحید فی التربیع اور تربیع فی التوحید ثابت ہے(۲) اور حضرت مریمؑ کو چوتھا خدا ٹھہرائے اور دلیل دیتے ہوئے ایک مربع شکل کھینچ کر کہے کہ مربع چار لکیروں کا "ایک" مربع کہلاتا ہے حالانکہ اسکی لکیریں چار ہیں(۳)

---

(۱) یعنی اگر کھلے لفظوں میں یہ عقیدہ بتایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ خدا ہے' مسیح خدا ہے' روح القدس خدا ہے تو یہ تو کئی خدا اور واجب الوجود ہو گئے توحید بالکل باقی نہ رہی۔ لہٰذا یہ کہا گیا کہ یہ تینوں ملکر "ایک" خدا ہے۔ اس طرح تثلیث میں توحید ہے اور توحید میں تثلیث ہے یعنی تین ایک ہیں اور ایک تین ہیں تاکہ لوگ اسے قبول کرلیں۔

(۲) یعنی چار ایک ہیں اور ایک چار ہے۔

(۳) اس طرح تو مریمؑ مقدسہ کی الوہیت بھی ثابت ہو جائیگی جیسا کہ کئی مسیحی فرقے اُنکو خدا کی "ماں" قرار دیکر مستقل پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ بحوالہ "عیسائیوں کی بت پرستی" مؤلفہ محمد اسلم رانا' مطبوعہ اسلامی مشن سنت نگر لاہور"

بلکہ کوئی شخص حضرت مسیح علیہ السلام کیساتھ بارہ حواریوں کے خدا ہونے کا دعویٰ کرے اور ایک شکل ذوثلثہ عشر اضلاع (تیرہ کونوں والی شکل) بنائے تیرہ لکیریں برابر کھینچ کر کہے کہ دیکھو یہ شکل ذوثلثہ عشر اضلاع ''ایک'' شکل کہلاتی ہے حالانکہ اسکی لکیریں تیرہ ہیں تو یہ دلیل پیش کرنا بھی ممکن ہے۔(۱) رہا ریاضتِ کاملہ کا ذکر تو وہ محض عوام کو دھوکہ دینے کیلئے ہے ورنہ مسیحی مذہب میں کونسی عبادت شاقہ ہے جسکا کرنا مشکل ہے۔ روزہ جسکا رکھنا نفس پر کچھ ناگوار ہو اس مذہب میں صرف ایک دن کا ہے۔ ولیم میور صاحب اپنی کتاب کے حصہ اول باب سوم شق نمبر ۱۵ کے تحت لکھتے ہیں ''اس زمانہ میں مسیحی ایک روزہ یعنی یسوع مسیح کے مصلوب ہونے کے دن رکھتے تھے۔ اب جو بہت زیادہ روزے بڑھ گئے سو پچھلے زمانہ کا بے ہودہ کام ہے'' انتہی (۲) علاوہ ازیں ہندو بھی کہہ سکتے ہیں کہ راما اور کنہیا کی خدائی کے احوال تب پورے ثابت ہوں کہ جب کوئی ہندو پہلے کی سی کامل ریاضت کرے۔(۳)

پادری ولیم سے مکالمہ:

''خلاصہ صولت الضیغم'' کے مؤلف لکھتے ہیں کہ ''میں نے پادری ولیم سے تثلیث کے متعلق پوچھا۔ بولے جس طرح انسان تین چیزوں سے مرکب ہے یعنی جسم' روح' حیات اور باوجود تین کے ''ایک'' ہے اسی طرح تین خدا ملکر ''ایک'' ہی ہے یعنی باپ' بیٹا' روح القدس تین ہیں اور تینوں ملکر ''ایک خدا'' ہیں۔ میں نے کہا پہلا جواب یہ ہے کہ مرکب جز کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہو خدا

(۱) مطلب یہ ہے کہ اس طرح تو حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ ساتھ بارہ حواریوں کی الوہیت بھی ثابت ہو جائیگی۔

(۲) مسیحی مذہب میں چشمہ' نغمہ خوانی' عشاءِ ربانی جیسی چند عبادات اور ریاضتیں ہیں۔ پولوس نے آزادئ فکر و عمل کا ایسا عام راستہ کھولا ہے اور اباحیت عامہ کا پرچار کیا ہے کہ صرف مسیح کے کفارہ وصلیب پر ایمان لانے کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں (طِطُس کے نام خط باب ا آیت ۱۵) اسکا کہنا ہے کہ ''مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا'' (گلتیوں کے نام خط باب ۳ آیت ۱۳) شریعت واحکام سے چھٹکارا ملنے کے بعد کونسی ریاضت ہوگی جس سے یہ بھید کھلیں گے؟

(۳) ہندومت کے ان معبودوں' اوتاروں اور مجسم خداؤں کے متعلق معلومات کیلئے ملاحظہ ہو تحفۃ الہند' مؤلفہ مولانا محمد عبیداللہ سابق اننت رام' مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ لسبیلہ چوک کراچی۔

ہونے کے لائق نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جو مرکب ہوتا ہے وہ حادث وفانی ہوتا ہے لہٰذا قدیم نہ ہوگا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ انسان تین چیزوں سے مرکب ہے اگر ان تینوں میں سے ایک الگ ہو جائے تو باقی بے کار رہ جائیں کیونکہ اگر حیات نہ ہو تو بدن خاک ہے اور بدن نہ ہو تو روح بھی وہ کام جو مختص بالبدن ہیں نہیں کر سکتی اور روح نہ ہو تو بدن وحیات دونوں بے کار ہو جائیں۔ پس اگر خدا تین اقنوم سے مرکب ہو اور بیٹے کا اقنوم اس مرکب سے الگ ہو کر دنیا میں آدمی بن کر مجسم ہو کر بود و باش کرے (۱) تو وہ دونوں فرد بے کار ہو جائیں گے۔ جب بیٹے کا فرد باپ سے جا ملے اور روح کا فرد الگ ہو کر دنیا میں آئے حواریوں نصرانیوں کیساتھ بود و باش کرے (۲) تو باپ بیٹا دونوں فرد بے روح بے کار ہو جائیں۔ لہٰذا ذاتِ خدا کا ناقص، معزول اور معطل ہونا لازم آتا ہے وتعالی اللّٰہ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا (۳) چوتھا جواب یہ ہے کہ اصولی مسئلہ وعقیدہ مثالوں سے ثابت نہیں ہو سکتا اور محسوسات پر معقولات کا قیاس کرنا سہل نہیں بیٹھتا" انتہٰی (۴)

---

(۱) جیسا کہ مسیحیوں کا کہنا ہے کہ خدا خود یسوع مسیح کی شکل میں مجسم ہو کر دنیا میں آیا، دکھ اٹھائے پھر انسانیت کے گناہوں کا بوجھ اٹھا کر پھانسی چڑھ گیا اور ملعون ہوا (نعوذ باللہ) تا کہ گناہ کا کفارہ ہو جائے اور نجات و مخلصی کا ذریعہ بنے۔

(۲) جیسا کہ عید پنتکست کے دن ان شاگردانِ مسیح پر روح کا نزول ہوا (اعمال باب ۲) اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد دیگر کئی مواقع پر بھی یہ حضرات روح القدس سے فیض یاب ہوئے۔

(۳) آیت قرآنی (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۴۳) سے تلمیح ہے مطلب ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ اس پر ان نقائص کا ورود ہو وہ تو ہر عیب سے پاک ہے۔

(۴) مسیحی حضرات اس عقیدہ کے اثبات کیلئے کبھی تکون (Triangle) سے استدلال کرتے ہیں کہ مثلث ایک ہوتی ہے مگر کونے تین ہیں۔ کبھی انڈے کی مثال دیکر سمجھاتے ہیں کہ انڈے میں ایک زردی ہوتی ہے ایک سفیدی ہوتی ہے اور ایک خول ہوتا ہے مگر انڈہ "ایک" ہے۔ کبھی انسان کی مثال پیش کرتے ہیں کہ وہ تین چیزوں جسم، روح، حیات سے مرکب ہے مگر تین کے باوجود ایک ہی ہے۔ ۲۹ دسمبر ۲۰۰۶ء بمقام ڈیفنس کراچی میں ہماری ایک پادری صاحب سے گفتگو ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہے اور میں نے اس پر بہت سٹڈی (Study) کیا ہے اور مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے پادری صاحبان عیسائی تقریبات کے موقعہ پر ٹی وی پہ آ کر ادھر ادھر کی ہانکتے ہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ کی تحقیق کیا ہے؟ کہنے لگے میں نے اس تحقیق کے سلسلہ میں بہت سے ڈاکٹروں سے بھی رائے لی ہے (ماشاء اللہ عقیدہ کے اثبات میں ڈاکٹر حضرات کی آراء کا بھی دخل ہے) میری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ انسان میں تین زندہ چیزیں ہیں بدن، خون، کلام۔ خدا بدن رکھتا ہے، خون زندگی رکھتا ہے، کلام سے مراد بولنا نہیں بلکہ منصوبہ بندی کرنا ہے، روح کا (باقی اگلے صفحہ پر.............

اجزاءِ تثلیث پر مفصل بحث

اب مذکورہ عقیدہ کے مقدمات اور دلائل کے حصوں کو کان لگا کر سنیئے! انکا قول کہ ''تینوں واجب الوجود ہیں'' جب تینوں واجب الوجود ہوئے اور ان تینوں میں امتیازِ حقیقی کا ہونا ان لوگوں کے نزدیک طے شدہ ہے تو اب ان تینوں پر واجب الوجود کا اطلاق بطور حقیقت ہے یا مجاز؟ اگر بطور حقیقت ہے اور یہی انکا بظاہر مذہب معلوم ہوتا ہے تو یہ ایسی مثال ہے کہ کلی کا اطلاق اپنے افراد پر ہو۔ بتلایئے اس صورت میں شرک کی کونسی کسر باقی رہ گئی؟ کیونکہ واجب الوجود کے تین افراد اور اشخاص ثابت ہو گئے اور توحید بالکل اڑ گئی۔ اور یہ اقوال ''بلکہ غیر معلول ایک' غیر محدود ایک' ازلی ایک' قدرت والا ایک بلکہ ایک اللہ اور ایک رب'' بالکل غلط ٹھہرے۔ اسی طرح انکا یہ قول کہ ''بیٹا فقط باپ سے صادر ہوا ولادت میں' روح القدس باپ اور بیٹے سے ایجاد میں'' غلط ٹھہرا کیونکہ واجب الوجود بالذات اپنے غیر سے صادر نہیں ہوتا۔ ہاں مگر انکا یہ قول کہ ''اجماعِ مذہب کا لحاظ کر کے تین الٰہ یا تین رب نہیں کہہ سکتے'' بالکل صحیح نکلا۔ یہ اس اعتبار سے کہ اگرچہ حقیقت میں تین شخص واجب الوجود تو ہیں مگر ہم فقط اجماع مذہب کا لحاظ کر کے گو وہ اجماع غلط ہی سہی تین نہیں کہتے اور تقلید آباء میں گرفتار رہتے ہیں۔ اگر ان تینوں پر واجب الوجود کا اطلاق بطور مجاز ہو تو معنی حقیقی و مجازی میں کوئی مناسبت کا تعلق ہونا چاہیئے۔ اب وہ تعلق کلیت و جزئیت کا ہوگا جیسے کہ کرسی کا اطلاق تختوں پر یا کوئی اور تعلق ہوگا۔ پہلی صورت میں تینوں اقنوم واجب الوجود کا عین نہ ہوئے بلکہ جز ٹھہرے کیونکہ جز اور کل میں تغایر کا ہونا بدیہی سی بات ہے لیکن یہ صورت مسیحیوں کے نزدیک بھی

.........مقام دماغ ہے۔ تین زندہ چیزوں کے باوجود انسان ایک ہی ہے۔ قارئین! غور فرمایئے یہ تحقیق کیسی ہے؟ جب ہم نے سوال کیا کہ بائبل میں اس عقیدہ کا کوئی واضح ذکر نہیں تو کہنے لگے کہ اسکی ضرورت نہیں۔ ہم نے کہا کہ اگر بائبل میں ''الہام خداوند کا کلام'' کے نام سے فحش مواد درج ہو سکتا ہے تو عقیدہ کی وضاحت کیوں نہیں کی جا سکتی؟ پوچھنے لگے کہ بائبل میں کونسا فحش مواد ہے؟ ہم نے صحیفہ حزقی ایل باب ۲۳ پیش کیا۔ پادری صاحب نے جواباً کہا کہ اس میں تو سب سے زیادہ روحانیت ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اس روحانیت کو چکھنے کیلئے حزقی ایل باب ۲۳' غزل الغزلات (نشید الانشید) باب ۲'۴' روت باب ۳ ضرور پڑھیں۔

باطل ہے۔ دوسری صورت میں حلول واتحاد والے تعلق کا تو وہ خود انکار کرتے ہیں اب کوئی اور تعلق ہوگا بہر حال اس صورت میں بھی تغایر لازم آئیگا جیسا کہ اوپر گذرا۔ انکا یہ قول کہ "جلال میں مشابہ اور ماہیت میں ایک دوسرے کی مانند ہیں" ماہیت میں مشابہ اور مماثل ہونا تغایر کا تقاضا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں یوں کہتے ہیں کہ اسکی ماہیت اُسکی ماہیت کے مانند ہے یا وہ دو چیزیں اوصاف میں مشابہ ہیں تو وہاں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ اس سے قطع نظر جلال میں مشابہ ہونا بھی غلط ہے کیونکہ یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۸ میں جناب مسیح علیہ السلام کا ارشاد یوں ہے "باپ مجھ سے بڑا ہے" اس سے اقنوم ابن کے جلال کی کمی صاف معلوم ہوتی ہے(۱)

(۱) مسیحیت کا دعویٰ تو یہ تھا کہ اقانیم ثلثہ (باپ بیٹا روح القدس) جلال وکمال قدرت واختیار میں ایک دوسرے کی مانند ہیں حالانکہ یہ دعویٰ غلط ہے چونکہ انجیل یوحنا کے مذکورہ بالا حوالہ میں حضرت مسیح علیہ السلام صاف ارشاد فرما رہے ہیں کہ "باپ مجھ سے بڑا ہے" یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا مرتبہ مجھ سے بڑھ کر ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ علم وقدرت کا وہ مقام نہ رکھتے تھے جو اللہ جل جلالہ کو حاصل ہے جیسا کہ انکے متعلق انجیل مرقس باب ۱۱ آیت ۱۲ میں ایک واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ "دوسرے دن جب وہ بیت عنیاہ سے نکلے تو اسے بھوک لگی۔ اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا کہ شاید اس میں کچھ پائے۔ مگر جب اسکے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا۔ اس نے اس سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے اور اسکے شاگردوں نے سنا" (یہی واقعہ انجیل متی باب ۲۱ آیت ۱۹ میں بھی کچھ تضاد کیساتھ آیا ہے) غور فرمایئے! یہاں کئی چیزیں قابل توجہ ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایسے خدا تھے کہ انہیں بھوک لگتی تھی اور وہ بھوک سے بے تاب ہو کر درخت کا بے موسم پھل ڈھونڈتے تھے۔ اسی طرح انکو پیاس بھی لگتی تھی (یوحنا باب ۱۹ آیت ۲۸) جو کھانے پینے کا محتاج ہوتا ہے وہ بے شمار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔ جس ہستی کیساتھ طرح طرح کی کمزوریاں اور ضرورتیں لگی ہوں وہ خدا وبے نیاز کیسے ہو سکتا ہے؟ سر سے لیکر پاؤں تک ہر اعتبار سے انسان شخصیت کو خدا کہنا عجیب وغریب حماقت' جہالت ہے اور عقل انسانی کی توہین ہے۔ صرف ذہنی بیمار ہی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ "یسوع خدا اور انسان دونوں تھا اور بے وہ تمام الٰہی صفات' بشری خصائص رکھتا تھا۔ اسکی الوہیت جسمانی بدن میں چھپی ہوئی تھی۔ کبھی ایسا لمحہ نہیں آیا کہ وہ کامل خدا نہ ہو" قرآن مجید کس خوبی کیساتھ حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ (المائدہ آیت ۷۵) "مسیح ابن مریم تو صرف (خدا کے) پیغمبر تھے۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور انکی ماں ایک ولیہ (پاکدامن' راستباز' نیک بندی) تھیں۔ وہ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے دیکھو ہم کس طرح صاف صاف دلائل انکے سامنے بیان کر رہے ہیں اور انکو دیکھو کہ یہ کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں۔" دوسری بات یہ ہے کہ (باقی اگلے صفحہ پر..........

بیٹا ازلی نہیں حادث ہے:

انکا یہ قول کہ ”بیٹے کی کوئی علت نہیں اور روح القدس کی کوئی علت نہیں“ یہ انکے اس قول کے صاف منافی ہے کہ ”بیٹا فقط باپ سے صادر الخ“ جیسا کہ آگے آتا ہے۔ انکا یہ قول کہ ”نہ اس

........حضرت مسیح علیہ السلام ایسے خدا تھے جو ایک اہم ترین خدائی صفت ”علم کامل محیط“ نہ رکھتے تھے۔ سچے خدا کی شان یہ ہے کہ وہ ہر پوشیدہ وظاہر بات بلکہ دلوں کے بھید اور آنکھوں کی خیانت سے بھی باخبر ہے۔ غیب کی ہر چیز اسکے ہاں مسعود و شہود کے درجے میں ہے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیگر نبیوں اور رسولوں کی طرح قیامت کی گھڑی کے متعلق اپنی ناواقفیت ظاہر کرتے ہیں (مرقس باب ۱۳ آیت ۳۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بارہ حواریوں کیلئے خوشخبری دیتے ہوئے پیشگوئی کرتے ہیں ”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لیے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے“ (متی باب ۱۹ آیت ۲۸) حالانکہ ان بارہ میں یہوداہ اسکریوتی جیسا غدار منافق بھی شامل تھا جس نے تیس روپے کے عوض انہیں پکڑوا دیا (متی باب ۱۰ آیت ۴ مرقس باب ۳ آیت ۱۹) اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرح علیم کل اور عالم الغیب ہوتے تو وہ اس بدمعاش بدانجام شخص کو اتنا بڑا اعزاز نہ دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انکا علم ایک انسان کی طرح محدود تھا اور مذکورہ بالا واقعہ میں وہ انجیر کے موسم تک سے بے خبر ہیں اور بلاوجہ درخت جیسی بے شعور چیز پر غصہ اتارتے ہیں بددعا دیتے ہوئے لعنت کرتے ہیں۔ اس واقعہ کی تفسیر کرتے ہوئے ایک فاضل مسیحی مفسر کی پریشانی اور بے بسی کا اندازہ لگایئے فرماتے ہیں ”یہاں ایک بہت بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ خداوند نے اس درخت پر پھل نہ ملنے کی وجہ سے لعنت کی جبکہ واضح طور پر یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ”کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا“ اس طرح نجات دہندہ غیر معقول حرکت کا مرتکب اور بدمزاج نظر آتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے۔ لیکن ہم ان عجیب و غریب واقعات یا حالات کی کیا توجیہ پیش کر سکتے ہیں؟........ یہ واحد معجزہ ہے کہ جس میں مسیح نے برکت دینے کی بجائے لعنت کی اور زندگی کو بحال کرنے کی بجائے ہلاک کر دیا۔ یہ بات ایک بڑا مسئلہ بن گئی ہے۔ لیکن اس قسم کی تنقید سے مسیح کی ذات کے بارے میں بے علمی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ خدا ہے اور کائنات پر اختیار کلی رکھتا ہے۔ اس کے بعض کام ہمارے لئے نہایت پر اسرار ہیں۔ لیکن ہمیں اس یقین کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیئے کہ اس کے سارے کام درست ہوتے ہیں“ (تفسیر ولیم میکڈونلڈ۔ جلد اول۔ ص ۳۵۲،۲۰۸ مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور ۲۰۰۲ء) جب حضرت مسیح علیہ السلام خدا ہیں اور کائنات پر کلی اختیار رکھتے ہیں تو وہ اپنی قدرت کا ظہور یوں بھی کر سکتے تھے کہ بے چارے درخت کو دعا دے دیتے وہ بطور معجزہ پھل لے آتا۔ آنجناب خود بھی بھوک مٹا لیتے دوسروں کے بھی کام آتا۔ اگر آپ خدا ہیں تو خدا کا کام تو برکتیں بانٹنا ہے اگر آپ رسول ہیں تو اسکے تو قدم قدم پر نزول رحمت ہوتا ہے لیکن یہاں وہ لعنت کرتے ہیں اور اس درخت سے لوگوں کو ہمیشہ کیلئے محروم کر دیتے ہیں حالانکہ اس بات کا قوی امکان تھا کہ موسم آنے پر وہ درخت ضرور پھل دیتا۔ مگر قارئین کو مفسر علام کی ہدایت کے مطابق یقین کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیئے اور سب کاموں کو ”درست“ سمجھنا چاہیئے۔

طرح کہ قدرت والے تین ہوں' نہ اس طرح کہ تین الہٰ ہوں' نہ اس طرح کہ تین رب ہوں'' اگر تینوں اقنوموں میں امتیازِ حقیقی ہے اور ہر ایک واجب الوجود' ازلی' غیر محدود' غیر معلول' قدرت والا' الہٰ اور رب ہو تو بلا شبہ ازلی تین ہونگے' غیر محدود بھی تین' قدرت والے بھی تین' الہٰ بھی تین اور رب بھی تین ہونگے اور یہ قول ''بلکہ ایک غیر معلول'' محض دھوکے کی ٹٹی ہوگی اور بس۔ علاوہ ازیں اگر اِن صورتوں میں بھی یہی ایک حقیقی خدا ہو تو چاہیئے کہ باپ کا اطلاق بیٹے اور روح القدس پر نیز اسکا عکس صحیح ہو اور یوں کہنا بھی صحیح ہو کہ باپ نے یا روح القدس نے جسمِ مسیح سے تعلق پکڑا اور انکا مجموعہ ''مسیح'' ہوا۔ اسی طرح روح القدس یا بیٹا باپ کو نیکوں کے دل صاف کرنے کیلئے بھیجتے ہیں۔ انکا قول کہ ''اجماعِ مذہب کا لحاظ کر کے تین الہٰ یا تین رب نہیں کہہ سکتے'' یہ سچ ہے کہ محض باپ دادا کی اتباع وتقلید کرتے ہیں جیسے اہلِ عرب کہتے تھے بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا(۱) گویا اجماع کیسا ہی ہو۔ علاوہ ازیں وحدتِ حقیقی ہونے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ باپ (خدا) بھی بیٹے (مسیح) جیسا ہو اور لازم آتا ہے کہ بیٹا اپنے آپ سے نکلے کیونکہ جب بیٹا باپ سے صادر ہوا اور باپ بیٹے کا عین ہے تو بیٹے کا صدور اپنی ہی ذات سے ہوا۔ اسی طرح لازم آتا ہے کہ روح القدس اپنی ہی ذات سے صادر ہو اور لازم آتا ہے کہ بیٹا روح القدس سے صادر ہو کیونکہ باپ روح القدس کا عین ہے۔ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ بھی درست ہو کہ بیٹے کا صدور بطور ایجاد ہوا اور روح القدس کا بطور ولادت۔ لہٰذا یہ تینوں باتیں کہ باپ کسی سے صادر نہیں ہوا' بیٹا ولادت میں صادر ہوا' روح القدس ایجاد میں صادر ہوا واضح طور پر باطل نکلتی ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ جب باپ فقط مصدر ٹھہرا' بیٹا باپ کی نسبت سے مصدور اور روح القدس کے اعتبار سے مصدر ہوا'

(۱) سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۰ ہے۔ ترجمہ یہ ہے ''ہر گز نہیں! ہم تو اسی کی تابعداری کرینگے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو دیکھا'' جب مشرکین عرب سے کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کرو تو وہ کہتے کہ ہم تو اپنے باپ دادا کا اتباع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ جواباً فرماتے ہیں اگر انکے باپ دادا عقل وہدایت سے محروم ہوں تب بھی یہ انکی اتباع کرینگے؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی اور کو خدا ماننا شرک ہے اسی طرح احکامِ خداوندی کے مقابلے میں کسی اور کی اتباع کرنا بھی شرک ہے۔ عبادت واطاعت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے انبیاء ورسل علیہم السلام کی اطاعت بھی اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکا حکم دیا ہے۔

روح القدس فقط مصدور ٹھہری تو تینوں کا جلال ایک جیسا کہاں رہا؟(۱) نیز جب بیٹا باپ سے اور روح القدس باپ بیٹے سے نکلا تو یہ کیسے صادق آیا کہ بیٹے کی کوئی علت نہیں اور روح القدس کی کوئی علت نہیں کیونکہ صدور بطور ولادت ہو یا بطور ایجاد یہ بیٹے کے معلول وحادث ہونے کو مستلزم ہے اسی طرح روح القدس کا باپ سے معلول ہونا لازم ہے۔

ولادت کا معنی:

علاوہ ازیں ولادتِ حقیقی کے معنی یہ ہیں کہ بواسطہ نطفہ رحمِ مادر سے پیدا ہو۔ یہ معنی تو یہاں مراد لینا بالاتفاق کفر ہے(۲) تو مجبوراً ولادت کا مجازی معنی یعنی عمل اور تخلیق مراد لینا ہوگا۔ عمل، خلق اور ایجاد میں کوئی فرق نہیں نکلتا لہٰذا بیٹے میں ولادت، روح القدس میں ایجاد کا ثابت کرنا اور ''عمل وخلق'' کی دونوں جگہ نفی کرنا محض توہم ہے۔ انکا قول ''پس باپ ایک ہے نہ کہ تین الخ'' اسکا ذکر بالکل بے فائدہ ہے اس لئے کہ اقانیم ثلثہ میں سے ہر ایک اقنوم کی حیثیت کا تو کوئی قائل نہیں کہ جس پر اس سے تردید مقصود ہو شاید پہلے تثلیثیوں کا کوئی ایسا فرقہ گذرا ہوگا۔

باپ بیٹے سے مقدم ہے:

انکا قول کہ ''ان تینوں میں کوئی متقدم اور کوئی متاخر نہیں الخ'' آپکو معلوم ہو چکا کہ صدور خواہ بطورِ ولادت ہو یا بطور ایجاد یہ معلول ہونے کو مستلزم ہے اور علت کا تقدم معلول پر ضروری ہے خواہ

---

(۱) باپ (خدا) صرف مصدر ہے یعنی وہ کسی سے نہیں نکلا ہاں اُس سے بیٹا (مسیح) نکلا ہے۔ بیٹا مصدور بھی ہے یعنی باپ سے نکلا ہے مصدر بھی ہے کیونکہ روح القدس اُس سے نکلا ہے۔ روح القدس فقط مصدور ہے کہ باپ بیٹے سے نکلا لیکن مصدر نہیں یعنی اُس سے کوئی نہیں نکلا۔ جب تینوں کی حیثیت اور کیفیت الگ الگ ٹھہری تو انکا جلال وکمال ایک دوسرے کی مانند کہاں باقی رہا؟

(۲) ایک طرف تو مسیحی حضرات کہتے ہیں کہ ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو ''خدا کا بیٹا'' اس معنی میں نہیں کہتے کہ خدا کا نطفہ رحمِ مریم میں ٹھہرا ہو۔ نعوذ باللہ یہ تو کفر ہے (یہ الگ بات ہے کہ مسیحیوں کے بعض فرقے مریم کنواری کو خدا کی ''بیوی'' قرار دیتے ہیں) دوسری طرف کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام "صنع اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ نہ تھے بلکہ "المولود للہ" یعنی ایک ''خاص'' طریقے سے اللہ سے نکلے ہوئے ہیں اور تمام خدائی صفات رکھتے ہیں۔ اگر وہ مخلوق ومصنوع ہوتے تو صفاتِ الوہیت نہ رکھتے۔

تقدمِ ذاتی ہو یا تقدمِ زمانی۔ پس باپ دونوں سے اور بیٹا روح القدس سے متقدم ہوگا۔ بیٹا باپ سے اور روح القدس دونوں سے متاخر ہوگا۔ پس بیٹے اور روح القدس کے صادر ہونے کا اعتراف کرنے کے باوجود ان تینوں میں مساوات کا قول کرنا در حقیقت اجتماع نقیضین کا قائل ہونا ہے۔

بیٹا باپ کی مثل نہیں:

انکا قول ہے کہ "ہم مثل ہونے میں موافقت الخ" "ہم مثل ہونا ایک دوسرے سے مغایرت کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ گذر چکا۔ علاوہ ازیں انکی مماثلت بھی نہیں۔ یوحنا نے جناب مسیح علیہ السلام کا قول یوں نقل کیا ہے "باپ کسی کی عدالت بھی نہیں کرتا بلکہ اس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے" (یوحنا باب ۵ آیت ۲۲) اس سے صاف طور پر ایک کا معطل ہونا اور دوسرے کا مصروفِ کار رہنا ثابت ہوتا ہے۔ یوحنا باب ۶ آیت ۵۷ میں ہے "جس طرح زندہ باپ نے مجھے بھیجا اور میں باپ کے سبب سے زندہ ہوں" اس میں اپنے لئے صفتِ حیات باپ کی طرف سے ثابت کرتے ہیں یعنی اپنی ذات میں اور باپ میں وہ صفت اُسی کی طرف سے ہے تو صفتِ حیات میں برابری ثابت نہیں ہوتی۔ مرقس باب ۱۳ آیت ۳۲ میں جنابِ مسیح علیہ السلام کا قول قیامت کے متعلق یوں ہے "لیکن اُس دن یا اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ" انتہی۔ اس میں اپنی ذات سے علمِ قیامت کی صاف نفی کرتے ہیں اور متی باب ۲۰ آیت ۲۳ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یوں ارشاد ہے "اپنے دہنے بائیں کسی کو بٹھانا میرا کام نہیں مگر جن کیلئے میرے باپ کی طرف سے تیار کیا گیا انہی کیلئے ہے" انتہی۔ اس میں صاف اپنے آپ سے قدرتِ ذاتی کی نفی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ میرا کام نہیں ہے بلکہ باپ کا کام ہے۔ ظاہر ہے کہ علم وقدرت کی صفت تو باطن سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ جسم سے پس باطنی اعتبار سے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو علمِ ذاتی اور قدرتِ ذاتی حاصل نہیں اور حیات کا ذاتی نہ ہونا بھی اوپر ثابت ہو چکا جبکہ باپ (خدا) میں یہ تینوں صفاتِ کمالیہ ذاتی ہیں لہٰذا ان صفات کے اندر اقنومِ اب اور ابن میں مماثلت نہ نکلی۔ دوسری طرح بھی مماثلت کی نفی ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ مسیحی لوگوں نے علمِ خدا کو بیٹا اور

حیاتِ خدا کو روح القدس ٹھہرا رکھا ہے (۱) اور اسمیں شبہ نہیں کہ علم اور حیات ذاتِ خدا کی صفاتِ کمالیہ ہیں۔ جب انکے نزدیک باپ' بیٹا' روح القدس تینوں رب' واجب الوجود اور خدا ٹھہرے گو مذہبی اجماع کا لحاظ کر کے منہ سے تین شخص نہ کہیں اب سوال یہ ہے کہ ان تینوں کو برابر طور پر صفتِ علم وحیات سے متصف کہیں گے یا نہیں۔ پہلی صورت (۲) میں توحید اڑ جائیگی اور تین اقنوموں کا اقرار کرنا پڑیگا اور دوسری صورت میں ان تینوں میں مماثلت نہ رہیگی۔ اس قباحت کے علاوہ غیر متصف پر خدا اور واجب الوجود کا اطلاق صحیح نہ ہوگا کیونکہ بے حیات اور بے علم جو جمادات کے درجہ میں ہے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ (۳) انکا قول کہ "پس توحید تثلیث میں اور تثلیث الخ" یہ سابقہ کلام پر مبنی ہے۔ جب پہلی باتیں جو بنیاد اور اصل تھیں وہ ناقص اور فاسد نکلیں تو یہ تفریعات بھی یقیناً فاسد ہوئیں۔

خدا کا مجسم ہونا:

انکا قول ہے کہ "نجاتِ ابدی کیلئے مجسم ہوا" جاننا چاہیئے کہ مسیحیوں کے نزدیک اقنومِ ابن کا مجسم ہونا اس پر موقوف نہیں کہ بندوں کی نجات کیلئے ہی ایسا ہوا بلکہ انکے نزدیک اللہ صاحب یوں بھی کبھی مجسم ہو کے گلی کوچہ میں سیر کو نکل جاتے ہیں۔ پیدائش باب ۳۲ آیت ۲۴ میں ہے "اور یعقوب

(۱) انکا عقیدہ ہے کہ خدا کی صفتِ علم وکلام (Word of God) بیٹے (مسیح) کی شکل میں مجسم ہوگی۔ خدا کی یہ صفت یسوع مسیح ابن مریم کی انسانی شخصیت میں آگئی جسکی وجہ سے یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔ اس کیلئے وہ انجیل یوحنا باب ا کی ابتدائی آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ روح القدس (Holy Spirit) باپ اور بیٹے کی صفتِ حیات اور صفتِ محبت ہے یعنی اس صفت کے ذریعے باپ (خدا) کی ذات اپنے بیٹے (صفتِ علم) سے محبت کرتی ہے۔ یہ صفتِ حیات بھی صفتِ علم کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے اور باپ بیٹے کی طرح قدیم وجاودانی ہے اسے بھی مستقل اقنوم (Person) کی حیثیت حاصل ہے۔

(۲) یعنی اگر کہا جائے کہ اقانیم ثلثہ میں علم وکلام' حیات وزندگی کی صفت برابر طور پر پائی جاتی ہے تو اس صورت میں۔

(۳) یعنی اگر یہ کہا جائے کہ اقانیم ثلثہ میں صفتِ علم وحیات برابر نہیں پائی جاتی بلکہ علم بیٹے کی صفت ہے اور حیات روح القدس کی صفت ہے تو ایک تو مماثلت ومساوات نہیں رہے گی دوسرا یہ کہ ذاتِ خدا کا علم وحیات سے خالی ہونا لازم آتا ہے۔ علم وحیات سے محروم ذات خدا کیسے ہو سکتی ہے؟ خدا کی ہستی وہی ہے جو حی وقیوم ہے اور علام الغیوب ہے۔

اکیلا رہ گیا اور پَو پھٹنے تک ایک شخص وہاں اُس سے کشتی لڑتا رہا۔ جب اُس نے دیکھا کہ وہ اس پر غالب نہیں ہوتا تو اسکی ران کو اندر کی طرف سے چھوا اور یعقوب کی ران کی نس اُسکے ساتھ کشتی کرنے میں چڑھ گئی۔ اور اس نے کہا مجھے جانے دے کیونکہ پَو پھٹ چلی۔ یعقوب نے کہا کہ جب تک تو مجھے برکت نہ دے میں تجھے جانے نہیں دونگا۔ تب اس نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا یعقوب۔ اس نے کہا کہ تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کیساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا۔ تب یعقوب نے اس سے کہا کہ میں تیری منت کرتا ہوں تو مجھے اپنا نام بتادے۔ اس نے کہا کہ تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے؟ اور اس نے اسے وہاں برکت دی۔ اور یعقوب نے اس جگہ کا نام فنی ایل رکھا اور کہا کہ میں نے خدا کو رُوبرو دیکھا تو بھی میری جان بچی رہی'' انتہیٰ۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ کشتی کرنے والا خدا تھا۔ (۱) پادری فنڈر بھی اپنی کتاب ''مفتاح الاسرار'' باب سوم فصل اول میں اس قصہ کی طرف اشارہ کر کے لکھتے ہیں ''وہ جو انسان کی صورت میں یعقوب پر ظاہر ہوا اور اسے برکت دیکر

(۱) مصنفؒ نے کیا خوب استدلال قائم کیا فللہ درہٗ جسکا حاصل یہ ہے کہ مسیحی حضرات کا انسانیت پر یہ احسان کرنا کہ اُنکی نجات کیلئے خدا کو مجسم ہونا پڑا یہ بالکل سینہ زوری اور دھوکہ بازی ہے۔ اُنکے نزدیک خدا صرف نجات دینے کیلئے مجسم نہیں ہوا بلکہ آگے پیچھے بھی مجسم ہو کر ایک انسان سے کشتی کرنے لگتا ہے اور آخرکار ہار بیٹھتا ہے بلکہ بائبل کا تصورِ خدا کچھ اسی قسم کا ہے کبھی خدا تھک ہار کر آرام کرنے لگتا ہے (پیدائش باب ۲ آیت ۲) کبھی انسان کو زمین پر پیدا کر کے پچھتاتا اور غم کرتا ہے (پیدائش باب ۶ آیت ۶) کبھی ساؤل کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنا کر افسوس کرتا ہے (۱۔ سموئیل باب ۱۵ آیت ۱۱) کبھی وہ ٹھنڈے وقت میں باغ کی سیر کرتا ہے (پیدائش باب ۳ آیت ۸) رحیم اور مہربان ایسا کہ باپ دادا کے گناہ کی سزا بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے (خروج باب ۳۴ آیت ۷) کبھی لوگوں سے دغابازی کرتا ہے (یرمیاہ باب ۴ آیت ۱۰) کبھی سب نبیوں میں جھوٹ بولنے والی رُوح ڈال دیتا ہے (۱۔ سلاطین باب ۲۲ آیت ۲۳) کبھی اسکے نتھنوں سے دھواں اٹھنے لگتا ہے (۲۔ سموئیل باب ۲۲ آیت ۹) کبھی وہ عورتوں کے بدن بے پردہ اور اُنکے پوشیدہ حصوں کو ننگا کر دیتا ہے (یسعیاہ باب ۳ آیت ۱۷) نعوذ باللہ منہا الغرض اللہ تعالیٰ کے بارے میں بائبل کا ایسا گھٹیا اور جاہلانہ تصور ہے کہ عظمتِ خداوندی کا نام و نشان نہیں ملتا۔ بلاشبہ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ بائبل کے تصورِ الٰہ کا معیار قدیم یونانی بت پرستوں سے کچھ زیادہ بلند نہیں۔ جبکہ قرآن مجید اسکے مقابلہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نہایت اعلیٰ وارفع ترین تصور پیش کرتا ہے۔ جو انسان اپنے پروردگارِ حقیقی کو بخوبی جاننا چاہتا ہو اُسے چاہیئے کہ قرآن حکیم ضرور پڑھے وباللہ التوفیق

''اسرائیل'' نام رکھا'' انتھی۔ دیکھئے! اس عبارت سے بھی وہی بات ثابت ہوئی اور ایک بڑی مشکل یہ پڑی کہ ہر آدمی کے متعلق خیال ہو سکتا ہے کہ شاید خدا ہو اور اس روپ میں پھرتا ہو کیونکہ الوہیت و معجزات کا دکھانا اور صفاتِ کاملہ کا ظاہر کرنا یا نہ کرنا اسکے اختیار میں ہے چاہے کرے یا نہ کرے۔ اس روایت کے مطابق مسیحیوں کے دوسرے خدا کی یہی قوت ظاہر ہوئی کہ اپنے بندہ یعقوب سے رات بھر کشتی لڑا ران کو اندر کی طرف سے چھو کر نس چڑھائی مگر مغلوب نہ کر سکا۔ انکا قول ہے کہ ''لاہوت میں باپ کے مماثل ہے'' اولاً تو مماثلت تغایر کا تقاضا کرتی ہے دوسری بات یہ ہے کہ مماثلت بھی نہیں نکلتی جیسا کہ ان دونوں باتوں کی تفصیل اوپر گذری۔

ایک پادری سے مکالمہ:

انکا قول ہے کہ ''جسم کو استعمال میں لایا'' جواد بن ساباط لکھتے ہیں کہ ''میں نے پادری کیراکوس ارامنی سے پوچھا کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ آپکے نزدیک ''بیٹا'' مسیح ابن مریم کے بدن کو استعمال میں لایا نہ کہ مسیح دجال کے بدن کو؟ حالانکہ صاحبِ معجزہ دونوں ہیں۔ جواب دیا کہ چونکہ عیسی ابن مریم بغیر باپ کے پیدا ہوا اس سے ہم نے جانا کہ لاہوت نے اسکے بدن کو استعمال کیا۔ میں نے کہا کہ بعض مسلمانوں کے سامنے میں یہ دلیل لایا تھا انہوں نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام تمہارے نزدیک بغیر ماں اور بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے۔ پس چاہیئے کہ اسکے حق میں بطریق اولی یہی اعتقاد رکھو۔(۱) اسی طرح حوا آدم علیہ السلام کی بیوی بغیر ماں کے پیدا ہوئی ہے پس چاہیئے کہ اسے ''بنت اللہ'' کہو۔ پادری صاحب سن کر چپ ہو گئے'' انتھی۔ میں کہتا ہوں کہ فرشتوں کو اس بارے میں جناب مسیح علیہ السلام پر ترجیح حاصل ہے کہ انکی نہ کوئی ماں ہے اور نہ کوئی باپ ہے۔ اسی طرح ملک صدق سالم جو حضرت ابرہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ایک کاہن اور امام تھا ترجیح رکھتا ہے۔

---

(۱) یعنی اگر حضرت مسیح علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہونے کی وجہ سے خدا ہیں یا خاص معنوں میں خدا کا ''بیٹا'' ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام اُن سے بڑھ کر ہیں کیونکہ وہ ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے لہٰذا انکا زیادہ حق ہے کہ انہیں خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا جائے۔ شاید یہی وجہ ہوگی کہ لوقا نے اپنی انجیل میں یہ کمال کر دکھایا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو یوسف کا بیٹا اور حضرت آدم علیہ السلام کو خدا کا بیٹا لکھ دیا (لوقا باب ۳ آیت ۲۳تا۳۸)

پولوس عبرانیوں کے نام خط باب ۷ کے شروع میں اسکے کچھ حالات لکھ کر آیت ۳ میں فرماتے ہیں ”یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے نہ اسکی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر“ انتہی۔(۱) لہٰذا پادری مذکور کے قول کے مطابق فرشتوں اور ملک صدق کے حق یہ عقیدہ رکھنا زیادہ راجح اور بہتر نکلتا ہے۔ انکا قول ہے کہ ”ہماری نجات کیلئے مبتلا ہوا“ اسکی وضاحت میں انکا قول جواد بن ساباط نے نقل کیا ہے جسکا حوالہ نویں تنبیہ میں گذر چکا بظاہر یہی انکا پسندیدہ قول ہے۔ یہ تو بلاشبہ باطل ہے اور ہندو لوگ اپنے اوتاروں کے جنم لینے میں اسی طرح کی بات کرتے ہیں۔

جہنم میں داخل ہونا:

انکا قول ہے کہ ”جہنم میں گیا“ نعوذ باللہ اس بے ہودہ عقیدہ اور اسکی جو وضاحت پادری مارطیروس اور پادری یوسف ولیم نے کی ہے انتہائی قابل تعجب ہے۔ سبحان اللہ! پہلے پادری صاحب اتنے بڑے دعویٰ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ بہت واضح ہے کسی دلیل نقلی کا محتاج نہیں۔

---

(۱) یہ پوری عبارت اس طرح ہے ”اور یہ ملکِ صدق سالم کا بادشاہ۔ خدا تعالیٰ کا کاہن ہمیشہ کاہن رہتا ہے۔ جب ابراہام بادشاہوں کو قتل کر کے واپس آتا تھا تو اسی نے اسکا استقبال کیا اور اسکے لئے برکت چاہی۔ اسی کو ابراہام نے سب چیزوں کی دہ یکی دی۔ یہ اول تو اپنے نام کے معنی کے موافق راستبازی کا بادشاہ ہے اور پھر سالم یعنی صلح کا بادشاہ۔ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے۔ نہ اسکی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا۔ پس غور کرو کہ یہ کیسا بزرگ تھا جس کو قوم کے بزرگ ابراہام نے لوٹ کے عمدہ سے عمدہ مال کی دہ یکی دی“ (عبرانیوں باب ۷ آیت ۱ تا ۴) حقیقت یہ ہے کہ ”ملکِ صدق“ خدا کے بیٹے (یسوع) کے مشابہ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ خدا کے بیٹے کا انفلاط سے بھرا نسب نامہ بتایا جاتا ہے جبکہ یہ شخص نسب نامہ سے پاک ہے۔ خدا کے بیٹے کی ماں (مریمؑ) ہے جبکہ یہ شخص بے ماں ہے۔ اسکی عظمت کا کون مقابلہ کر سکتا ہے کیونکہ بائبل یہ بتاتی ہے کہ ”جو عورت سے پیدا ہوا ہے وہ کیونکر پاک ہو سکتا ہے؟“ (ایوب باب ۲۵ آیت ۴) یعنی آدم علیہ السلام کا گناہ موروثی طور پر جہاں تمام نسل آدم علیہ السلام میں منتقل ہوا وہاں حضرت مریمؑ میں بھی سرایت کر گیا ان سے پیدا ہونے والی شخصیت معصوم کیسے بن گئی؟ دوسری بات یہ ہے کہ بائبل کے نزدیک قصہ آدم وحوا علیہما السلام میں اصل گناہ گار عورت ہے اسی نے فریب کھایا گناہ میں پڑ گئی مرد کو بھی گناہ میں مبتلا کیا (۱۔ تیمتھیس کے نام خط باب ۲ آیت ۱۴) گویا عورت ڈبل مجرم تھی۔ جو شخص گناہ کے مرکزی کردار ”عورت“ سے پیدا ہو وہ کتنا عیب دار ہوگا؟ قارئین! ہم نے یہ تمام گفتگو بطور الزام کی ہے ورنہ ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے ایک عظیم انسان معصوم رسول صاحب عزیمت پیغمبر تھے۔

دوسرے پادری صاحب بھی اس کو بہت خفیف جان کر فرماتے ہیں کہ اس میں کیا مضائقہ ہے۔(۱) ارشادِ خداوندی ہے تَکَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (۲) صاحب ''حل الاشکال'' لکھتا ہے کہ ''دوزخ میں نہیں بلکہ ''ہاؤس'' میں گئے جو آسمان اور جہنم کے درمیان ایک جگہ ہے (۳) شاید یہ موصوف کا ''اپنا'' نقطۂ نظر ہے لیکن انکے مترجم اجماعی عقائد اور اُنکے مطابق ان دونوں پادریوں کی رائے سے تو جہنم ہی سمجھا جائے اور ہمارا اعتراض بھی انہیں پر

---

(۱) غور فرمایئے! بائبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لعنتی کہتی ہے۔ نعوذ باللہ (گلتیوں کے نام خط باب ۳ آیت ۱۳) یہ مسیحی پادری انہیں جہنم داخل کر گئے ہیں عقائد کا بگاڑ اور غلو دیکھئے کہ ایک طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا اکلوتا بیٹا اور کامل خدا کہا جاتا ہے دوسری طرف انکو لعنتی کہا جاتا ہے اور جہنم داخل کیا جاتا ہے۔ افراط و تفریط کی یہ عجیب مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں باطل عقائد سے ہر انسان کو محفوظ رکھے۔ آمین یہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو انکو کسی بھی طرح سے لعنتی کہے وہ خود مستحق لعنت ہے بلکہ جو شخص انکے پاؤں کے جوتوں کے تسموں کی توہین کا خیال دل میں لائے وہ بھی ملعون اور خدا کی بادشاہی سے دور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ خدا تھے اور نہ ملعون بلکہ ایک عظیم انسان خدا کے پیارے بندے اور اولوالعزم پیغمبر تھے۔ قرآن مجید میں انکا ارشاد اپنے متعلق اس طرح آیا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (سورہ مریم آیت ۳۳) ''سلام و رحمت ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا'' بلا شبہ وہ ایسی ہی مبارک کے مستحق ہیں ہماری طرف سے خدا کے ان پر کروڑوں سلام اور رحمتیں ہوں۔

(۲) سورہ مریم کی آیت ۹۰ ہے ترجمہ یہ ہے ''قریب ہے کہ ابھی آسمان پھٹ پڑیں اس (افترا کی) بات سے اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں'' یعنی ایسی بھاری بات اور ایسا سخت گستاخانہ عقیدہ گھڑا گیا ہے جسے سن کر اگر آسمان و زمین اور پہاڑ ڈر کے مارے پھٹ پڑیں ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں تو کچھ بعید نہیں۔ اس گستاخانہ کلمے پر اگر غضب الٰہی بھڑک اُٹھے تو عالم تہ و بالا ہوجائے اور آسمان و زمین تک کے پرخچے اُڑ جائیں۔ یہ محض اُسکا علم و ضبط ہے کہ ان بے ہودگیوں کو دیکھ کر دنیا کو ایک دم تباہ نہیں کرتا کما قال تعالیٰ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى (سورہ فاطر آیت ۴۵) ورنہ خدا کے عظیم بندوں اور معصوم رسولوں کے متعلق ایسی ہولناک جسارت پر ایک ہی آن میں بھسم کر کے رکھ دیے جائیں۔

(۳) پادری صاحب آگے لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا وہاں جانا وہاں کے باشندوں پر اپنی بزرگی ظاہر کرنے کیلئے تھا (بحوالہ ازالۃ الاوہام باب دوم) ایک مسیحی فرقے کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جہنم میں داخل ہو کر قائن اور اہل سدوم کی روحوں کو نجات دی کیونکہ یہ سب وہاں موجود تھے جبکہ ہابیل اور حضرت نوح ابراہیم علیہما السلام اور دوسرے صلحاءِ متقدمین کو وہیں رہنے دیا کیونکہ یہ سب پہلے فریق کے مخالف تھے (بائبل سے قرآن تک، ج ۲، ص ۲۷۳، مصنفہ مولانا کیرانوی، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی ۲۰۰۲ء)

ہے جو نزول جہنم کا اعتراف کرتے ہیں۔(۱) پادری فلپس کوادو نولیس اپنی کتاب خیالات (۲) میں عقیدہ مذکورہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے "الذی قام لخلاصنا وھبط الی الجحیم ثم فی الیوم الثالث قام من بین الاموات" انتھی (۳)

صاحب "دافع البہتان" کا رد:

دافع البہتان کے مؤلف کے یہ قول کہ "باوجودیکہ تینوں خدا کہلاتے ہیں اور پوجے بھی جاتے ہیں اور صفاتِ الٰہیہ سے آراستہ الخ محلِ نظر ہے۔ کیونکہ تثلیثِ حقیقی سے توحیدِ حقیقی یقیناً ختم ہوجاتی ہے اور تینوں کا صفاتِ الٰہی سے آراستہ ہونا بھی مسیحیوں کے نزدیک ثابت نہیں ہوسکتا جیسا کہ ان دونوں کی وضاحت اوپر گذر چکی اور تین کے پوجنے والے مشرک ہیں۔ پھر جب ان میں

---

(۱) صاحب "حل الاشکال" پادری فنڈر کا یہ کہنا کہ جہنم سے مراد "ہاؤس" ہے یہ تاویل بھی بلادلیل ہے۔ مصنفؒ اس پر دوسری جگہ انتہائی گرانقدر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "انکے ذمہ ضروری ہے کہ وہ اپنی مذہبی کتب سے ثابت کریں کہ فلک اعلیٰ اور جہنم کے درمیان ایک مقام ہے جسکا نام ہاؤس ہے پھر ان کتابوں سے یہ ثبوت بھی پیش کریں کہ جہنم میں مسیح کا داخلہ اس غرض سے تھا تا کہ وہاں کے لوگوں کو اپنی عظمت وجلال کا مشاہدہ کرائیں اور مالک جہات ہونے پر متنبہ کریں۔ پھر یہ بات اس وقت اور زیادہ کمزور ہوجاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ حکماءِ یورپ کے نزدیک افلاک کا کوئی وجود ہی حقیقتاً نہیں ہے اور متاخرین علماءِ پروٹسٹنٹ انکی اس رائے کو تسلیم کرکے انکی ہمنوائی کرتے ہیں، پھر یہ توجیہ انکے زعم کے مطابق کیونکر درست ہوسکتی ہے؟ پھر یہ "ہاؤس" یا خوشی او ثواب کی جگہ ہوسکتی ہے یا مشقت اور عذاب کا مقام؟ اگر پہلی صورت ہے تو وہاں کے رہنے والوں کو اس تنبیہ کی کیا ضرورت، اس کیلئے کہ وہ تو اس سے قبل ہی راحت وعیش کی زندگی گذار رہے ہیں، اور اگر دوسری شکل ہے تو اس تاویل کا کوئی فائدہ اور نتیجہ نہیں، کیونکہ ارواح کا دوزخ عذاب وتکلیف ہی کا مقام ہوسکتا ہے۔(بائبل سے قرآن تک، ج ۲، ص ۵۔۲۷۴، مصنفہ مولانا کیرانویؒ، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی ۲۰۰۲ء)

(۲) شیخ احمد الشریف بن زین العابدین نامی مسلمان عالم نے "الانوار الالٰہیہ فی دحض خطا المسیحیہ" کے نام سے ردِ عیسائیت پر ایک کتاب لکھی۔ پادری فلپس کوادونولیس نے اسکے جواب میں عربی زبان میں ایک کتاب لکھی جسکا نام "خیالاتِ فلپس" رکھا۔ یہ کتاب رومۃ الکبریٰ کے علاقہ بسلوقیت میں ۱۶۶۹ء میں طبع ہوئی۔ مصنفؒ کو اس کتاب کا ایک نسخہ بطور عاریت دہلی شہر کی انگریزی لائبریری سے ملا اُس سے یہ حوالہ نقل کیا ہے (اظہار الحق عربی، ج ۳، ص ۷۴۳، مطبوعہ ریاض سعودی عرب)

(۳) ترجمہ یہ ہے "جس نے ہماری رہائی کیلئے دکھ اٹھایا، دوزخ میں گرا، پھر تیسرے دن مُردوں کے درمیان اُٹھ کھڑا ہوا"

بعض غیر حی اور غیر عالم ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا تو انکی پرستش پتھر کی پوجا پاٹ کی طرح ہے اور عقلاً دونوں میں کوئی فرق نہیں نکلتا۔ اِس پادری کا یہ کہنا کہ ''فرداً فرداً عہدے کو سر انجام دیتے ہیں''(۱) اس سے تو صاف طور پر تینوں میں مغایرت معلوم ہوتی ہے ورنہ اگر اتحاد حقیقی ہو تو فرداً فرداً سر انجام کہاں دے سکتے؟ اسی طرح بھیجنے والے اور بھیجے گئے کا جدا جدا ہونا بھی واضح ہے۔ اسی طرح جب بیٹا مجسم ہوتا ہے تو مسیحیوں کا اتفاق ہے کہ باپ اور روح القدس مجسم نہیں ہوتے۔ پس بیٹے کا دونوں کے مغایر ہونا بدیہی ہے۔ بہر حال یہ پادری صاحب کیا کریں تثلیث کا عقیدہ رکھنے والے بھی ایسے ہیں' وہی باتیں کرتے ہیں مگر شاباش کہ آخر لاچار ہو کر یوں لکھ گئے'' اگر کوئی کہے کہ ہم اس بات کو یعنی توحید اور تثلیث کو سمجھ نہیں سکتے تو میں بھی اقرار کرتا ہوں کہ میری بھی سمجھ میں نہیں آتا'' انتہی۔

یعقوبی فرقے کا عقیدہ:

یعقوبیہ اور ارامنہ (۲) کے عقیدہ کا تو سبحان اللہ کیا ذکر یہ لوگ ذات واجب الوجود پر ایذا پانے' گاڑنے جانے اور تین کے بعد پھر جی اٹھنے کا وقوع جائز رکھتے ہیں حالانکہ یہ سب یقیناً محال ہے(۳) یہ عقلمند لوگ بھی کیا کریں انکی بڑی مصیبت یہی ہے کہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کہیں اور مسیح کو

---

(۱) یعنی تینوں اقنوم الگ الگ اپنا وظیفہ انجام دیتے ہیں۔ باپ بیٹے کو بھیجتا ہے بیٹا وقت مقرر پر انسان کے جسم میں مجسم ہو کر نجات کا دروازہ کھولتا ہے اور روح القدس ان دونوں یعنی باپ بیٹے سے بھیجا جاتا ہے۔

(۲) جس طرح عصر حاضر میں عیسائیت کے مختلف فرقے مثلاً کیتھولک' پروٹسٹنٹ' میتھوڈسٹ اور بپٹسٹس (Baptists) وغیرہ ہیں اسی طرح اوائل دور میں عیسائیت کے کئی فرقے گذرے ہیں مثلاً پانچویں صدی میں پولوی فرقہ پیدا ہوا جسکا کہنا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا نہیں تھے بلکہ فرشتہ تھے اس فرقے کے اثرات ایشائے کوچک اور آرمینیا کے علاقوں میں رہے ہیں۔ پھر پانچویں صدی ہی کے وسط میں نسطوری فرقہ نمودار ہوا جسکا بانی نسطوریوس راہب تھا۔ اسی طرح ایک یعقوبی فرقہ ہے جسکا لیڈر یعقوب بردعانی تھا۔ انکا نظریہ ہے کہ مسیح میں خدائی اور انسانی حقیقتیں کچھ ''اس طرح'' متحد ہو گئی ہیں کہ وہ صرف ایک حقیقت بن گئی تھی۔ لاہوت اور ناسوت میں ایسا اختلاط ہوا جیسے آگ اور کوئلے میں کہ نہ وہ خالص آگ ہے نہ کوئلہ۔

(۳) کیونکہ انکا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب ہوتے وقت کامل خدا تھے اور تکلیف ہونا' پھانسی کے پھندے پر گاڑا جانا' مرنا' دفن ہونا' پھر جی اٹھنا یہ سب چیزیں جس طرح جسم مسیح پر واقع ہوئیں اسی طرح (باقی اگلے صفحہ پر ....

اس وقت الوہیت سے خالی مانیں تو لازم آئیگا کہ مسیح فقط انسان ہو(۱) پس یہ فرقہ اس ڈر کے مارے بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا(۲) اے یعقوب! شاباش

ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند(۳)

جناب یعقوب پادری صاحب! جب آپکے زعم میں نہ لاہوت خالص اور نہ ناسوت تو کیا سمجھا جائے؟ کیا لاہوت نے غلبہ پا کر ناسوت کو کھو دیا یا ناسوت حادث نے لاہوت قدیم واجب الوجود ازلی کو باطل کیا؟ اگر پہلی بات کہو تو صریحاً غلط ہے کیونکہ تا دمِ گرفتاری جناب مسیح علیہ السلام کا جسم چار پانچ ہاتھ لمبا ہر چھوٹے بڑے کو نظر آتا تھا(۴) اور اگر دوسری بات کہو تو یہ بھی آپکے ذوقِ تحقیق سے

.........دوسرے جز اقنوم ابن یعنی الوہیت مسیح پر بھی طاری ہوئیں۔ مصنفؒ کہتے ہیں کہ ذاتِ واجب الوجود پر موت وتصلیب کا وقوع محال ہے۔ اگر خدا مر گیا تھا اور تین دن تک زیر زمین دفن رہا تو اس دوران نظام کائنات کو کون چلا رہا تھا؟

(۱) یعنی اگر وہ یہ کہیں کہ مسیح بوقتِ تصلیب محض انسان تھا اور یہ سب واقعات دکھ اٹھانا طمانچے سہنا کانٹوں کا طوق پہننا وغیرہ محض بدن پر واقع ہوئے تو انکا مطلب یہ ہوا کہ مسیح پر ایک وقت ایسا بھی آیا جب وہ انسان ہی انسان تھا خدا نہ تھا حالانکہ یہ چیز انہیں تسلیم نہیں کیونکہ انکا عقیدہ ہے کہ مسیح قدیم اور ازلی ہے الوہیت سے علی الدوام متصف ہے کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرا جب وہ محض انسانی حقیقت رکھتا ہو اور الہیاتی حقیقت سے محروم ہو۔

(۲) یہ عربی محاورہ "فرمن المطر وقام تحت المیزاب" کا ترجمہ ہے۔ جس طرح کوئی شخص بارش سے بچنے کیلئے پرنالے کو آڑ سمجھ کر اسکے نیچے کھڑا ہو جائے تو وہ بری طرح بھیگ جاتا ہے یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ شرک کے الزام سے بچنے کیلئے توحید میں تثلیث کا مفروضہ گھڑتے ہیں' حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت میں انسانیت والوہیت کو جمع کر کے "ایک خدا" کا راگ الاپتے ہیں۔ دوسری طرف انکے دکھ اٹھانے' مرنے' دفن ہونے' جی اٹھنے حتی کہ نعوذ باللہ ملعون ہونے تک کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ غور فرمایئے! کس طرح شرک کی دلدل میں بری طرح دھنسے جا رہے ہیں اور ساتھ ساتھ توحید کی رٹ لگا رہے ہیں هداهم الله الى سواء الصراط

(۳) ترجمہ یہ ہے "یہ کام تو تم نے کر دالا لوگ کیا کرتے رہے" یعنی یہ علمی معرکہ تو تم نے فتح کر لیا' استدلال کا میدان تو تم نے مار لیا۔ یہ سخر الادوبقراط لوگ کیا کرتے رہ گئے۔

(۴) یعنی اگر یہ کہیں کہ لاہوت (الوہیت) نے ناسوت (انسانیت) پر غالب ہو کر ناسوت کو ختم کر دیا' انسانیت کو فنا کر دیا یہ بالکل باطل ہے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کے وقت تک ہر شخص کو انکا انسانی جسم صاف نظر آ رہا تھا تو پھر الوہیت نے انسانیت کو کہاں ختم کیا؟

بعید نہیں (۱) اور اگر کہو کہ ناسوت اور لاہوت میں کچھ تغیر نہ ہوا تو جناب محقق اعظم صاحب یہ آپکا مذہبی عقیدہ نہیں سوچ کر کہو۔ یہ بھی بتایئے کہ پھر آپکے نزدیک خدا کا مکان سے منزہ ہونا کیسے ثابت ہوگا؟ (۲) حالانکہ توریت سے ثابت کہ خدا تعالیٰ جگہ سے پاک ہے۔ یہ بھی بتاؤ کہ تمہارے

---

(۱) یعنی اگر پادری صاحب یہ کہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں ناسوت (انسانیت) نے لاہوت (الوہیت' واجب الوجود' قدیم' ازلیت) کو ہی باطل کردیا تو یہ بھی انکے علم وفہم سے کچھ بعید نہیں۔ اگرچہ ایسا ممکن نہیں تاہم یہ مضبوط انسانیت الوہیت کو باطل کرنے کے بعد خود ہی بچے گی وھو المقصود والمراد۔

(۲) حضرت مسیح علیہ السلام اپنے اندر انسانی حقیقت رکھنے کی وجہ سے روٹی' کپڑا' مکان کے محتاج ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی احتیاج سے پاک اور مکان وجگہ سے بالاتر ہے۔ اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کہا جائے تو ان چیزوں سے پاک ہونا کیسے ثابت ہوگا؟ کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بھوک لگتی تھی (مرقس باب ۱۱ آیت ۱۲) اسی طرح انکو پیاس بھی لگتی تھی (یوحنا باب ۱۹ آیت ۲۸) انکے رہائشی مکان کے متعلق ایک جگہ اس طرح کا واقعہ لکھا ہے "جب یسوع نے اپنے گرد بہت سی بھیڑ دیکھی تو پار چلنے کا حکم دیا۔ اور ایک فقیہ نے پاس آکر اس سے کہا اے استاد جہاں کہیں تو جائیگا میں تیرے پیچھے چلونگا۔ یسوع نے اس سے کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کیلئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔ ایک اور شاگرد نے اس سے کہا اے خداوند مجھے اجازت دے کہ پہلے جا کر اپنے باپ کو دفن کروں۔ یسوع نے اس سے کہا تو میرے پیچھے چل اور مردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دے۔ جب وہ کشتی پر چڑھا تو اسکے شاگرد اسکے ساتھ ہو لیے۔ اور دیکھو جھیل میں ایسا بڑا طوفان آیا کہ کشتی لہروں میں چھپ گئی مگر وہ سوتا تھا۔ انہوں نے پاس آکر اسے جگایا اور کہا اے خداوند ہمیں بچا! ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا اے کم اعتقادو! ڈرتے کیوں ہو؟ تب اس نے اٹھ کر ہوا اور پانی کو ڈانٹا اور بڑا امن ہوگیا" (متی باب ۸ آیت ۱۸ تا ۲۶) اگر ہم کہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کام ہر وقت تعلیم وتلقین کرنا' خوشخبری دینا اور نجات وفضل کی منادی کرنا تھا' مسلسل خدمتِ دین اور اشاعتِ پیغام کیلئے وہ ہر وقت مسافر رہے اور انکا اپنا کوئی گھر نہ تھا تو یہ ایک حد تک قابل تعریف بات ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب وہ یہ سب کام خدا کی رضا کیلئے کر رہے ہیں تو پھر اس طرح مایوسی ومحرومی کے انداز میں شکوہ وافسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں' پرندوں کے گھونسلے ہوتے ہیں مجھ بیچارے کو سر دھرنے کی دو گز زمین بھی نصیب نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کہنے سے انکے توکل واستقامت' خدا پر ایمان واعتقاد اور سیرت وکردار پر بڑی زد پڑتی ہے۔ اسی طرح انکا خدا ہونا بھی باطل ہو جاتا ہے یہ کیسا خدا ہے جسے سر دھرنے کی جگہ بھی میسر نہیں اور وہ اسکا سخت محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف جگہوں پر مہمان کے طور پر انکے سونے کا انتظام کیا جاتا ہے (تفسیر ولیم میکڈونلڈ۔ جلد اول۔ ص ۹۵ مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور ۲۰۰۲ء) علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنا گھر نہ ہونے کی بات بھی خلاف واقعہ ہے۔ بائبل بتاتی ہے کہ انکا گھر تھا' کئی شاگردوں کو انکے گھر انکی رفاقت میں رات گزارنے کی سعادت بھی ملی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "وہ دونوں شاگرد اسکو یہ کہتے سن کر یسوع کے پیچھے (باقی اگلے صفحہ پر..........

.........ہو لیے۔ یسوع نے پھر کر اور انہیں پیچھے آتے دیکھ کر ان سے کہا تم کیا ڈھونڈتے ہو؟ انہوں نے اس سے کہا اے ربی (یعنی اے استاد) تو کہاں رہتا ہے؟۔ اس نے ان سے کہا چلو دیکھ لوگے۔ پس انہوں نے آ کر اسکے رہنے کی جگہ دیکھی اور اس روز اسکے ساتھ رہے" (یوحنا باب ۱ آیت ۳۷ تا ۳۹) دوسرا واقعہ ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام شاگردوں کے ساتھ کشتی پر سوار تھے کہ جھیل میں بڑا طوفان آ گیا اور حالت پریشان کن ہوگئی۔ حضرت عیسی علیہ السلام سو رہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ جس وقت وہ آرام فرما رہے تھے اس وقت کائنات کا نظام کون چلا رہا تھا؟ خدا کی ہستی صرف اللہ تعالی ہے جو سونے کی کمزوری سے پاک ہے، وہی خالق کائنات ہے اور کائنات کے نظام کو سنبھالنے والا بھی ہے۔ مگر مسیحی مفسرین لکھتے ہیں کہ "کشتی کے مسافروں کو خبر ہی نہیں تھی کہ اس کشتی میں کائنات کا مالک اور سنبھالنے والا معمولی مسافر ہمارے ساتھ موجود ہے" (تفسیر ولیم میکڈ ونلڈ۔ جلد اول۔ ص ۹۲ بحوالہ بالا) یہ تو شاگردوں کی ہوشمندی تھی کہ انہوں نے گھبراہٹ میں حضرت عیسی علیہ السلام کو جگا کر ان سے دعا کروائی اور معجزہ ہو گیا ورنہ اگر اسکے حواس بے قابو ہو جاتے اور وہ انکو جگا نہ پاتے تو اس بات کا بھی امکان تھا کہ یہ طوفان کشتی کے مسافروں کا نگلتے ہوئے ہوئے خدا سمیت پانی کی نذر کر دے۔ تیسرا واقعہ یہ ذکر کیا گیا کہ ایک شاگرد نے عرض کیا کہ میرے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا ہے لہذا مجھے اجازت دیں کہ میں جا کر اپنے والد کی تدفین کروں مگر حضرت عیسی علیہ السلام نے اس آڑے وقت میں بھی اجازت نہ دی بلکہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دے" یعنی روحانی طور پر مردہ لوگ اپنے جسمانی مردہ کو خود ہی دفن کر دیں گے یہ دنیاوی کام دنیاداروں کیلئے رہنے دو۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف منسوب یہ تعلیمات انسانوں کے خاندانی نظام سماجی تعلقات کو کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔ حضرت عیسی علیہ السلام کا ایک اور فرمان ہے۔ "اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا" (لوقا باب ۱۴ آیت ۲۶) حقیقت یہ کہ صلہ رحمی کرنا' قرابت داری کی رعایت کرنا' والدین کے حقوق ادا کرنا' تعلقات نبھانا بہترین ضروری اخلاق اور اعلی لازمی اقدار ہیں۔ تمام آسمانی شریعتوں میں انکی بار بار تاکید آئی ہے۔ خود بائبل میں بھی کئی جگہ حکم موجود ہے مگر اسکے برعکس ان اقوال نے انسانی معاشرت کے بنیادی رکن "خاندان" کے خلاف ایک جذباتی فضا پیدا کر کے اسے عدم استحکام اور بے اتفاقی کا شکار کر دیا۔ عیسائی فلسفی برٹرینڈ رسل لکھتا ہے

> Family affection was decried by christ himself and by the bulk of his followers.
>
> {Bertrend Russel:Why I Am Not A Christian,p.26.)

"خاندانی محبت کی خود مسیح اور اسکے پیروکاروں کی اکثریت نے بھی مذمت کی"

مسیحی مفسرین کے بقول یہ شخص اس حکم کو قبول نہ کر سکا اور حضرت عیسی علیہ السلام کو چھوڑ کر چلا گیا۔ کاش حضرت عیسی علیہ السلام اپنے شاگرد کے والد کی وفات کی خبر سن کر اسے تسلی دے دیتے' اسے تدفین کے عمل سے فارغ ہو کر جلد واپس آنے کا کہتے بلکہ اسکے ساتھ چل کر کسی طرح سے اظہار ہمدردی کر دیتے تو وہ شخص نہ صرف یہ کہ انکا (باقی اگلے صفحہ پر.....................

نزدیک بیٹا' باپ' روح القدس میں اتحادِ حقیقی ہے اور جب بیٹے نے درد اٹھایا' مصلوب ہوا' گاڑا گیا تو لازمی طور پر باپ اور روح القدس پر بھی یہ سب حالات گذرے ہونگے۔ تو کیا تین دن تین رات تک سارا جہان خدا اور اپنے خالق سے محروم رہا؟ آسمان وزمین کا کوئی مدبّر نہ تھا یا شیطان باغی خدا ان ایام میں زمین وآسمان کا مالک ہو گیا تھا یا کوئی اور نائب خدا چلا رہا تھا؟ اے محقق اعظم صاحب! کیا آپ کے نزدیک حالات کا تغیر حادث وفانی ہونے کی علامت نہیں؟ اور کیا ان چیزوں کا قدیم واجب بالذات' ہستی پر واقع ہونا ممکن ہے؟

مسیحیت کا تصورِ خدا:

غور فرمایئے! اس عقلمند محقق اور اسکے فرقے کے نزدیک خدا کی کتنی بڑی ''عظمت'' ثابت ہوتی ہے کہ ایک خدا آسمان پر بیٹھا رہے اور دوسرا اتر کر لاہوت کو جسمِ ناسوتی سے ملا دے اس طور پر کہ جسمِ ناسوتی حادث وفانی اس لاہوت واجب الوجود پر غالب آ کر اسے باطل کر دے۔ پھر وہ

............گرویدہ ہو جاتا بلکہ ایک بہترین شاگرد ثابت ہوتا اور اُن نالائق شاگردوں کے کردار کا مظاہرہ نہ کرتا جن میں سے ایک نے غداری کرتے ہوئے صرف تیس روپے لیکر انہیں پکڑوا دیا۔ (متی باب ۱۰ آیت ۴) دوسرے نے مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تین بار انکا انکار کیا' لعنت کی اور قسم کھا کر اظہار لاتعلقی کیا (مرقس باب ۱۴ آیت ۶۶) اور جب انکو یہود بے بہبودنے گرفتار کیا تو یہ سب شاگرد انتہائی بے وفائی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے خدا وقادر کو چھوڑ کر بھاگ گئے (متی باب ۲۶ آیت ۵۶) حتیٰ کہ ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین (معمولی) چادر اوڑھے ہوئے انکے پیچھے ہولیا مگر جب اسے لوگوں نے پکڑنا چاہا تو وہ چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا (مرقس باب ۱۴ آیت ۵۱) اس طرح انکے مصلوب ہونے کا مفروضہ بھی باطل ہو جاتا ہے کیونکہ جب سب مخلص رفقاء چھوڑ چھاڑ کر بھاگ نکلے تو اس واقعہ کا چشم دید گواہ کون ہے؟ قرآن مجید سچ کہتا ہے مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا (النساء آیت ۱۵۷) ''کچھ نہیں انکو اسکی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا'' ظلم یہ ہے کہ مسیحی حضرات انہیں پھانسی پر لٹکانے کے بعد تین دن کیلئے قبر میں دفن بھی کرتے ہیں۔ جب خدا مر گیا تھا اور قبر میں مدفون تھا تو اس وقت نظام کائنات کو کون چلا رہا تھا؟ حق تو یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ہی پورے نظامِ ہستی کا خالق ومالک ہے اور اسکا بلا شرکتِ غیر با اختیار بادشاہ ہے۔ اسے موت تو کیا نیند اور اونگھ تک نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ کا کسی دوسرے خدا کو پیدا کرنا اُسکی شانِ الوہیت کے سخت منافی ہے۔ عقلِ سلیم خود اسکی گواہی دیتی ہے۔ لہٰذا اُسکی ذات کے متعلق ایسا اعتقاد انتہائی گستاخی اور گالی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مصلوب ہو جانے والے' مر کر دفن ہونے والے انتہائی کمزور خدا کے تعاون کی کوئی ضرورت نہیں' بالکل کوئی ضرورت نہیں۔

نو مہینے مریم بنتِ عمران کے پیٹ میں بچہ بن کر رہا(۱) مہینوں خونِ حیض سے نشو ونما پائی' اسے کھایا' نو مہینے بعد عام عادتِ انسانی کے مطابق مخصوص مخرج سے باہر نکلا(۲) پھر آہستہ آہستہ بڑا ہوا(۳) اور تیس برس تک اپنے متعلق نہ جانا کہ "میں خدا ہوں"(۴) اسکے بعد اپنے ہی بندہ یحییٰ کا مرید ہو کر

(۱) یہی وجہ ہے کہ ایک مسیحی راہب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن اور دوسری طرف اُنکے حق میں خدا ہونے کے دعویٰ کو سامنے رکھ کر کہا کہ "God is not a baby two or three months old" "خدا ایک یا دو تین ماہ کا بچہ نہیں ہو سکتا" اگرچہ اُسکی یہ بات ایک سچی حقیقت اور عقل ونقل کے عین مطابق تھی لیکن عیسائی کلیسیا نے اسے مرتد قرار دیکر عیسائیت سے خارج کر دیا۔(Henry Chadwick:The Early Church;1984;P.18)

(۲) پھر آٹھویں روز اُنکا ختنہ ہوا(لوقا باب ۲ آیت ۲۱) اُنکو بائبل میں ۸۷ مرتبہ "ابن آدم" انسان کا بیٹا کہا گیا ہے۔

(۳) چنانچہ لکھا ہے "اور وہ لڑکا بڑھتا گیا اور قوت پاتا گیا اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اُس پر تھا" (لوقا باب ۲ آیت ۴۰)

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے رفع آسمانی سے قبل زمین پر جتنا عرصہ رہے انہوں نے ایک مرتبہ بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں خدا ہوں۔ اسکے معجزات خدا ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اُنکی نبوت ورسالت کی دلیلیں ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دوسرے پیغمبروں کی طرح محض خدا کی قدرت سے معجزات دکھائے چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا جیسا حکم پاتا ہوں کرتا ہوں اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں(یوحنا باب ۵ آیت ۳۰) میں خدا کی قدرت سے بدروحوں کو نکالتا ہوں اور شفا دیتا ہوں(لوقا باب ۱۱ آیت ۲۰) جب کوئی معجزہ ہو جاتا تھا تو خدا کا شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انکی سن لی(یوحنا باب ۱۱ آیت ۴۱) پطرس بڑی واضح گواہی اور صاف صاف ریمارکس دیتے ہیں "اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جسکا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اسکی معرفت تم میں دکھائے۔ چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو"(اعمال باب ۲ آیت ۲۲) انہوں نے خالص توحید خداوندی کا درس دیا یہی وجہ ہے کہ عہد نامہ قدیم کی طرح عہد نامہ جدید میں بھی تثلیث کی بجائے توحید کی تعلیم ملتی ہے۔ انہوں نے اگر کہیں فرمایا ہے کہ "میں اور باپ ایک ہیں" تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ ہم وجود میں ایک ہیں بلکہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ میری اتباع درحقیقت اللہ جل جلالہ کی اتباع ہے اور ہم مقصد واطاعت میں ایک ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے متعلق خدا ہونے کا کبھی سوچا تک نہیں۔ ایک مغربی عیسائی عالم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معروف سوانح نگار لکھتے ہیں۔

That Jesus never dreamt of making himself pass for an incarnation of God, is a matter about which there can be no doubt,

{Ernest Renan; Life of Jesus, p. 181.}

"یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ یسوع نے کبھی اپنے آپ کو خدا کا مظہر سمجھا جانے کا خواب بھی نہ دیکھا تھا"

بپتسمہ لیا(۱) جب تیسرا خدا کبوتر کی صورت میں اس پر اترا تو اس وقت دعویٰ نبوت اور دعویٰ الوہیت میں فرق پتہ چلا۔ پھر عدالت کی رو سے اپنے بندوں کی نجات کیلئے اور کوئی راہ نہ دیکھی سوا اسکے کہ یہودیوں کے ہاتھوں درد اور دکھ اٹھا کر مصلوب ہوا' (۲) تین دن رات قبر میں مردہ پڑا رہا'

(۱) بپتسمہ یا اصطباغ (Baptism) عیسائی مذہب کی پہلی رسم ہے۔ یہ ایک قسم کا غسل ہوتا ہے جو عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے اور اسکے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جا سکتا۔ اس رسم کی پشت پر کفارے کا عقیدہ کارفرما ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے ایک بار مر کر دوبارہ زندہ ہوتا ہے۔ موت کے ذریعے اُسے "اصلی گناہ" کی سزا ملتی ہے اور نئی زندگی سے اسے آزاد قوت ارادی حاصل ہوتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے "خدا" ہوکر ایک مخلوق سے بپتسمہ لینے کی زحمت کیوں کی؟ بلکہ اُنکی عصمت و پاکیزگی پر بھی حرف آتا ہے اگر وہ نیکوکار' راستباز' پاکیزہ یا معصوم تھے تو یوحنا اصطباغی (حضرت یحییٰ علیہ السلام) سے بپتسمہ کیوں لیا؟ (مرقس باب ۱ آیت ۹) کیونکہ بپتسمہ صرف گناہگار کی ضرورت ہے اور یوحنا اصطباغی کا بپتسمہ صرف گناہوں کی معافی کیلئے توبہ کا بپتسمہ ہوتا تھا (مرقس باب ۱ آیت ۴)

(۲) اناجیل کے بقول جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی تو انہوں نے بڑی آواز سے چلا کر کہا **ایلی. ایلی. لما شبقتنی** ؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ انجیل کی اس آیت کے ضمن میں اٹھارویں صدی کے معروف عیسائی عالم طامس ایملن (Thomas Emlyn) نے ایک دلچسپ بات کی ہے

Surely he intended not saying Myself,Myself,why hast thou forsaken me?

"جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ استعمال کیے تو یقیناً اُنکی مراد یہ نہ تھی: میں میں! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"

اس سے پتا چلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آخر وقت تک اپنی الوہیت کا کوئی تصور نہ دیا۔ یہ بھی قابلِ غور ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں شکایت آمیز نعرہ کیوں لگا رہے ہیں؟ یہ تو اُنکی شانِ نبوت کے مناسب نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے خوشی سے قربانی و فدیہ نہیں دیا۔ اس میں انکی ذرہ بھر رضامندی شامل نہیں تھی بلکہ ان پر ظلم کیا گیا اور انہیں زبردستی قربانی کا بکرا بنایا گیا یہی وجہ ہے کہ وہ رو رو کر' منہ کے بل گر گر' خون کے آنسو بہا کر موت کا پیالہ ٹلنے کی تمنا کرتے ہیں (لوقا باب ۲۲ آیت ۴۱) اگر وہ واقعی انسانیت کے گناہوں کا کفارہ و قربانی دے رہے تھے تو انہیں انتہائی بہادری اور پرجوش خوشی کیساتھ تختہ دار کو چومنا چاہیے تھا۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ اپنے مذہب' وطن' ملک و قوم کیلئے لڑنے والوں نے بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جان کے نذرانے پیش کئے' موت کو محبوبہ سمجھ کر گلے لگایا اور ذرا بزدلی نہیں دکھائی مگر اناجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام موت سے بری طرح گھبراتے ہیں' خدا سے شکوہ کرتے ہیں۔ یہ خدا کے برّے (بھیڑ) کی عجیب ذبح ہے اور انوکھی قربانی ہے کہ وہ اس قربانی کیلئے بالکل تیار نہیں ہے۔ پھر یہ کفارہ کس کام کا؟

جہنم میں گیا۔ ان تین دن رات میں تمام کائنات عرش سے فرش تک اپنے خالق کے بغیر رہی پھر وہ تین دن رات کے بعد آسمانوں پر چڑھ کر پہلے خدا (باپ) کے دائیں ہاتھ پہ جا بیٹھا۔(۱)

سبحانك هذا بهتان عظيم(۲)

---

(۱) جیسا کہ مرقس باب ۱۶ آیت ۱۹ میں ہے "اور خدا کی دہنی طرف بیٹھ گیا" کیتھولک اردو بائبل میں ہے "اور خدا کے دائیں بیٹھ گیا" انگریزی کی بائبل نیو انٹرنیشنل ورژن کنگ جیمز ورژن میں ہے "He sat at the right hand of God" اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود خدا ہیں تو وہ کس کے دائیں ہاتھ یا دائیں طرف جا بیٹھے؟ کیا کوئی ہستی اپنے ہی دائیں ہاتھ پہ بیٹھ سکتی ہے؟ مرقس باب ۱۶ کی ان آخری بارہ آیات کے بارے میں ایک اور دلچسپ بات قابل ذکر ہے کہ تمام مسیحی علماء اور ماہرین بائبل کا صاف اعتراف ہے کہ مرقس باب ۱۶ کی آخری بارہ آیات جعلی اور الحاقی ہیں جیسا کہ بائبل کے نظرثانی شدہ معیاری نسخہ (Revised Standard Version) میں لکھا ہے۔ اسی طرح بائبل کے نیو انٹرنیشنل ورژن میں اس طرح لکھا ہے (The earliest manuscripts and some other ancient witnesses do not have Mark 16:9-20) (N.I.V.Bible P.722)

"قدیم مخطوطات اور کچھ پرانے نوشتوں (نسخوں) میں مرقس باب ۱۶ کی آیت ۹ تا ۲۰ موجود نہیں"

عربی بائبل (الکتاب المقدس) مطبوعہ لبنان ۱۹۹۵ء کے مترجمین حاشیہ میں لکھتے ہیں "ماجاء فی الآیات ۹ الی ۲۰ لایرد فی اقدم المخطوطات" (ص ۸۶) دیکھئے! یہ بائبل ٹرانسلیشن کمیٹیوں کے اہل علم اراکین اور دیگر مسیحی علماء و محققین صاف تسلیم فرما رہے ہیں کہ یہ آیات پرانے نسخوں میں موجود نہیں۔ ظاہر ہے کہ بعد میں کسی نامعلوم شخص نے اضافہ کیا ہے۔ اسی کا نام "تحریف" ہے۔ یاد رہے کہ مرقس باب ۱۶ کا یہ حصہ مسیحی عقائد کے لحاظ سے بڑا اہم ہے۔ اسے الحاقی تسلیم کر لینے کے بعد مسیحیت کی بنیادیں گر جاتی ہیں۔ بائبل کے بعض مقامات پر تحریف کا ہونا مسیحیوں کو بھی تسلیم ہے۔ ان میں سے ایک مقام یہ بھی ہے۔ گویا یہ "مسلمہ تحریفات" میں سے ایک نمونہ ہے۔ اسکے باوجود مسیحی لوگ خود فریبی کرتے ہوئے اعتقاد رکھتے ہیں کہ بائبل کا حرف حرف خدا کا کلام ہے، اسکا مصنف خود خدا ہے، یہ غلطی و تحریف سے پاک ہے اور اس طرح کی لاف و گزاف باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ہم انکی علمی مفلسی کا کہاں تک غم کر سکتے ہیں دعا ہی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکو سلامت عقل، ہدایت فکر اور توفیق طلب عطا فرمائے۔ آمین۔ اسکے خزانوں میں کمی نہیں لوگ ہی ارادہ و جستجو نہیں کرتے ورنہ جو اسکی طرف رجوع کرے اسے ضرور اپنی طرف رستہ دکھا دیتا ہے۔

(۲) سورۃ النور کی آیت ۱۶ ہے ترجمہ یہ ہے "اللہ تو پاک ہے یہ تو بڑا بہتان ہے" یہ لوگ کیسی نامعقول بات کرتے ہیں، خدا کے عظیم پیغمبر، معصوم رسول، داعی توحید، سراپا عبدیت انسان کے متعلق کیسے کیسے ناپاک خیالات باندھتے ہیں۔ بھلا جس ہستی کو مالک ارض و سماء خداوندِ قدوس نے نورِ توحید پھیلانے اور بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے بھیجا وہ خدائی کا دعویٰ کیسے کر سکتی ہے؟ یہ تو بہت بڑا بے سند الزام اور سنگین بہتان ہے جو ان محبت کا دعویٰ کرنے والے دشمنوں نے اُن پر باندھ دیا ہے۔

عشاءِ ربانی کی عبادت:

اب اور سنیئے! عشاءِ ربانی (۱) میں روٹی اور شراب گرجا میں آتی ہے۔ پادری اس پر کچھ انجیل سے اور کچھ اور دعائیں پڑھتا ہے اور مسیحی لوگ اسکے آگے بیٹھتے ہیں۔ اسکے بعد پادری روٹی کے ٹکڑے توڑ کر ہر ایک کو دیتا ہے اور کہتا ہے کھاؤ یہ مسیح کا بدن ہے جو تیرے لئے کاٹا گیا۔ اسی طرح شراب کا پیالہ ہر ایک کو دیتا ہے اور کہتا ہے کہ پیو! یہ مسیح کا خون ہے جو تیرے لئے بہا۔ دو تین سو برس پہلے رومن کیتھولک کے اکثر مسیحی اسی طریقہ کار پر تھے اب بھی اکثر عیسائیوں کا یہی مذہب ہے۔ یہ لوگ ظاہر نص پر چلتے ہیں اپنے زعم کے مطابق شریعت عیسوی کی بھرپور پیروی کرتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی حاملہ عورت مر جاتی ہے اور اسکے پیٹ میں بچہ ہے تو یہ بپتسمہ کو دین کا اہم رکن

---

(۱) یہ عیسائی مذہب میں بپتسمہ کے بعد اہم ترین رسم ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی قربانی و کفارہ کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے مزعومہ گرفتاری سے ایک دن پہلے حواریوں (رسولوں) کیساتھ رات کا کھانا کھایا تھا کھانے کی اس مجلس کا حال انجیل متی میں اس طرح آیا ہے "جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت دیکر توڑی اور شاگردوں کو دیکر کہا لو کھاؤ یہ میرا بدن ہے۔ پھر پیالہ لیکر شکر کیا اور انکو دیکر کہا تم سب اس میں سے پیو کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کیلئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے" (متی باب ۲۶ آیت ۲۶ تا ۲۸) انجیل لوقا میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ "میری یادگاری کیلئے یہی کیا کرو" (لوقا باب ۲۲ آیت ۱۹) عیسائیوں کا کہنا ہے کہ عشاءِ ربانی کی تقریب اسی حکم کی تعمیل ہے۔ اسکا طریقہ یہ لکھا ہے کہ ہر اتوار کو چرچ میں ایک اجتماع ہوتا ہے شروع میں کچھ دعائیں اور زبوریں پڑھی جاتی ہیں پھر حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ لیکر مبارک باد دیتے ہیں پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے پادری اسکو لیکر باپ بیٹا روح القدس کے نام سے برکت کی دعا کرتا ہے پھر وہ روٹی اور شراب حاضرین میں تقسیم کی جاتی ہے۔ کیتھولک کلیسیا کے نزدیک اس رسم کی ادائیگی کے ہر موقع پر روٹی اور شراب حقیقۃً مسیح کا بدن اور خون بن جاتا ہے۔ اسکے برعکس لوتھرن کلیسیا تبدیلی جوہر کا انکار کرتی ہے لیکن عشاءِ ربانی کے اجزاء میں یسوع مسیح کی موجودگی پر ایمان رکھتی ہے اس طرح وہ عقیدۂ کفارہ کی تجدید کرتے ہیں۔ عشاءِ ربانی (Lord's supper) کے علاوہ اس رسم کے اور بھی نام ہیں مثلاً شکرانہ (Eucharist) مقدس غذا (Sacred Meal) اور مقدس اتحاد (Holy Communion) وغیرہ۔ چونکہ اس رسم کے منانے کا طریقہ بائبل (کلامِ مقدس) میں نہیں بتایا گیا اس لئے اسکے طریقہ کار مختلف رہے ہیں۔ مسیحی کتب دینیات میں اسکے طریقہ کار، نوعیت اور تقاضوں کے بارے میں خاصی تفصیل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بدن اور خون کی طرف جو اشارہ کیا اسکی بھی مختلف تفاسیر کی گئی ہیں۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو (قاموس الکتاب، ص ۶۲۸، مصنفہ ایف۔ ایس۔ خیر اللہ، مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور، سن طبع ۲۰۰۲ء)

سمجھ کر اس عورت کے مکانِ مخصوص میں پچکاری گھسا کر مارتے ہیں۔(۱) یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عشاءِ ربانی میں بھی روٹی اور شراب کی ماہیت حقیقۃً بدل جاتی ہے۔ روٹی حقیقت میں مسیح کا بدن اور شراب حقیقی طور پر مسیح کا خون بن جاتی ہے۔ پھر یہ روٹی اور شراب کو مسیح کا بدن اور خون سمجھ کر انکے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔

مسیحی عقیدہ:

جواد بن ساباط نے پادری مراکیوس سے جس نے قرآن کریم کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا ہے اسکی کتاب سے انکے عقائد ذکر کیے ہیں۔ انیسویں عقیدہ کا بیان اس طرح ہے" روٹی کا تمام جوہر مسیح کا بدن جاتا ہے اور شراب کا جوہر مسیح کا خون بن جاتا ہے اور مسیح ان دونوں چیزوں میں سے ہر ایک میں ہوتا ہے" انتہی۔ یہ بڑا فرقہ جو بڑا ہی پرہیزگار اور شریعتِ عیسوی کا متبع ہے(۲) اس نے تثلیث سے نوبت بڑھا کر کروڑوں معبودِ حقیقی بنا دیے۔ روٹی اور لاکھوں من شراب جو حضرت مسیح علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد تیار ہوتی ہے یہ اسکو بعینہ مسیح کا بدن اور خون سمجھ کر سجدہ کرتے ہیں اور

---

(۱) کسی شخص کو رسمی طور عیسائی بنانے کیلئے بپتسمہ یا اصطباغ (Baptism) کا عمل کیا جاتا ہے۔ اسے پانی میں غوطہ دیکر (immersion) یا اس پر پانی انڈیل کر (Pouring) یا اس پر پانی چھڑک کر (Sprinkling) اس سے "ازلی گناہ" کا اثر دور کیا جاتا ہے۔ اس طرح وہ شخص شریعت سے آزاد ہوکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فدیہ وتصلیب کے عوض خدا کی بادشاہت میں داخل ہو جاتا ہے۔ مسیحی علماء کے مطابق بپتسمہ کا یہ عمل ہر انسان کی نجات کیلئے اور حضرت آدم علیہ السلام والے موروثی گناہ سے پاک کرنے کیلئے ضروری ہے حتی کہ اکوئیناس (Aquinas) اور آگسٹائن (Augustine) نے یہاں تک کہا ہے کہ Infants dying in infancy are justly condemned to eternal punishment. (Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol. 5,P.644)

"وہ بچے جو (بغیر بپتسمہ لیے) مر گئے ان کیلئے ابدی عذاب عین انصاف ہے"

(۲) ویسے تو عیسائیت کے بہت سے فرقے ہیں مگر ان میں سب سے بڑا قدیم راسخ الاعتقاد فرقہ کیتھولک ہے۔ انکے نزدیک روٹی فوراً مسیح کا بدن بن جاتی ہے اور شراب خون ہو جاتی ہے۔ یہ رسم آج تک اسی طرح ادا کی جاتی ہے۔ انکا کہنا ہے کہ دنیا میں جس جگہ بھی عشاءِ ربانی کی رسم ادا کی جاتی ہے مسیح علیہ السلام وہاں آ موجود ہوتے ہیں تاہم دیگر عقلیت پسند (Rationalist) فرقوں نے ان باتوں کو قبول کرنے سے بڑا سخت انکار کیا ہے جن میں پروٹسٹنٹ فرقہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جنکی تعداد ہمارے دور میں کیتھولک فرقے سے بھی بڑھ گئی ہے۔

معبود ٹھہراتے ہیں۔(۱) جی ہاں انہوں نے جناب مسیح علیہ السلام کے ارشاد کی پوری پوری تابعداری کی ہے کیونکہ مرقس باب ۱۴ آیت ۲۲ میں لکھا ہے "اور وہ کھا ہی رہے تھے کہ اس نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور انکو دی اور کہا لو یہ میرا بدن ہے۔ پھر اس نے پیالہ لیکر شکر کیا اور انکو دیا اور ان سبھوں نے اُس میں سے پیا اور اُس نے اُن سے کہا یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کیلئے بہایا جاتا ہے" انتہیٰ

برادرانِ اسلام! یہ لوگ بڑے صاحبِ عقل ہیں اور ہر ایک انکا افلاطون اور ارسطو ہے۔ یہ جس محال یا خلافِ بداہت چیز کو اختیار کرلیں گے انکی بھی ماہیت عشاءِ ربانی کی روٹی اور شراب کی طرح بدل کر ممکن اور بدیہی ہو جائیگی گو ہم بے چاروں کی عقل میں وہ محال اور خلافِ دلیل ہی معلوم ہو۔ لیکن اگر ہمارے دین میں کوئی ایسی بات پاتے تو نقلِ مجلس کر کے ہمیں بے وقوف ظاہر کرتے' طنز و مذاق اڑاتے مگر الحمدللہ ابھی تک ایسی کوئی بات انکے ہاتھ نہیں لگی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض مسیحیوں کو بڑا مغالطہ لگا کہ اگر ہم تثلیث سے انکار کریں تو علم الٰہی اور حیاتِ الٰہی کا انکار لازم آئیگا۔(۲) یہ بالکل بے ہودہ اور لغو ہے اس لئے کہ جس تثلیث کا ہم لوگ انکار کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تینوں اقنوموں میں امتیازِ حقیقی ہو اور ان تینوں میں سے ہر ایک واجب الوجود' الوہیت' معبودیت اور قادریت کیساتھ متصف ہو۔ اسکے انکار سے ہرگز علمِ الٰہی کا انکار لازم نہیں آتا۔ دیکھو مسیحی لوگ بھی خدا تعالیٰ کی دیگر صفات کمالیہ مثلاً ازلیت وابدیت' سمع و بصر' کلام واختیار کے قائل ہیں اور ان صفات میں سے کسی کو علیحدہ اقنوم (شخص) واجب الوجود بالذات' قادر واللہ بالذات نہیں سمجھتے۔

---

(۱) مصنف ؒ نے دوسری جگہ اس عشاءِ ربانی کی حقیقت اور اسکے محال ہونے پر عقلی دلائل کیساتھ بحث کی ہے (بائبل سے قرآن تک' ج ۲' ص ۴۲۹)

(۲) کیونکہ ہم دوسرے اقنوم (بیٹا) کو خدا کی مجسم صفتِ علم وکلام سمجھتے ہیں اور تیسرے اقنوم (روح القدس) کو خدا کی صفت حیات قرار دیتے ہیں لہٰذا ان سے انکار خدا کے علم وحیات کا انکار ہے۔

خدا کی صفات:

(۱) زبور ۹۰ آیت ۲ میں ہے "اس سے پیشتر کہ پہاڑ پیدا ہوئے اور زمین اور دنیا کو تو نے بنایا۔ ازل سے ابد تک تو ہی واحد خدا ہے"

(۲) زبور ۱۴۰ آیت ۶ میں ہے "میں نے خداوند سے کہا میرا خدا تو ہی ہے۔ اے خداوند! میری التجا کی آواز پر کان لگا"

(۳) زبور ۱۳۸ آیت ۳، ۴ میں ہے "جس دن میں نے تجھ سے دعا کی تو نے مجھے جواب دیا...... اے خداوند! زمین کے سب بادشاہ تیرا شکر کریں گے کیونکہ انہوں نے تیرے منہ کا کلام سنا ہے"

(۴) زبور ۱۳۵ آیت ۶ میں ہے "آسمان اور زمین میں سمندر اور گہراؤ میں خدا نے جو کچھ چاہا وہی کیا" انتہی۔ پس جس طرح ان مواقع میں صفات کے جدا جدا اقنوم کے انکار سے مطلقاً ان صفات کا انکار لازم نہیں آتا اسی طرح علم اور حیات کو بھی سمجھ لینا چاہیئے۔(۱)

حکماءِ یونان کا موقف:

دیکھئے! یونانی حکماء جنکا فضل وکمال، علم وبلاغت مسیحیوں کے نزدیک بھی تسلیم شدہ ہے۔ ولیم میور صاحب اپنی تاریخ کے باب سوم میں لکھتے ہیں "مسیح کے آنے سے تین سو برس پہلے یونان

---

(۱) زبور کے پہلے حوالے میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق اور ازلیت وابدیت کا ذکر ہے۔ دوسرے میں اللہ تعالیٰ کی صفت "سمع" کا ذکر ہے۔ تیسرے میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفتِ اجابت وسماعت اور کلام کا ذکر ہے۔ چوتھے حوالے میں اللہ تعالیٰ کیلئے قدرت تامہ اور اختیار کامل ہونے کا ذکر ہے۔ مسیحی حضرات نے ان صفات کیلئے علیحدہ علیحدہ اُقنوم تجویز نہیں کیے لیکن انکا کہنا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کمال کیساتھ متصف ہے۔ پس جس طرح یہ صفات الٰہی مستقل اقنوم بنائے بغیر ذاتِ خدا میں ثابت ہیں اسی طرح علم وکلام اور حیات کی صفت بھی ذاتِ الٰہی میں ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح ہر عیب ونقص سے پاک ہے اسی طرح ہر خوبی وکمال سے متصف ہے۔ اسکی خوبیاں اور صفات بے شمار ہیں۔ اب اگر ہر صفت کے مقابلے میں اقنوم تجویز کیا جائے تو یہ سلسلہ لامحدود چلا جائیگا اور بے حساب "خدا" قرار پائیں گے (ہندومت کے تین سو تیس کروڑ خدا پھر بھی محدود تو ہیں) اور اگر بعض صفات کیلئے اقنوم مانا جائے دیگر کو چھوڑا جائے تو ترجیح بلاوجہ ہے۔

اور رُوم کے ملکوں میں علم اور تیز فہمی اس قدر بڑھی کہ اور کسی زمانہ میں ویسی نہ تھی اور شاید نہ ہوگی۔ جو کتابیں اُن دنوں تصنیف ہوئیں وہ ایسی عجیب حکمت سے لکھی گئیں کہ انکو پڑھ کر عقل حیران ہے'' انتہی۔ یہ لوگ بھی سب صفاتِ الٰہیہ کو عین ذات جانتے تھے(۱) اس معنی میں کہ جیسے دیگر مقامات پر ذات اور صفت پر ثمرات مرتب ہوتے ہیں ذاتِ الٰہی میں وہ ثمرات فقط ذات پر وارد ہوتے ہیں۔ انکی ذات معلومات کا ادراک کرنے وغیرہ میں بغیر زیادتِ صفت کے کافی ہے۔(۲) پس یہ لوگ باوجودیکہ زیادتِ صفت کا انکار کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو عالم' قادر وغیرہ جانتے تھے۔

تثلیث کی ایک اور خرابی:

بلکہ تثلیث کا اعتقاد رکھنے والوں کی دوسری ''خرابی'' یہی ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ میں سے صرف تین کو لیکر معبودِ واجب الوجود ٹھہرایا اور باقی کو چھوڑ دیا۔ انہیں چاہیے تھا کہ ہر صفتِ کمال کے مقابلے میں ایک اقنوم قرار دیتے۔ اگر کہیں کہ انجیل میں خدا کی تعبیر تین اقنوموں کیساتھ آئی ہے اس لئے ہم تین اقنوم مانتے ہیں تو یہ عذر بھی قابلِ سماعت نہیں اس لئے کہ ہر زمانہ میں ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صفات کیساتھ یاد کرتے ہیں اور بعض جگہ کسی مقصد کیلئے اسمِ ذات یا اسمِ صفت کو بعینہٖ مکرر لاتے ہیں۔ دیکھئے! خروج باب ۳۴ آیت ۶ میں ہے ''یہواہ خدا اور رحیم مہربان اور بڑا حلیم اور نیکی اور راستی میں زیادہ ہے''(۳) قرآن پاک میں ایک سو چودہ جگہ

---

(۱) اور مسیحیوں کی طرح صفات کیلئے علیحدہ اقنوم شخص' جوہر مستقل ذات تجویز نہیں کرتے بلکہ تمام صفات مثلاً کلام' حیات' محبت وغیرہ کو ذاتِ الٰہی کا عین سمجھتے ہیں۔

(۲) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمی یا زیادتی کو قبول نہیں کرتیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم و ازلی ہیں۔ یہ کہنا درست نہیں کہ اُسکا علم اُسکی قدرت سے پہلے ہے یا اُسکی قدرت اُسکے علم کے بعد ہے یا اُسکی حیات اُسکے علم سے پہلے ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ سے حی اور علیم اور قدیر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں ترتیب نہیں یعنی یہ کہنا درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی فلاں صفت پہلے ہے اور فلاں صفت بعد میں ہے۔

(۳) عربی بائبل میں اس آیت کی عبارت اس طرح ہے ''الرب الرب الٰہ رحیم حنون بطیٔ عن الغضب و کثیر المراحم والوفا'' دیکھئے! اللہ تعالیٰ کیلئے رب (پروردگار) رحیم (رحم کرنے والا) حنون (مہربان) بطیٔ عن الغضب (بڑا حلیم) کثیر المراحم والوفا (نیکی و راستی میں بڑا) جیسے کئی صفاتی ناموں کا اطلاق ہوا ہے اور بعض ناموں (باقی اگلے صفحہ پر.............

بسم اللہ الرحمن الرحیم مکرر ہے۔(۱) سورۃ بقرہ میں واقع ہے مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ ....کا تکرار ہوا ہے۔ کیا کسی شخص نے یہاں ہر اسم صفت سے مستقل علیحدہ ذات مراد لیکر متعدد اقانیم کا مطلب سمجھا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فہم صحیح یہی ہے کہ ذات خدا ایک ہے ایک ذات کے متعدد اسماء صفات ہو سکتے ہیں۔ صفات خدا علیحدہ اقنوم، مستقل جوہر یا جسم مشخص نہیں ہوتیں۔

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم میں تین اسم وصفت مذکور ہیں لیکن کوئی مسلمان بھی اسکا یہ مطلب نہیں سمجھتا کہ اللہ ایک ذات خدا ہے، رحمن دوسری ذات خدا ہے، رحیم تیسری ذات خدا ہے اور تثلیث ثابت ہے جیسا کہ کئی مسیحی مفکرین ٹھیک یہی دلیل ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں ایک سو چودہ جگہ عقیدہ تثلیث کا بیان ہے حالانکہ اللہ اسم ذات ہے، رحمن ورحیم اسی ذات کے صفاتی نام ہیں۔ ارشاد ربانی ہے وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف آیت ۱۸۰) اہل اسلام کے نزدیک اللہ جل جلالہ کی صفات کوئی جسم مخلوق، جوہر، اقنوم یا مشخص نہیں ہیں اسی طرح صفات الٰہی نہ اسکی عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں بلکہ لازم ذات ہیں۔ صفات الٰہی ذات الٰہی کا عین نہیں کیونکہ صفت موصوف کا عین نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا معبود اور میرا خالق اور میرا رازق اللہ کی صفت علم یا صفت قدرت ہے اور میں اللہ کی اس ''صفت'' کی پرستش کرتا ہوں تو یہ باطل ہے ہاں اگر یہ کہے کہ میرا معبود علیم اور قدیر ہے جسکی صفت علم اور قدرت ہے تو یہ صحیح اور درست ہے۔ اسی طرح اگر کوئی دعا میں یہ کہے یا حیات یا علم یا ترزیق یا تخلیق تو جائز نہیں بلکہ صحیح یوں ہے یا حیُّ یا علیمُ یا رازق یا خالق معلوم ہوا کہ اللہ کی صفات اُسکا عین نہیں لیکن غیر بھی نہیں کہ اس سے جدا اور علیحدہ ہو سکیں کیونکہ غیر ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ ایک غیر کے فنا اور عدم کی صورت میں دوسرے غیر کا وجود اور بقاء جائز ہو اور یہ معنیٰ حق تعالیٰ میں درست نہیں اس لئے کہ خدا تعالیٰ اور اسکی صفات جدا جدا چیزیں نہیں۔ معلوم ہوا کہ صفات خداوندی خدا تعالیٰ کا غیر نہیں بلکہ اسکی ذات کیلئے ایسی لازم ہیں کہ ان صفات کا ذات سے جدا ہونا ناممکن اور محال ہے جیسے چار کے لئے زوجیت اور پانچ کیلئے فردیت لازم ہے مگر اسکا عین نہیں چار کا مفہوم علیحدہ ہے اور زوجیت کا مفہوم علیحدہ ہے۔ مگر زوجیت چار کی نفس ماہیت کیلئے ایسی لازم ہے کہ نہ ذہن میں اس سے جدا ہو سکتی ہے اور نہ خارج میں۔ اسی طرح علم علیم کا عین تو نہیں مگر اس سے جدا اور علیحدہ بھی نہیں ہو سکتا۔ محسوسات میں اسکی مثال سورج سے دی جا سکتی ہے کہ روشنی کو نہ آفتاب کا عین کہہ سکتے ہیں نہ غیر کہہ سکتے ہیں بلکہ نور وضیاء اُسکے لئے اس طرح لازم ہے کہ آفتاب کا بغیر نور کے نہ ذہن میں تصور آ سکتا ہے نہ خارجی طور پر ایسا ممکن ہے۔ آفتاب طلوع کے وقت سُرخ اور بے شعاع نظر آتا ہے نصف النہار کے وقت سفید اور باشعاع ہو جاتا ہے غروب کے وقت زرد ہو جاتا ہے مگر ان سب صورتوں میں یہی کہا جاتا ہے کہ آفتاب کو دیکھا۔ پس جس طرح آفتاب کا ایک ہونے کے باوجود مختلف رنگوں میں جلوہ گر ہونا اور طرح طرح سے تجلیات دکھانا اُسکی وحدت کے منافی نہیں ٹھیک اسی طرح خدائے عز وجل کا ایک ذات ہونے کے باوجود مختلف صفات اور متعدد کمالات میں جلوہ گر ہونا اُسکی وحدت کے منافی نہیں یہ بات طے شدہ ہے کہ ذات الٰہی جسم نہیں ہو سکتی اور اس جہان میں اُسکی رویت وزیارت ہونا ناممکن ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں ''خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا'' (یوحنا باب ۱ آیت ۱۸ نیز یوحنا باب ۵ آیت ۳۷ یوحنا کا پہلا خط باب ۴ آیت ۱۲)

وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْکٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ (۱) ایسی آیات توریت اور قرآن مجید میں بہت ہیں۔ (۲) ان سے یہودی اور اہل اسلام مسیحیوں والا مفہوم نہیں سمجھتے (۳)

(۱) سورہ بقرہ کی آیت ۹۸ ہے۔ یہود کہتے تھے کہ "جبریل فرشتہ اس نبی کے پاس وحی لاتا ہے اور وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہمارے اگلے بڑوں کو اس سے بہت تکلیفیں پہنچیں۔ اگر جبریل کے بدلے اور فرشتہ وحی لائے تو ہم محمدؐ پر ایمان لائیں"۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے (لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ التحریم آیت ۶) جو انکا دشمن ہے اللہ بے شک انکا دشمن ہے۔ دیکھئے! اس آیت میں پہلے "ملائکہ" کا لفظ آیا ہے جس میں تمام فرشتوں کیساتھ حضرت جبریل و میکائیل بھی شامل ہیں لیکن انکے باوجود انکی عظمت شان کو ظاہر کرنے کیلئے علیحدہ اسم ولفظ مکرر لائے گئے ہیں۔ اسی طرح دو مرتبہ لفظ "اللہ" آیا ہے۔

(۲) جن میں اللہ تعالیٰ کیلئے اسم ذات یا اسم صفت کا تکرار آیا ہے۔ انکے علاوہ بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کیلئے جمع متکلم کا صیغہ استعمال ہوا ہے لیکن آج تک کسی عرب نے دعویٰ نہیں کیا کہ قرآن کی رو سے ایک سے زائد خدا ہیں کیونکہ جمع کا صیغہ تعظیم و احترام کیلئے بکثرت استعمال ہوتا ہے اور شاہانہ عبارتوں میں تو اسکا رواج عام ہے۔ جب قرآن کریم تثلیث کا کھلے طور پر مخالف ہے تو یہ صیغہ جمع حقیقی معنوں پر محمول نہ ہوگا۔

(۳) جیسا کہ ایک مسیحی علامہ "فلسفہ تثلیث" کو سمجھاتے ہوئے گوہر افشانی کرتے ہیں "عہد عتیق میں اکثر خدا تعالیٰ کیلئے صیغہ واحد استعمال ہوا ہے لیکن بعض اوقات صیغہ جمع بھی آتا ہے یہ صیغہ جمع تعظیمی نہیں کیونکہ خدا خود اپنی تعظیم نہیں کرتا" (قاموس الکتاب، ص ۲۳۳) یہ اس پادری موصوف کی ذاتی بڑ ہے دنیا کی ہر زبان و محاورہ میں بندے تو اپنی تعظیم کیلئے "ہم ہم" کی رٹ لگا سکتے ہیں پولوس اپنے آپکو عزت دیتے ہوئے صیغہ جمع استعمال کر سکتے ہیں باری تعالیٰ شانہ اپنی تعظیم نہیں کر سکتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر جمع متکلم کے صیغہ کو حقیقی معنی پر ہی محمول کرنا ہے تو ان واحد متکلم کے صیغوں کو کیا کہا جائیگا جو پوری بائبل میں پھیلے ہوئے ہیں وہاں حقیقی معنی کیوں مراد نہیں؟ اگر کہا جائے کہ باپ بیٹا اور روح القدس تینوں ملکر ایک ہیں اس لئے ان پر واحد متکلم کے صیغہ کا اطلاق درست ہے تو ہم جواباً عرض کرینگے کہ جب وہ ایک ہیں تو ان پر جمع متکلم کا اطلاق درست نہ ہونا چاہئے یہ تو قطعی طور پر ناممکن ہے کہ ایک ذات پر جمع متکلم کا صیغہ بھی بطور حقیقت بولا جائے اور واحد متکلم کا صیغہ بھی حقیقۃً بولا جائے۔ یہ بھی دیکھئے کہ آج تک کسی یہودی نے اس صیغہ جمع سے جمع عددی اور تعدد ذات خداوندی مراد نہیں لیا۔ خود انہیں پادری صاحب نے آگے چل کر لکھا ہے "اگر اس عقیدے کو عہد عتیق کے توحید پرستی کے پس منظر میں دیکھا جائے تو کفر نظر آتا ہے اور کٹر یہودی یہی نظریہ رکھتے تھے" (قاموس الکتاب، ص ۲۳۵) اور کیتھولک انسائیکلو پیڈیا کا اعتراف ہے:

The doctrine of the Holy Tri:ty is not taught in the O.T.

(The New Catholic Encyclopaedia,vol.14,p.306.)

"تثلیث مقدس کا نظریہ عہد نامہ قدیم میں نہیں سکھایا گیا"

بہرحال تثلیث کا عقیدہ رکھنے والے محض باپ دادا کی اندھی تقلید میں ایک محال اور عقلاً ناممکن چیز کو واجب الاعتقاد بتاتے ہیں جیسا کہ رومن کیتھولک والے عشاءِ ربانی میں ایک بالکل خلافِ دلیل چیز کو واجب الاعتقاد بتاتے ہیں۔ عشاءِ ربانی میں ہر سال نئی تیار ہو کر آنے والی لاکھوں من شراب کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ حقیقی طور پر مسیح کا بدن اور خون بن جاتے ہیں پھر انکو معبود جان کر سجدہ کرتے ہیں حالانکہ انکے عقلاء جانتے ہیں کہ یہ کیا ہے۔

تثلیث کھلا شرک ہے:

یہ عقیدہ تثلیث ایسا ہے کہ کسی طرح شرک سے خالی نہیں نکلتا اس لئے اہلِ اسلام اس عقیدہ کو شرک کہتے ہیں اور اسکا اعتقاد رکھنے والے کو مشرک بتلاتے ہیں گو وہ ظاہر میں اقرارِ توحید بھی کرتا ہے۔ قدیم سے اسکو مخالفین اور موافقین نے رکیک سمجھا ہے اور انکار کیا ہے۔ مخالفین میں سے بعض کا قول سنیئے! امام رازی تفسیر کبیر میں آیتِ قرآنی یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ (۱) کے ذیل میں لکھتے ہیں "واعلم انّ مذھب النصاری مجھول جداً" (۲) پھر اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں "وبالجملہ لانری مذھباً فی الدنیا اشدّ رکاکۃ وبُعداً من العقل من مذھب النصاری" (۳) پھر آیتِ قرآنی لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ (۴) کے ذیل میں فرماتے ہیں "لا نری فی الدنیا مقالۃً اشدّ فساداً واظھرَ بُطلاناً من مقالۃِ النصاری" (۵) موافقین کا حال اوپر گذرا کہ اکثر یونانی حکماء، مشرقی فلاسفہ، انگریز، جرمن علماء اور مغربی دانشوروں نے مسیحی ہونے کے باوجود اس عقیدہ سے انکار کیا۔ مصر و مشرق کے ممالک کے

(۱) یہ سورۃ النساء کی آیت ۱۷۱ ہے اسی کی تفسیر کے تحت امام رازی کا یہ نوٹ ملاحظہ فرمایئے!

(۲) "خوب جان لیجئے! عیسائیوں کا مذہب انتہائی بے دلیل ہے"

(۳) "ہم نے دنیا میں نصاریٰ سے زیادہ کمزور اور بعید از عقل مذہب کسی کا نہیں دیکھا"

(۴) یہ سورۃ المائدہ کی آیت ۷۳ ہے اسی کی تفسیر کے تحت امام رازی کا یہ قول موجود ہے۔

(۵) "دنیا میں کوئی بات عیسائیوں کی بات سے زیادہ شدید الفساد اور ظاہر البطلان نہیں" انکا مذہب سب سے زیادہ نامعقولیت پر مبنی ہے۔

اکثر مسیحیوں نے انکی پیروی کی ہے۔ اب بھی اکثر مسیحی جو علومِ جدیدہ سے حصہ رکھتے ہیں وہ مسئلہ تثلیث کو "اجتہادی" سمجھتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی منصوصات میں سے نہیں ہے۔(۱) انصاف کی بات یہی ہے کہ ایک فانی آدمی جسکا اپنا ہگنا موتنا بھی اپنے اختیار میں نہیں اسے کیسے خدا جانا جائے اور اسکی الوہیت کیلئے رکیک تاویلات گھڑی جائیں؟

شرک کی سزا بائبل کی رُو سے:

بلکہ جو شخص دعویٰ الوہیت کرے اور اس کیلئے بڑے بڑے معجزات بھی دکھادے تب بھی عقلی ونقلی طور پر اسکا انکار کرنا واجب ہے اور وہ شخص واجب القتل ہے۔ عقلاً تو خوب ظاہر ہے اور نقلاً اس لئے کہ استثناء باب ۱۳ کے شروع میں ہے "اگر تیرے درمیان کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہو اور تجھ کو کسی نشان یا عجیب بات کی خبر دے اور وہ نشان یا عجیب بات جسکی اس نے تجھ کو خبر دی

(۱) انہوں نے تو ہمیشہ خالص توحید خداوندی کا درس دیا' تثلیث کا نام تک نہیں لیا چنانچہ ایک جگہ انکا حکیمانہ وعظ اس طرح مذکور ہے "اور فقیہوں میں سے ایک نے انکو بحث کرتے سُن کر جان لیا کہ اس نے انکو خوب جواب دیا ہے۔ وہ پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ سب حکموں میں اول کون سا ہے؟۔ یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔ دوسرا یہ ہے کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں۔ فقیہ نے اس سے کہا اے استاد بہت خوب! تو نے سچ کہا کہ وہ ایک ہی ہے اور اسکے سوا اور کوئی نہیں۔ اور اس سے سارے دل اور ساری عقل اور ساری طاقت سے محبت رکھنا اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھنا سب سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے بڑھ کر ہے۔ جب یسوع نے دیکھا کہ اس نے دانائی سے جواب دیا تو اس سے کہا تو خدا کی بادشاہی سے دور نہیں" (مرقس باب ۱۲ آیت ۲۸ تا ۳۴) اس مکالمہ میں سائل ایک یہودی فقیہ ہے جو نہ تو الوہیت میں کسی اقنوم کا قائل ہے۔ نہ وہ اللہ تعالیٰ کیساتھ رُوح القدس یا بیٹے کی شمولیت کا قائل ہے نہ وہ تثلیث کے لفظ وعقیدہ سے آشنا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسکے سوال پر تثلیث کی تھیوری نہیں سمجھائی۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ باپ کامل خدا ہے' بیٹا کامل خدا ہے' روح پاک کامل خدا ہے اور سب ملکر "ایک" خدا ہے۔ بلکہ یہ فرمایا "اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے"۔ یہودی فقیہ نے توحید یا تثلیث کو سنا اور سچ جانا جس کی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام اسکی دانائی پر داد دیتے ہیں۔ اسی عقیدہ کو نجات کیلئے کافی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "تو خدا کی بادشاہی سے دور نہیں" جنت تیرا ٹھکانہ اور خدا کی رضا تیری منزل ہے۔

وقوع میں آئے اور وہ تجھ سے کہے کہ آہم اور معبودوں کی جن سے تو واقف نہیں پیروی کر کے انکی پوجا کریں۔ تو تُو ہرگز اس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات کو نہ سننا کیونکہ خداوند تمہارا خدا تم کو آزمائیگا تا کہ جان لے کہ تم خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے محبت رکھتے ہو یا نہیں.........وہ نبی یا خواب دیکھنے والا قتل کیا جائے الخ'' آخری آیت ۵ عربی ترجمہ یوں ہے''وذالك المدعی للنبوۃ والحکم فلیقتل لما یقول المحال علی الله ربکم''یعنی یہ نبوت اور خواب کا دعویدار مارا جائے کیونکہ وہ تمہارے پروردگار اللہ پر ایک محال بات بولتا ہے الخ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص کسی حادث وفانی کو معبود بتلائے اسے جھوٹا سمجھو بلکہ مار ڈالو کیونکہ وہ ایک ناممکن چیز کا دعویٰ کرتا ہے اور عیاذاً باللہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے دعویٰ خدائی کیا ہوتا تو پھر یہود اُنکے قتل میں کیوں ملزم ٹھہریں کیونکہ یہ حکم تو توریت سے ثابت ہے جیسا کہ وہ خود بھی یہی عذر کرتے ہیں(۱)

ایک مسیحی تاویل کا جواب:

اگر کہیں کہ ہم مسیح کو وہی خدا سمجھتے ہیں جو آسمان وزمین کا خالق ہے نہ کہ اور۔ اے مسیحی حضرات! ہندو لوگ بھی رامائن اور کہنیا کو اسی معنی میں خدا جانتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ کہ حضرت مریم کے صاحبزادہ کو خدا اور معبود ماننا ضروری ہو اور کوسلیا اور دیو کے بیٹوں کو خدا ٹھہرانا شرک ہو؟ عیسائی حضرات موحد وخدا پرست کہلائیں اور ہندو مشرک وبت پرست قرار دیے جائیں؟ متی باب ۲۴ آیت ۲۴ میں ہے'' کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہونگے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائینگے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرلیں۔ دیکھو میں نے پہلے ہی تم سے کہہ دیا ہے۔ پس اگر وہ تم سے کہیں کہ دیکھو وہ بیابان میں ہے تو باہر نہ جانا یا دیکھو وہ کوٹھریوں

(۱) اور کہتے ہیں کہ ہم نے یسوع کو دعویٰ الوہیت کی وجہ سے سُولی دیکر قتل کیا چنانچہ یوحنا باب ۱۰ آیت ۳۰ میں ہے''یہودیوں نے اُسے سنگسار کرنے کیلئے پھر پتھر اُٹھائے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ میں نے تم کو باپ کی طرف سے بہتیرے اچھے کام دکھائے ہیں۔ اُن میں سے کس کام کے سبب سے مجھے سنگسار کرتے ہو؟ یہودیوں نے اُسے جواب دیا کہ اچھے کام کے سبب سے نہیں بلکہ کفر کے سبب سے تجھے سنگسار کرتے ہیں اور اس لئے کہ تو آدمی ہو کر اپنے آپکو خدا بناتا ہے''

میں ہے تو یقین نہ کرنا'' انتہی (۱) جناب پولوس مسیح کاذب یعنی دجال کے متعلق تھسلنیکیوں کے نام دوسرا خط باب ۲ آیت ۹ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۲۸ء، ۱۸۴۱ء میں یوں لکھتے ہیں ''وظہورش از عمل شیطان باہر قسم معجزہ وعجائب وغرائب کاذب می باشد'' (۲) دیکھئے! حضرت مسیح علیہ السلام اس دجال کو بھی جھوٹا بتلاتے ہیں جو آئندہ زمانہ میں آئیگا' مسیح کہلائیگا اور یہودی اسکو مانیں گے۔ ہم اسکے کاذب ہونے کی ایک یہ وجہ بھی جانتے ہیں کہ وہ خدائی کا دعوٰی کریگا پس بحکم توریت جھوٹا اور واجب القتل ہے۔ اگر یہی وجہ مسیحیوں کے نزدیک بھی ہو تو بہت اچھا ہے۔ لیکن انہیں چاہیئے کہ عقیدہ تثلیث سے توبہ کریں ورنہ جب دونوں مسیح صاحب معجزات ٹھہرے اور دونوں نے الوہیت کا دعوٰی کیا اور ایک نے دوسرے کو جھوٹا بتلایا تو کیسے معلوم ہو کہ پہلا سچا ہے اور اسکے معجزات خداءِ رحمٰن کی طرف سے ہیں' دوسرا جھوٹا ہے اور اسکے معجزات شیطان کی طرف سے ہیں؟ جیسا کہ مسیحی علماء کہتے ہیں۔ یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ پہلا جھوٹا ہو اور دوسرا سچا؟ جیسا کہ یہود کہتے ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں نکل سکتا۔ رہا تقدم وتأخر تو وہ سچے یا جھوٹے ہونے کا سبب نہیں بن سکتا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے بعد سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک سینکڑوں نے جھوٹا دعوئ نبوت کیا ہے۔ حق تو یہی ہے کہ تثلیث کا عقیدہ بالکل باطل ہے اور جناب مسیح علیہ السلام نے

---

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ بڑے نشان اور عجیب کام دکھانا' معجزات یا خوارق عادت امور ظاہر کرنا تو کجا نبوت کی دلیل بھی نہیں بن سکتے چہ جائیکہ الوہیت پر دلیل ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی بھی بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے۔ یہ ارشاد مرقس باب ۱۳ آیت ۲۲ میں بھی آیا ہے بلکہ بائبل کے مطابق کسی شخص کا صاحب معجزات ہونا مومن ہونے کی بھی دلیل نہیں بن سکتا چنانچہ متی باب ۷ آیت ۲۲ میں ہے ''اس دن بہتیرے مجھ سے کہیں گے اے خداوند! اے خداوند! کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھائے؟' اس وقت میں ان سے صاف کہہ دونگا کہ میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی۔ اے بدکارو! میرے پاس سے چلے جاؤ۔ ملاحظہ فرمائیے! حضرت مسیح علیہ السلام ان نبوت کے دعویداروں کو بدکار اور دولت ایمان سے بے بہرہ ارشاد فرماتے ہیں حالانکہ ان سے بدروحوں کا نکالنا اور دیگر بہت سے معجزات کا ظہور ہوا ہے۔ مسیحی حضرات کیلئے کیا جواز ہے کہ وہ معجزات عیسوی سے الوہیت مسیح ثابت کرسکیں؟ یہ تو دلیل نبوت وایمان بھی نہیں بنتے۔

(۲) موجودہ اردو بائبل (کتاب مقدس) میں یہ آیت اس طرح ہے ''اور جسکی آمد شیطان کی تاثیر کے موافق ہر طرح کی جھوٹی قدرت اور نشانوں اور عجیب کاموں کیساتھ'' اس سے پچھلی آیت میں بھی اسی بے دین دجال کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

عروج آسمانی تک کہیں صاف لفظوں میں نہیں فرمایا کہ "میں خدا ہوں"(۱) بلکہ اناجیل میں سینکڑوں جگہ انکی طرف انسان اور رسول خدا ہونے کی نسبت مذکور ہے۔ ان لوگوں کا اکثر استدلال

---

(۱) انہوں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دی وہ خود کو خدا کہلانا سوچ بھی نہیں سکتے چنانچہ انکے متعلق ایک واقعہ اس طرح آیا ہے "اور جب وہ باہر نکل کر راہ میں جا رہا تھا تو ایک شخص دوڑتا ہوا اسکے پاس آیا اور اسکے آگے گھٹنے ٹیک کر اس سے پوچھنے لگا کہ اے نیک استاد میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟ یسوع نے اس سے کہا تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا" (مرقس باب ۱۰ آیت ۱۷ لوقا باب ۱۸ آیت ۱۸) اللہ اکبر اتواضع عبدیت بندگی کی انتہاء دیکھئے کہ اپنے حق میں لفظ نیک و صالح {good} سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ نیک کہلانے کے لائق تو خدا کی ذات ہے۔ ہر طرح کی تعریف کا استحقاق اسکی ذات کو ہے۔ خوب غور فرمایئے! جو شخص اپنے متعلق "نیک" کہلانا پسند نہیں کرتا اور اسکو خدا کا حق قرار دیتا ہے وہ خود کو خدا کہلانا کیسے گوارا کریگا؟ جو انسان اپنے متعلق لفظ good قبول نہیں کرتا وہ لفظ God کہنے کی کیسے اجازت دے سکتا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی مدح میں ذرا سا لفظ بھی گوارا نہیں کرتے مبالغہ تو دور کی بات ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی مقام ہوتا ہے کہ وہ ہر تعریف کو تعریفوں والے خدا اللہ وحدہ لاشریک لہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنے آپکو خدا کا بندہ ہونا قابل فخر اعزاز سمجھتے ہیں۔ قرآن عزیز کیا خوب فرماتا ہے لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا(النساء ٤ آیت ۱۷۲) "مسیح (علیہ السلام) نے کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب ترین فرشتے اسکو اپنے لئے عار سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لئے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئیگا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کریگا" دوسری جگہ انکی دعوت کا خلاصہ یوں بتایا گیا ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (المائدہ آیت ۷۲ تا ۷٤) "وہ لوگ بے شبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) مسیح خدا ہیں۔ حالانکہ (خود) مسیح (یہود سے) یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل خدا ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی (اور جان رکھو کہ) جو شخص خدا کیساتھ شرک کریگا خدا اس پر بہشت کو حرام کر دیگا اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ وہ لوگ (بھی) یقیناً کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں سے تیسرا ہے۔ حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر یہ لوگ ایسے اقوال (وعقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہیں گے وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔ تو یہ کیوں خدا کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔

آیاتِ متشابہات کیساتھ ہے کہ یقیناً یہ بھی ان میں تاویل کے محتاج ہوتے ہیں۔ انکے اُن دلائل کی حیثیت وحالت ازالۃ الاوہام باب دوم اور مقدمہ باب دوم سے ناظرین پر بخوبی کھل جاتی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔(۱)

مسیحی قوم کا ایک بہت بڑا مغالطہ:

بعض حواریوں کے کلام میں لفظ ''خدا'' کا اطلاق جناب مسیح علیہ السلام کے حق میں آیا ہے اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کیونکہ کتب سماوی میں لفظ خدا' اللہ' الٰہ' رب' یہواہ وغیرہ کا اطلاق فرشتہ' مرشد' استاذ' نیک آدمی' آقا بلکہ عوام پر بھی ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مترجم ایک جگہ لفظ خدا یا اسکا ہم مثل لفظ (۲) لکھتا ہے اور دوسرا مترجم اُسی جگہ فرشتہ یا اسکے مانند کوئی اور لفظ (۳) تحریر کرتا ہے بلکہ ''محبت'' پر بھی لفظِ خدا کا اطلاق ہوا ہے۔ شیطان مردود پر بھی لفظ خدا اور الـٰـه العالم کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اسکے بہت سے شواہد ازالۃ الاوہام باب دوم کے مقدمہ میں امرِ پنجم کے تحت مذکور ہیں (۴) چند حوالے یہاں بھی لکھتا ہوں۔(۵)

---

(۱) نیز اظہار الحق کا باب چہارم بھی اسی بحث کیلئے مختص ہے جسکی تیسری فصل میں نصاریٰ کے اُن دلائل پر گفتگو کی گئی ہے جن سے وہ بزعم خود حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت ثابت کرتے ہیں۔

(۲) جیسے لفظ الٰہ' خداوند' رب' یہواہ' قدوس' قادر مطلق' حاکم' تمام جہاں' خداء ایں جہاں وغیرہ۔

(۳) مثلاً استاذ' آقا' راستباز آدمی' مرشد' بزرگ' حاکم وغیرہ۔

(۴) اظہار الحق باب چہارم کے مقدمہ میں امر چہارم کے تحت بھی مذکور ہیں۔ بائبل سے قرآن تک ج ۲ ص ۲۱۰ پر ملاحظہ فرمائیے۔

(۵) خلاصہ بحث یہ ہے کہ لفظ باعتبار معنی کے دو قسم پر ہے۔ ۱۔ حقیقت ۲۔ مجاز۔ ایک لفظ کو جس معنی کیلئے وضع کیا گیا ہے اس میں مستعمل ہو تو یہ لفظ کا حقیقی استعمال ہے اسے ''حقیقت'' کہتے ہیں۔ اگر لفظ کو اپنے اصل معنی حقیقی موضوع لہ میں استعمال نہ کیا جائے بلکہ کسی علاقہ ومناسبت کی وجہ سے دوسرے معنی کا قصد کیا جائے اور وہاں قرینہ موجود ہو جو معنی حقیقی کے مراد لینے سے مانع ہو تو اسے ''مجاز'' کہتے ہیں گویا لفظ اپنے اصل معنی سے تجاوز کر کے کہیں اور استعمال ہو گیا۔ (مجاز کی اقسام میں استعارہ' مجاز مرسل' مجاز مرکب' مجاز عقلی وغیرہ داخل ہیں) مثال کے طور پر کوئی شخص کہے کہ ''میں نے شیر دیکھا'' تو یہاں شیر سے مراد ایک مخصوص درندہ' جنگلی جانور' چیرنے پھاڑنے والا حیوان ہوگا کیونکہ شیر کا معنی حقیقی جس کیلئے لفظ شیر وضع ہوا یہی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کہے کہ ''میں نے ایک شیر کو زبردست تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھا'' (باقی اگلے صفحہ پر.............

بائبل میں لفظِ خدا' خداوند وغیرہ کا غیر اللہ پر اطلاق:

(۱) پیدائش باب ۳ آیت ۵ کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۶۲۵ء میں اس طرح ہے "وتکونانِ کَاللّٰہ" ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے "وَتکونانِ کالملائکہ" فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں ہے "مانند خدا باشند" اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں ہے "خدا کی مانند ہو جاؤ گے" دیکھئے! مترجم اوّل نے جس لفظ کا ترجمہ لفظِ "اللہ" کیساتھ کیا اسی لفظ کا ترجمہ مترجم دوم نے "ملائکہ" کیساتھ کیا۔

............تو یہاں شیر کا اصل معنی مراد لینا ممکن نہیں کیونکہ وہ ماہر تیر انداز نہیں ہوتا۔ یہ قرینہ ہے جو شیر کا حقیقی معنی (مخصوص حیوان) مراد لینے سے مانع ہے۔ لہٰذا شیر سے مراد "بہادر انسان" ہے جسکی شجاعت کی وجہ سے متکلم نے اسکو شیر کہہ دیا ہے اور مراد یہ ہے کہ میں نے شیر کی طرح ایک بہادر انسان دیکھا جو تیر اندازی کر رہا تھا۔ اس تمہید کے بعد اصول یہ ہے کہ کلام کو حتی الوسع حقیقی معنوں پر محمول کیا جائے اور مجاز کا بلاوجہ ارتکاب نہ کیا جائے لیکن جہاں لفظی یا معنوی یا حالی قرائن موجود ہوں جو معنی حقیقی مراد لینے میں رکاوٹ ہوں بلکہ ایسے قرائن ہوں جو معنی مجازی کا کوئی درست استعمال ظاہر کر رہے ہوں تو ایسی صورت میں مجاز ہی مراد لیا جائیگا۔ مزید برآں اگر کہیں کوئی قطعی دلیل موجود ہو جو معنی حقیقی مراد لینے سے مانع ہو تو اس صورت میں معنی مجازی کا مراد لینا واجب اور ضروری ہو جائیگا۔ بائبل مقدس میں مجاز اور مبالغہ کا استعمال کچھ زیادہ ہی ہے۔ اس اصول کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ بائبل کی بہت سی آیات (جو ظاہر ہے قطعی سمجھی جاتی ہیں) سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ شکل وصورت' جسم ومکان سے پاک ہے اس جہاں میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا محال ہے۔ انجیل یوحنا باب ۱ آیت ۱۸' باب ۵ آیت ۳۷' یوحنا کا پہلا خط باب ۴ آیت ۱۲' تیمتھیس کے نام پہلا خط باب ۶ آیت ۱۶ وغیرہ میں اسکی صراحت ہے۔ دوسری طرف بائبل میں آتا ہے کہ "تب خداوند ابراہام کو نظر آیا اور اس سے کہا کہ میں خدا قادر ہوں" (پیدائش باب ۱۷ آیت ۱)' اور یعقوب نے یوسف سے کہا کہ خدا قادر مطلق مجھے لوز میں جو ملک کنعان میں ہے دکھائی دیا اور مجھے برکت دی" (پیدائش باب ۴۸ آیت ۳) "تو نے خدا اور آدمیوں کیساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا" (پیدائش باب ۳۲ آیت ۲۸) "اور وہ اپنی توانائی کے ایام میں خدا سے کشتی لڑا" (ہوسیع باب ۱۲ آیت ۳) اور اس طرح کی بے شمار آیات ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اس دنیا میں خدا کا دیکھنا محال ہے تو اس سے کشتی لڑنا کیسے ممکن ہے؟ اور اسکے مغلوب ہو جانے کا کیا معنی؟ یقیناً یہ نظر آنے والا' دکھائی دینے والا' برکت دینے والا خدا عز وجل کے علاوہ تھا جیسا کہ بعض جگہوں پر صراحت ہے کہ وہ فرشتہ تھا۔ الغرض بائبل میں لفظ "اللہ' خدا' خداوند' رب' قادر مطلق وغیرہ کا اطلاق فرشتوں' انسانوں' بزرگوں' حاکموں' شیطان بلکہ غیر ذی شعور چیزوں پر ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان مقامات پر حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہیں بائبل کی قطعی آیات بطور قرینہ حقیقت مراد ہونے سے مانع ہیں ہر جگہ حسب موقع کوئی مجازی معنی مراد ہوگا۔ اسی طرح اگر کہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں لفظِ خدا یا خداوند وغیرہ آ گیا ہے تو اسے استاذ ومرشد وغیرہ کے معنی میں کیوں نہیں لے لیا جاتا جبکہ اسکے قرائن اور بھی زیادہ ہیں جیسا کہ آگے چل کر مصنف نے لکھا ہے۔

جبکہ تیسرے اور چوتھے مترجم نے لفظِ ''خدا'' کیساتھ ترجمہ کیا۔(۱)

(۲) پیدائش باب ۶ آیت ۲ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں ہے ''فری بنو الله بنات الناس هن حسنات اتخذوا لهم نساء'' عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے ''رای بنو الاشراف بنات العامة حسانا'' فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں ہے ''فرزندانِ خدا دختران انسان را مشاہدہ کردند'' اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں ہے ''خدا کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا'' دیکھئے! مترجم اوّل نے لفظِ ''الله'' اور مترجم دوم نے لفظِ ''اشراف'' لکھا ہے جبکہ تیسرے اور چوتھے مترجم نے لفظ ''خدا'' لکھا ہے حالانکہ یہ سب لوگ ایک ہی لفظ کا ترجمہ لکھ رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر لفظِ الٰہ اور خدا کا اطلاق:

(۳) خروج باب ۴ آیت ۱۶ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں اس طرح ہے ''انت لـه تكون استاذا'' اردو ترجمہ میں ہے ''تو اس کیلئے خدا کی جگہ ہوگا'' فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں ہے ''تو او را بجای خدا'' (۲)

---

(۱) موجودہ اردو بائبل (کتابِ مقدس) میں عبارت اس طرح ہے ''اور تم خدا کی مانند نیک وبد کے جاننے والے بن جاؤ گے۔

(۲) موجودہ اردو بائبل (کتابِ مقدس) میں پوری عبارت اس طرح ہے'' اور وہ تیری طرف سے لوگوں سے باتیں کریگا اور وہ تیرا منہ بنے گا اور تو اس کیلئے گویا خدا ہوگا'' یہاں دراصل اس واقعہ کا بیان چل رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنانا چاہا تو انہوں نے زبان کا عذر کیا کہ فصیح نہیں ہے رُک رُک کر بولتا ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے تسلی دی اور فرمایا کہ انسان کا منہ کس نے بنایا؟ کون گونگا یا بہرا یا بینا یا اندھا کرتا ہے؟ میں خداوند ہی سب کچھ کرتا ہوں سو تیری زبان کا ذمہ لیتا ہوں اور تجھے جو کہنا ہے سکھاتا رہونگا۔ اسکے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی منت کر کے معذرت کی کہ یہ پیغام رسالت کسی اور کے ہاتھ بھیج امیں اس عہدے سے مستعفی ہوتا ہوں (نعوذ باللہ) تب اللہ تعالیٰ کا قہر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھڑکا (نعوذ باللہ) پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تیرے بھائی ہارون کو بھی چنتا ہوں کہ وہ تیری طرف سے لوگوں کے سامنے بات کریگا وہ تیرا منہ اور زبان بنے گا اور تو اس کیلئے گویا خدا ہوگا۔ عربی بائبل (الکتاب المقدس) مطبوعہ دار الکتب المقدس فی الشرق الاوسط لبنان ۱۹۹۵ء میں آخری جملہ اس طرح ہے ''وانت تكون له كانك الله يوحى اليه'' دوسری عربی بائبل (مطبوعہ ادارہ خدا) میں آخری جملہ اس طرح ہے ''وانت تكون له الها'' (باقی اگلے صفحہ پر.........

(۴) خروج باب ۴ آیت ۲۴ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۶۲۵ء میں اس طرح ہے "فلما کان موسیٰ فی الطریق تلقاہ الرب الخ" فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں ہے "و در راہ چنیں واقع شد کہ در منزل گاہ خداوند او را در یافتہ" اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں ہے "اور راہ میں منزل پر یوں ہوا کہ

............انگریزی فارسی تراجم بھی انکے مطابق ہیں۔ دیکھئے! یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ اللہ الٰہ اور خدا کا اطلاق ہوا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ہارون تیرا منہ ہوگا اور تو اسکا الٰہ اور خدا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہاں خدا اور الٰہ کا لفظ حقیقی معنوں میں نہیں ہے اور نہ آج تک کسی نے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر استدلال کیا ہے بلکہ یہ لفظ مجازی طور پر استاذ و مرشد، رہبر و راہنما کے معنی میں آیا ہے۔ قارئین کرام! واقعہ کی دیگر جزئیات کا تجزیہ موجب طوالت ہوگا لہٰذا ہم اسے قلم زد کرتے ہیں تاہم اتنی بات تو بہت ہی واضح ہے کہ اگر کسی شخص پر خداوند کا قہر بھڑکے تو پھر وہ خدا کی سفارت و نمائندگی کا فرض کیا انجام دیگا؟ وہ پیغمبری اور رسالت کے منصب کو کیا نبھائیگا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلالت شان کے بارے میں توریت میں اس طرح آیا ہے "اور اس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خدا نے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا" (استثناء باب ۳۴ آیت ۱۰) حقیقت یہ ہے کہ خدا سے روبرو باتیں کرنے کی سعادت پانے والے لوگ خدا کے قہر وغضب کا مورد نہیں بنتے کیونکہ اگر ایک شخص پر خدا کا قہر بھڑکے تو پھر وہ دوسروں کو خدا کی رحمت کا راستہ کیا دکھائے گا۔ خدا کی رحمت وہدایت کی راہ وہی دکھاتا ہے جس پر خدائے پاک کی رحمت وشفقت کی موسلا دھار بارش ہو اور اسکا دل تجلیات الٰہی کا مرکز رہے۔ بلاشبہ انبیاء کرام علیہم السلام کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ پاک طینت ہوتے ہیں انکا خمیر جنت کی مٹی سے لیا جاتا ہے انہیں ہر وقت تجلیات حق کا مشاہدہ رہتا ہے خدا خود انکو انگلی پکڑ کر چلاتا ہے۔ قرآن کریم اس واقعہ کو یوں ذکر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ بہت سرکش ہو چکا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار میرا سینہ کھول دیجئے دعوت کا یہ کام میرے لئے آسان فرما دیجئے' میری زبان کی گرہ کھول دیجئے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا معاون بنا کر میری کمر مضبوط کر دیجئے۔ ایک ایک ہوتا ہے دو گیارہ ہوتے ہیں ہم دونوں مل کر آپ کا خوب خوب ذکر و تسبیح کرینگے میں بات کرونگا وہ میری تائید کریگے اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی انکی دعا کو شرف قبول بخشا اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی نبوت سے سرفراز کر دیے گئے بلاشبہ کوئی بھائی اپنے بھائی کیلئے اس سے بہتر منصب کی دعا نہیں کر سکتا۔ (تفصیل کیلئے سورہ طٰہٰ آیت ۲۴ کے تحت قرآنی تفاسیر کی طرف مراجعت کیجئے) مگر محرف توریت نے خدا کے سفراء کرام انبیاء عظام اور مذہبی پیشواؤں کو جو "عزت" دی ہے اسکا کیا کہنا کبھی بتاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جان بوجھ کر ایک مصری کو قتل کر کے اُسے ریت میں چھپا دیا (خروج باب ۲ آیت ۱۱) کبھی بتاتی ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ کی تقدیس نہ کی اور عتاب کا شکار ہوئے (گنتی باب ۲۰ آیت ۱۲، استثناء باب ۳۲ آیت ۵۰) کبھی بتاتی ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی (خروج باب ۳۲ آیت ۵) نعوذ باللہ من ذالک

یہواہ اُسے ملا الخ" عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے "فلما كان في الطريق فجاء ولده ملاك الـلّٰـه" یعنی جس وقت موسیٰ راہ میں تھا اچانک اسکے بیٹے کے پاس فرشتہ آیا(۱) دیکھئے! جس لفظ کا ترجمہ پہلے مترجمین نے لفظِ رب یا خداوند یا یہواہ کیساتھ کیا مترجم عربی بائبل ۱۸۱۱ء نے اسکو فرشتہ کیساتھ ترجمہ کیا(۲) اگرچہ اسکے ترجمہ میں کچھ اور بھی تفاوت موجود ہے۔(۳)

(۵) خروج باب ۷ آیت ۱ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۶۲۵ء میں اس طرح ہے "قد جعلتك الها لفرعون" اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے "قد جعلتك استاذا لفرعون" دیکھئے! ایک ہی لفظ کا ترجمہ ایک مترجم لفظ "الہ" کیساتھ کرتا ہے اور دوسرا مترجم لفظِ "استاذ" کیساتھ کرتا ہے(۴)

---

(۱) موجودہ اردو بائبل (کتاب مقدس) میں اس طرح ہے "اور راستہ میں منزل پر خداوند اسے ملا" بائبل میں یہاں ایک واقعہ کا مضمون چل رہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغام نبوت ملا تو وہ لوٹ کر اپنے سسر (ولید نسیق) کے پاس گئے اور اجازت لیکر اپنے بیوی بچوں کو لیے مصر روانہ ہوئے۔ مفسرین بائبل یہ بتاتے ہیں کہ پیغام رسالت ملنے پر سب سے پہلے خود موسیٰ کو فرمانبرداری سیکھنا تھی لہٰذا انہوں نے اپنے بیٹے (جیرسوم یا الیعزر) کا ختنہ کرنا چاہا مگر انکی مدیانی بیوی صفورہ نے مخالفت کی۔ اس پر خدا موسیٰ سے ناراض ہوا اور بڑے غصہ میں راستہ چل منزل پر اسے ملا اور اسے شدید بیماری سے مار ڈالنے کی دھمکی دی (نعوذ باللہ) تب صفورہ نے بادل نخواستہ اپنے بیٹے کا ختنہ کر کے اپنے خاوند کی جان بچائی اور اسے "خونی دلہا" کہا۔ صفورہ نے خداوند پر ایمان واطاعت میں جو کمی دکھائی اس پر موسیٰ نے اسے اپنے دونوں بیٹوں کیساتھ انکے باپ کے گھر بھیج دیا۔ (تفسیر ولیم میکڈونلڈ، ص۱۲۲ تفسیر الکتاب میتھیو ہینری، ج ۱، ص ۱۸۰)

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راستہ میں ٹھہرے ہوئے مقام پر جو ملا وہ کون تھا؟ بعض مترجمین نے اسے رب، خداوند وغیرہ سے تعبیر کیا اور کسی مترجم نے اسے "فرشتہ" سے ترجمہ کیا ہے جس کا صاف مطلب ہے کہ اس فرشتے پر لفظ رب، خداوند، یہواہ بولا گیا ہے۔

(۳) پہلے تین تراجم یہ بتاتے ہیں کہ وہ خداوند (فرشتہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا اور انہیں مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ چوتھے عربی ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انکے بیٹے کے پاس آیا اور چاہا کہ اسے مار ڈالے۔

(۴) موجودہ عربی ترجمہ میں بھی یہی عبارت ہے۔ فارسی بائبل میں ہے "ببین ترا بر فرعون خدا ساختہ ام" اردو ترجمہ میں اس طرح ہے "دیکھ میں نے تجھے فرعون کیلئے گویا خدا ٹھہرایا" غور فرمایئے! یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کیلئے خدا اور الٰہ کہا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حقیقی معنوں پر محمول نہیں بلکہ اس سے مراد استاذ و معلم ہے جیسا کہ اردو ترجمہ نگاروں نے "گویا" کے لفظ سے بھی یہی ظاہر کرنا چاہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس اس لئے تشریف لائے تھے کہ اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی الوہیت کی طرف بلائیں نہ یہ کہ خود اس کیلئے الٰہ حقیقی بن بیٹھیں۔ (نعوذ باللہ)

فرشتہ پر لفظِ خدا کا اطلاق:

(۶) قضاۃ باب ۱۳ آیت ۲۱، ۲۲ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں اس طرح ہے "اور یہواہ کا فرشتہ مانوح اور اسکی جورو کو پھر دکھائی نہ دیا۔ تب مانوح نے جانا کہ وہ یہواہ کا فرشتہ تھا۔ تب مانوح نے اپنی جورو سے کہا کہ ہم اب مر جائیں گے کیونکہ ہم نے خدا کو دیکھا" انتہٰی (۱) فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں آیت ۲۲ اس طرح ہے "و مانوح بزنِ خود را فرمود کہ البتہ ما خواہیم مُرد بسبب آنکہ خدائے را معائنہ کردیم" انتہٰی۔ اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں اس طرح ہے "و مانوح بزنش گفت کہ البتہ مے میریم زیرا کہ خدا را نگران شدیم" (۲) دیکھئے! اس باب کی آیت ۲۲ میں فرشتہ پر خدا کا اطلاق ہوا۔ (۳)

انسانوں اور حاکموں پر لفظِ خدا کا اطلاق:

(۷) زبور ۸۲ آیت ۱ عربی ترجمہ میں اس طرح ہے "قام الله فی مجمع الالهه یدین الالهه" (۴) فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں ہے "خدا در جماعتِ بزرگان ایستادہ است درمیانِ حاکمان محاکمہ مے نماید" (۵) اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں ہے "خدا زبردستوں کے مجمع میں کھڑا

---

(۱) موجودہ اردو بائبل (کتاب مقدس) کا ترجمہ اسکے مطابق ہے عبارت یوں ہے "پر خداوند کا فرشتہ نہ پھر منوحہ کو دکھائی دیا نہ اسکی بیوی کو۔ تب منوحہ نے جانا کہ وہ خداوند کا فرشتہ تھا۔ اور منوحہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ ہم اب ضرور مر جائینگے کیونکہ ہم نے خدا کو دیکھا" عربی بائبل (الکتاب المقدس) مطبوعہ لبنان ۱۹۹۵ء میں اس طرح ہے "فعلم منوح من ذالك انه ملاك الرّب فقال لامرأته سنموت لاننا رأینا الله"

(۲) موجودہ فارسی بائبل مطبوعہ کوریا ۱۹۸۷ء میں اس طرح ہے "پس مانوح دانست کہ فرشتہ خداوند بود و مانوح بزنش گفت البتہ خواہیم مُرد زیرا کہ خدا را دیدیم" الغرض بائبل کی عبارت کا متن دونوں باتوں میں صریح ہے کہ وہ دکھائی دینے والا فرشتہ تھا اور اس پر لفظ اللہ اور خدا بولا گیا ہے۔

(۳) کیونکہ دیگر چیزوں کی بہ نسبت فرشتہ میں جلال خداوندی کا عکس زائد تر ہے اس وجہ سے اُس پر مجازاً لفظ خدا اور لفظ اللہ بولا گیا ہے۔

(۴) عربی بائبل مطبوعہ لبنان ۱۹۹۵ء میں اس طرح ہے "الله فی مجلسه الالهیّ فی وسط الالهه یقضی"

(۵) موجودہ فارسی بائبل مطبوعہ ۱۹۸۷ء میں اس طرح ہے "خدا در جماعتِ خدا ایستادہ است درمیان خدایان داوری میکند"

ہے معبودوں کے درمیان وہ عدالت کرتا ہے“ (۱) دیکھئے! بزرگوں اور حاکموں پر لفظِ آلِھَہ اور معبودوں کا اطلاق ہوا ہے۔ (۲)

(۸) زبور ۸۲ آیت ۶ اُردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں ہے ”میں نے تو کہا کہ تم سب خدا ہو اور ہر ایک تم میں سے حق تعالیٰ کا فرزند ہے“ (۳) دو اَور اُردو ترجمے جو میرے پاس موجود ہیں اسکے موافق ہیں مگر ایک میں لفظِ ”خدا“ کی جگہ ”الٰہ“ کا لفظ ہے اور اُردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء بھی عبارت میں اول کے مطابق ہے مگر اس میں یہ آیت زبور ۸۱ میں واقع ہے۔ عربی ترجمہ میں یوں ہے ”انـا قـلـت انتم آلھۃ“ یعنی میں نے کہا تم معبود ہو۔ زبور کی اسی آیت کی طرف جناب مسیح علیہ السلام کے اس قول میں اشارہ ہے جو یوحنا باب ۱۰ میں مذکور ہے جو آنجناب نے یہود کے جواب میں فرمایا تھا۔ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۶۷۱ء ۱۸۱۱ء میں آیت ۳۴ ہے ”فـاجـاب لـهـم يـسـوع اليـس مكتوبا فى نـامـوسـكـم "انى قلت انكم آلهة" (۴) فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء ۱۸۲۸ء ۱۸۳۱ء میں آیت ۳۴ ہے ”عیسیٰ بآنہا گفت آیا کہ در آئین شما نگارش نیافتہ است کہ من گفتم کہ شما خدایا ہستید“ (۵) اردو

(۱) موجودہ اردو بائبل میں اس طرح ہے ”خدا کی جماعت میں خدا موجود ہے۔ وہ الہوں کے درمیان عدالت کرتا ہے“ یہ سب تراجم مصنف کے دعویٰ پر صریح دلیل ہیں کہ بزرگوں اور حاکموں پر خدایان اور الہوں کا لفظ بولا گیا ہے۔

(۲) جس طرح اللہ جل جلالہ کو قدرت تامہ اور اختیار کامل حاصل ہے اسی طرح ان بزرگوں، قاضیوں اور حاکموں کو بھی فی الجملہ کسی درجے میں اختیار حاصل ہے گو وہ اختیار محدود ہی سہی اس لئے مجازی طور پر اُنکے لئے یہ الفاظ بولے گئے ہیں۔ چنانچہ مفسرین بائبل بھی یہی کہتے ہیں ”انہیں الٰہ کہا گیا ہے کیونکہ وہ خدا کے نمائندے ہیں اُس نے انہیں اپنے خادم مقرر کیا ہے تاکہ سماج میں انتظامی اُمور کو چلائیں۔ درحقیقت وہ ہماری طرح کے انسان ہیں لیکن اپنی حیثیت کے لحاظ سے وہ خداوند کی طرف سے مسح کیے ہوئے ہیں۔ اگر وہ خدا کو شخصی طور پر نہیں بھی جانتے تاہم عہدہ کے لحاظ سے وہ خدا کے نمائندے ہیں اس لئے انہیں یہاں الٰہ کے نام سے اعزاز دیا گیا ہے اس نام کا بنیادی مطلب ہے ”زور آور“ (تفسیر ولیم میکڈونلڈ، ص ۲۹۶، مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ، فیروز پور روڈ لاہور ۲۰۰۵ء)

(۳) موجودہ اردو بائبل میں بھی اسی طرح ہے ”میں نے کہا تھا کہ تم الٰہ ہو اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو“ فارسی بائبل میں اس طرح ہے ”من گفتم کہ شما خدایانید و جمیع شما فرزندانِ حضرت اعلیٰ“

(۴) موجودہ عربی بائبل میں اس طرح ہے ”فقال لهم يسوع اما جاء في شريعتكم ان الله قال: انتم آلهة“

(۵) فارسی بائبل میں اس طرح ہے ”عیسیٰ در جواب ایشان گفت آیا در تورات شما نوشتہ نشدہ است کہ من گفتم شما خدایان ہستید“

ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۰ میں یوں ہے "یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو" اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۴ء اسکے مطابق ہے۔ دیکھئے! زبور اور انجیل کے ان تراجم کے مطابق لوگوں اور عوام پر لفظِ خدا اور الٰہ بولا گیا ہے۔(۱)

محبت پر لفظِ خدا کا اطلاق:

(۹) یوحنا کا پہلا عام خط باب ۴ آیت ۸، ۱۶ عربی ترجمہ مذکورہ میں ہے "ومن لم یکن ودوداً فلم یعترف اللہ لان اللہ محبۃ ..... ونحن قد عرفنا وآمنا بالمودۃ التی فینا ان اللہ ھو محبۃ ومن حل فی المحبۃ فقد حل فی اللہ وقد حلّ اللہ فیہ" اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں اس طرح ہے "لانّ اللّٰہ ھو المحبۃ...... فانّ اللہ ھو المحبۃ" فارسی ترجمہ مذکورہ میں ہے "وآنکس کہ محبت ندارد خدا را نشناخت ازانجا کہ خدا عین محبت است...... وما یافتہ ایم وقبول نمودہ ایم آن محبتی را کہ خدا بما دارد وخدا خود محبت است پس آنکہ در محبت است در خدا است وخدا در وے است" اردو ترجمہ مذکورہ میں اس طرح ہے "جو کوئی محبت نہیں رکھتا وہ خدا کو نہیں جانتا کیونکہ خدا محبت ہے...... جو محبت خدا کو ہم سے ہے اسکو ہم جان گئے اور ہم نے اس پر اعتقاد کیا ہے۔ خدا محبت ہے وہ جو محبت میں رہتا ہے خدا میں رہتا ہے اور خدا اُس میں" انتہی (۲) اردو ترجمہ

---

(۱) ظاہر ہے کہ یہاں زبور ۸۲ اور انجیل یوحنا باب ۱۰ میں جو انسانوں (قاضیوں، حاکموں) پر لفظِ خدا کا اطلاق ہوا ہے اور حضرت داود علیہ السلام نے لوگوں سے کہا ہے کہ "تم سب الٰہ ہو" تو یہ لفظ الٰہ وخدا کا استعمال حقیقی معنوں میں نہیں ہے بلکہ مجازاً نیک وصالح کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ "تم سب نیکوکار پرہیزگار ہو" کیونکہ تقویٰ وصلاح، نیکوکاری وراستبازی اللہ جل جلالہ کی شان کا مظہر ہے۔ متقی وصالح شخص کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ عبارت کا سیاق وسباق بھی یہی بتاتا ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کے قاضیوں کو اُنکی ذمہ داری اور فرض کی ادائیگی کا احساس دلایا گیا ہے۔ بائبل کے مفسر میتھیو ہنری اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اس نے اُنکو خدا کہا کیونکہ اُنکا تقرر خدا کی طرف سے ہے۔ اُس نے اُنکو اپنا نائب بنا کر مقرر کیا کہ لوگوں کے امن وامان کے محافظ ہوں۔ خدا نے اپنی کچھ عزت اُنکو عطا کی ہے اور اُنکو دنیا کے نظام سلطنت کو چلانے میں استعمال کرتا ہے" (تفسیر الکتاب میتھیو ہنری، ج ۲، ص ۲۰۲، مطبوعہ چرچ فاؤنڈیشن سیمنارز، لاہور ۲۰۰۴ء)

(۲) موجودہ عربی، فارسی، اردو، انگریزی تراجم الفاظ کے خفیف سے فرق کیساتھ اُسکے مطابق ہیں عربی میں ہے "اللہ محبۃ" فارسی میں ہے "خدا محبت است" اردو بائبل میں ہے "خدا محبت ہے" انگریزی تراجم میں ہے "God is Love"۔

مطبوعہ ۱۸۴۰ میں ہے ''خدا محبت ہے'' (آیت ۸) ''خدا محبت ہے'' (آیت ۱۶) دیکھئے! جناب یوحنا ''محبت'' پر لفظِ اللہ اور خدا کا اطلاق کر رہے ہیں۔(۱)

شیطان پر لفظِ خدا اور الٰہ کا اطلاق:

(۱۰) پولس کرنتھیوں کے نام دوسرے خط باب ۴ آیت ۳، ۴ میں لکھتے ہیں۔ عربی ترجمہ میں عبارت اس طرح ہے ''وان كان انجيلنا مستتراً فانما انكتم عن الهالكين الذين فيهم اله العالم هذا قد اعمى قلوب الكافرين لئلا يظهر لهم نور الانجيل الذى لمجد المسيح الذى هو صورة الله'' عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں آیت ۴ اس طرح ہے ''الذين طبق الله على افئدتهم'' فارسی ترجمہ میں یہ عبارت اس طرح ہے ''واگر مژدہ ما مخفی مانند بر ہالکان مخفی است۔ دانائی کہ خدائے ایں جہان فہم ہائے بے ایمان شان را کور کردہ است کہ مبادا روشنائی مژدہ جلال مسیح کہ شبیہ خدا است برایشاں تابد'' (۲) اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۰۴ء میں آیت ۴ اس طرح ہے ''اس جہان کے رب نے انکے فہموں کو جو بے ایمان ہیں اندھا کر دیا ہے الخ'' (۳) دیکھئے! آیت ۴ میں ''اله العالم'' یا ''خدائے ایں جہان'' سے عیسائیوں کے نزدیک شیطان مراد ہے تا کہ

---

(۱) تمام قدیم وجدید تراجم مصنفؒ کے دعوی پر صریح دلیل ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ یوحنا حواری محبت کو خدا کہہ رہے ہیں تو یہ حقیقی معنوں میں نہیں ہے بلکہ مجاز ہے۔ محبت خدا کا وصف خاص ہے اسکی سیرت اور خصوصی شان ہے گویا خدا محبت ہی محبت ہے اللہ تو بس پیار ہی پیار ہے۔ جو شخص محبت ورأفت شفقت ورحم اور حسنِ اخلاق سے متصف ہے وہی خدا کو صحیح جانتا ہے اور اس میں قائم رہتا ہے۔ جو محبت واخلاق نہیں رکھتا وہ خدا کو پورے طور پر نہیں جانتا۔ محبت کو خدائے مہربان کی ذات سے خاص تعلق ہے اسی خصوصیت کی وجہ سے مجازاً محبت کو خدا کہہ دیا گیا ہے۔ اگر محبت حقیقی معنوں میں خدا ہے پھر تو محبت کرنے والے کو کم از کم مستحق نجات ہونا چاہئے حالانکہ مسیحیت کے نزدیک اگر کوئی شخص محبت ہی محبت ہو حسنِ اخلاق عظمت کردار کا مالک ہو مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے کفارہ وصلیب پر ایمان نہ لائے بپتسمہ نہ لے تو اُس کیلئے ابدی عذاب عینِ انصاف ہے۔

(۲) موجودہ عربی وفارسی تراجم الفاظ کے تھوڑے سے فرق کیساتھ انکے مطابق ہیں۔

(۳) موجودہ اردو بائبل (کتاب مقدس) میں بھی تقریباً اس طرح لکھا ہے ''اور اگر ہماری خوشخبری پر پردہ پڑا ہے تو ہلاک ہونے والوں ہی کے واسطے پڑا ہے۔ یعنی اُن بے ایمانوں کے واسطے جنکی عقلوں کو اس جہان کے خدا نے اندھا کر دیا ہے تا کہ مسیح جو خدا کی صورت ہے اُسکے جلال کی خوشخبری کی روشنی اُن پر نہ پڑے''

اسکی نسبت خدا کی طرف نہ ہو(۱) لہٰذا ان دونوں لفظوں کو شیطان پر بولا گیا۔

ایک شبہ کا ازالہ:

یہاں لفظِ ''صورۃ اللہ'' یا لفظِ ''شبیہ خدا'' حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں آیا ہے اس سے غلط فہمی میں نہیں پڑنا چاہیے (۲) کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اور اُنکی اولاد کے حق میں ٹھیک یہی لفظ بولا گیا ہے۔ چنانچہ پیدائش باب ۱ آیت ۲۶، ۲۷ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں اس طرح ہے ''وخدا گفت کہ انسان را بصورتِ خود موافق شبیہ خود بسازیم ...... وخدا انسان را بصورتِ خود آفرید بصورتِ خدا اُورا آفرید ایشان را نر و مادہ آفرید'' اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں اس طرح ہے ''پھر خدا نے کہا کہ ہم آدمی کو اپنا عکس اور اپنی صورت بناتے ہیں ...... تب خدا نے آدمی کو اپنی صورت بنایا۔ خدا کی صورت پر اسے پیدا کیا پھر اس نے نر و مادہ بنایا'' عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۶۲۵ء میں ہے "خلق الله الانسان كصورته كصورة الله خلقه" (۳) پیدائش باب ۹ آیت ۶ فارسی ترجمہ کے مطابق اس طرح ہے ''ہر کہ خونِ انسان را بریزد خونش از انسان ریختہ شود زیرا کہ خدا انسان را بصورتِ خود ساختہ است'' (۴) اردو ترجمہ میں ہے ''اور جو کوئی انسان کا لہو بہائے اسکا لہو انسان ہی

---

(۱) مسیحی حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت میں ایک شر اور برائی کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے لہٰذا ''الٰہ العالم خدائے این جہاں اس جہاں کے خدا'' سے مراد شیطان ہے چنانچہ عربی بائبل مطبوعہ لبنان ۱۹۹۵ء میں اسی آیت پر حاشیہ دیکر لکھا ہے "هذا هو النص الوحيد الذى سمى الشيطان اله هذا العالم" یاد رہے کہ شیطان کو دوسری جگہ "سيد هذا العالم" یعنی ''دنیا کا سردار'' بھی کہا گیا ہے (یوحنا باب ۱۲ آیت ۳۱)

(۲) اور یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کی صورت اور خدا کی شبیہ ہیں لہٰذا وہ انسان نہیں بلکہ خدا ہوئے۔

(۳) موجودہ عربی، فارسی، اردو، انگریزی تراجم اسکے مطابق ہیں۔ یہاں انسان و آدمی سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ پہلے انسان کی تخلیق کا ذکر ہے اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں چنانچہ فارسی بائبل مطبوعہ ۱۹۸۷ء کی عبارت یوں ہے ''وخدا گفت آدم را بصورت ما و موافق شبیہ ما بسازیم''

(۴) موجودہ فارسی ترجمہ تقریباً اسکے مطابق ہے۔ عربی ترجمہ مطبوعہ لبنان ۱۹۹۵ء میں اس طرح ہے "من سفك دم الانسان يسفك الانسان دمه فعلى صورة الله صنع الله الانسان" اردو بائبل (کتاب مقدس) میں اس طرح ہے ''جو آدمی کا خون کرے اُسکا خون آدمی سے ہوگا کیونکہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے''

بنائے کہ انسان خدا کی صورت پر ہی بنایا گیا ہے" انتہی۔ پس صورت سے مراد صفت اور سیرت ہے۔(۱)

---

(۱) بائبل کی مذکورہ عبارات میں کہا گیا ہے کہ ہم نے حضرت آدمؑ حضرت عیسیٰؑ حضرت انسان کو اپنی صورت وشبیہ پر بنایا ہے اسکا یہ مطلب نہیں کہ خدا کی کوئی خاص جسمانی شکل ہے اور انسان کی شکل اسکی نقل ہے کیونکہ لیس کمثلہ شیء (الشوری آیت ۱۱) بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں اپنی صفات کاملہ کی ایک دھندلی سی جھلک رکھ دی ہے۔ علم' قدرت' حیات' حکمت' سمع' بصر' ارادہ' غضب' رحم' سخاوت وغیرہ تمام صفات رحمانی کی ناقص مثالیں اسکے اندر اللہ تعالیٰ نے ودیعت رکھی ہیں۔ قرآن کریم نے بھی اس مضمون کو اپنے خوبصورت پیرایہ بیان اور معجزانہ اسلوب بلاغت کیساتھ یوں ذکر کیا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِی اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ (التین آیت ۴، ۵) "بے شک ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا پھر اسکی حالت کو پست سے پست تر کر دیا" خلاصہ تفسیر یہ ہے کہ تین' زیتون' طور سینین اور بلد امین جیسے مقامات متبرکہ گواہ ہیں کہ ہم نے انسان کو سب سے اچھی صورت میں پیدا کیا ہے اور بہت ہی خوب شکل سانچے میں ڈھالا ہے۔ ایک انسان حسن تخلیق کا ایسا شاہکار ہے کہ اس میں دلائل فطرت کا ایک جہاں ہے سارے عالم میں جو چیزیں بکھری ہوئی ہیں وہ سب اسکے وجود میں جمع ہیں (وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذاریات آیت ۲۱) اسکی جسمانی قوتوں اور چڑھتی ہوئی جوانی کی بہار قابل دید ہوتی ہے۔ یہ اسکی ایک حالت ہوئی پھر اسکی مرضی کے بغیر اپنے آسمانی حکم سے اس حالت کو پلٹا اور بڑھاپے کی پست ترین حالت میں پہنچا دیا اسی طرح اللہ جل جلالہ بعد از موت دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ مگر اہل ایمان' صالح الاعمال لوگ بڑھاپے وضعف کے باوجود انجام کے اعتبار سے اچھے ہی رہتے ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ انکی عزت بڑھ جاتی ہے' انکے لئے دار آخرت میں ایک نئی زندگانی اور نیک بدلہ ہے جسے اجر غیر ممنون سے تعبیر فرمایا۔ دوسرے پہلو سے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں کچھ ایسی قوتیں اور ظاہری وباطنی خوبیاں اسکے وجود اصغر میں جمع کر دی ہیں کہ اگر یہ اپنی صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں سے سبقت لے جائے بلکہ مسجود ملائکہ بنے' سعادت وسیادت کا بادشاہ ٹھہرے اور اشرف المخلوقات قرار پائے۔ اگر یہ اپنا فرض منصبی خدا کی بندگی کا وظیفہ انجام نہ دے تو پھر اس سے بدتر کوئی چیز نہیں یہ جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر گمراہ ہے' اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف آیت ۱۷۹) حیوانات میں تو تحصیل کمالات کی استعداد ہی نہ تھی مگر اس بدنصیب نے صلاحیت کے باوجود حصول کمال کی کوشش نہ کی اور شیطان بن کر خبیثوں میں مل گیا یا اسکا اسفل السافلین درجہ ہے۔ مگر جو لوگ ایمان وعمل کی دولت رکھتے ہیں' خالص توحید پر قائم رہتے ہیں' تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور آخری نبی ﷺ کا اتباع کرتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ انہوں نے اچھے کام کیے' نظری وعملی قوتوں کو درست کیا۔ انکے لئے دار آخرت ہے جہاں انکو بادشاہوں کی طرح ہر نعمت میسر ہے۔ الغرض انسان روحانی وباطنی اعتبار سے بھی بہت اونچا ہے اور ظاہری وجسمانی اعتبار سے بھی اس سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز نہیں۔ حسن انسانی کے حوالے سے تاریخ اسلامی میں ایک عجیب واقعہ منقول ہے۔ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی جو عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار کے خاص لوگوں میں سے تھے اور بیوی سے بہت محبت رکھتے تھے ایک روز (باقی اگلے صفحہ پر..................

پیٹ پر لفظِ خدا اور الٰہ کا اطلاق:

(۱۱) بلکہ بے چارے شیطان کا بھی کیا ذکر لفظِ خدا وغیرہ کا اطلاق تو غیر ذی عقل اور بے شعور چیزوں پر بھی ہوتا ہے۔ پولوس فلپیوں کے نام خط باب ۳ آیت ۱۹ میں لکھتے ہیں۔ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۶۷۰ء ۱۶۲۱ء میں اس طرح ہے "اولئك الذين بطونهم آلهتهم" فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء ۱۸۲۸ء ۱۸۴۱ء میں اس طرح ہے "خداءِ آنہا شکم ایشتہ" اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۰ء ۱۸۴۳ء میں ہے "انکا خدا پیٹ ہے" (۱) دیکھئے یہاں "پیٹ" پر لفظِ خدا اور الٰہ بولا گیا ہے۔ (۲)

........چاندنی رات میں بیوی کیساتھ بیٹھے ہوئے بول اٹھے انت طالق ثلاثا ان لم تکونی احسن من القمر یعنی تم پر تین طلاق ہیں اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہ ہو۔ یہ کہتے ہی بیوی اٹھ کر پردہ میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دیدی بات ہنسی دل لگی کی تھی مگر اسلام میں طلاق کا حکم یہی ہے کہ کسی طرح بھی طلاق کا صریح لفظ بیوی کو کہہ دیا جائے تو طلاق ہو جاتی ہے خواہ ہنسی دل لگی ہی میں کہا جائے۔ عیسی بن موسی نے رات بڑی بے چینی سے گذاری۔ صبح کو خلیفۂ وقت ابو جعفر منصور کے پاس حاضر ہوئے اپنا قصہ سنایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ منصور نے شہر کے فقہاء اہل فتویٰ کو جمع کر کے سوال کیا سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق ہو گئی کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کیلئے امکان ہی نہیں مگر ایک عالم جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے تھے خاموش بیٹھے رہے۔ منصور نے پوچھا کہ آپ کیوں خاموش ہیں؟ تب یہ بولے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۃ التین تلاوت کی اور فرمایا کہ امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا احسن تقویم میں ہونا بیان فرمادیا ہے کوئی شئے اس سے زیادہ حسین نہیں۔ یہ سن کر سب علماء و فقہاء حیرت میں رہ گئے کوئی مخالفت نہیں کی اور منصور نے حکم دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ (الجامع لاحکام القرآن تفسیر الامام ابی عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی المالکی)

(۱) موجودہ عربی فارسی اردو اور انگریزی تراجم اسکے مطابق ہیں۔

(۲) ظاہر بات ہے کہ پیٹ کو خدا کہنا حقیقی معنوں میں نہیں ہے بلکہ مجاز ہے کہ ان لوگوں نے پیٹ اور اسکی خواہشات کو خدا بنا رکھا ہے۔ پرستش تو خدا کی ہونی چاہیئے اسی کے حکم پر چلنا چاہیئے مگر یہ لوگ پیٹ کے تقاضوں پر چلتے ہیں پیسے کے پجاری ہیں مردار دنیا کے طالب کتے ہیں چنانچہ محولہ بالا آیت کی پوری عبارت اس طرح ہے "انکا انجام ہلاکت ہے۔ انکا خدا پیٹ ہے۔ وہ اپنی شرم کی باتوں پر فخر کرتے ہیں اور دنیا کی چیزوں کے خیال میں رہتے ہیں" مفسر بائبل میتھیو ہنری لکھتا ہے "انکا پیٹ انکا خدا ہے۔ انہیں اپنی نفسانی خواہشات کے سوا کسی بات کی فکر نہیں جس طرح نیک لوگ اپنے خدا کے حکموں کی بجا آوری کرتے ہیں اسی طرح یہ اپنی خواہشات ہر طرح کی بھوک کی بجا آوری کرتے ہیں" (ج ۳، ص ۱۳۳۴) دوسرا مفسر ولیم میکڈونلڈ بھی یہی بات زیادہ وضاحت سے لکھتا ہے (ج ۵، ص ۵۵) بہرحال بطن پر لفظِ الٰہ کا اطلاق حقیقی معنوں میں ممکن نہیں۔ کوئی شخص بھی اپنے پیٹ کی عبادت کرتے ہوئے جھک کر سجدہ نہیں کر سکتا۔ (باقی اگلے صفحہ پر............)

لفظِ "ربّی" کا مطلب:

(۱۲) یوحنا باب ۱ آیت ۳۸ عربی ترجمہ میں یوں ہے "فقال لہ ربّی الذی تاویلہ یا معلم" فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۳ء، ۱۸۲۸ء میں ہے "آنہاں گفتند ربّی کہ ترجمہ آنست کہ ای استاذ" اردو ترجمہ میں ہے "اور انہوں نے اس سے کہا اے ربّی یعنی مرشد" دیکھئے! اس آیت میں ربّی کی تفسیر استاد اور مرشد کیساتھ خود ہی مذکور ہے۔(۱)

حاصل کلام:

پس جب لفظِ الٰہ' آلہہ' خدا' رب وغیرہ کا اطلاق اور استعمال اتنا عام ہے جیسا کہ اوپر گذرا تو اگر حواریوں کے کلام میں جنابِ مسیح علیہ السلام کے متعلق ایسا کوئی لفظ آجائے تو اس سے کیوں ٹھوکر کھائی جاتی ہے اس لئے کہ جنابِ مسیح علیہ السلام بلاشبہ ایک انسان ہیں جیسا کہ انسانوں کے حق میں لفظِ خدا اور الٰہ زبور میں واقع ہے۔ آپ علیہ السلام بھی ان "اشراف" میں سے ایک ہیں جن کے حق میں عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۶۲۵ء کے مطابق لفظِ آلہہ اور فارسی و اردو ترجمہ کے مطابق لفظِ خدا بولا گیا

.... مراد وہی ہے کہ خواہشاتِ بطن و نفس کو معبود ٹھہرالیا ہے۔ قرآن حکیم نے اس مضمون کو کیا خوبصورت انداز میں ذکر فرمایا ہے افرءیتَ مَنِ اتّخذَ الٰہہٗ ھَواہُ وَاَضلّہُ اللّٰہُ علیٰ عِلمٍ وَختمَ علیٰ سمعہ وقلبہ وجعلَ علیٰ بَصرہٖ غِشٰوۃً فمن یَھدیہ مِن بَعدِ اللّٰہ افلا تذکّرُون (الجاثیہ آیت ۲۳) بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) خدا نے (بھی) اسکو گمراہ کر دیا اور اسکے کان اور دل پر مہر لگادی اور اسکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اب خدا کے سوا اسکو کون راہ پر لاسکتا ہے؟ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟" مطلب یہ کہ جب کوئی شخص محض خواہشِ نفس کو حاکم والٰہ ٹھہرالے جدھر اسکی خواہش لے چلے ادھر ہی چل پڑے اور حق و ناحق صحیح یا غلط کے جانچنے کا معیار اسکے پاس پیٹ پیسہ' عورت دولت' حرص ہوس اور خواہشِ نفس ہی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اسکی اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اسکی حالت یہ ہوجاتی ہے کہ کان نصیحت نہیں سنتا' دل حق بات نہیں سمجھتا' آنکھ سے بصیرت کی روشنی نظر نہیں آتی۔ ظاہر ہے جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ایسی حالت میں پہنچ جائے پھر کون اسے ہدایت کر سکے۔

(۱) موجودہ عربی بائبل میں ہے "فقالا ربّی الذی تفسیرہ یا معلم" فارسی بائبل میں ہے "بدو گفتند ربّی یعنی ای معلم" اردو بائبل (کتابِ مقدس) میں ہے "انہوں نے اس سے کہا اے ربّی یعنی اے استاذ" الغرض قدیم وجدید تمام تراجم مدعا پر صریح ہیں۔

ہے۔ بلکہ جس طرح فرشتہ پر کتابِ قضاۃ میں لفظِ خدا بولا گیا وہی معنی یہاں مراد لینا افضل ہے (۱) اور محبت کا تو کیا ذکر اسی طرح شیطان مردود یا دیگر بے شعور چیزوں کا تو نام لینا ہی بے جا ہے۔

الحاصل حواریوں کے کلام میں جہاں کہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں لفظِ خدا یا الٰہ آئے تو وہ مرشد، مخدوم اور استاد کے معنی میں ہوگا جیسا کہ لفظِ ربّی کی تفسیر بمطابق یوحنا "استاد" سے کی گئی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء "قد جعلتك الهاً لفرعون" میں الٰہ کا لفظ استاد کے معنی میں مستعمل ہے۔ حواری لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے معلم، شاگرد اور مرید تھے اس اعتبار سے حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں یہ معنی زیادہ موزوں اور اچھا معلوم ہوتا ہے (۲) اور یہ بھی درست ہے کہ "شریف وصالح" کے معنی میں ہو جیسا کہ اشراف کے حق میں لفظِ الٰہ واقع ہوا۔ (۳)

---

(۱) کیونکہ جس طرح دیگر چیزوں کی بہ نسبت فرشتہ میں جلالِ خداوندی کا اظہار زائد طور پر ہے اس لئے اس پر لفظ خدا کا اطلاق ہوا اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی خاص نشانی ہیں اس لئے ان پر لفظ خدا بول دیا گیا ورنہ وہ ایک بندے تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام کیا اور بنی اسرائیل کیلئے انکو اپنی قدرت کا نمونہ بنا دیا۔ قرآن حکیم فرماتا ہے إن هو الا عبد انعمنا عليه وجعلناه مثلاً لبني إسرائيل (الزخرف آیت ۵۹)

(۲) کیونکہ وہ محض بارہ برس کے تھے کہ دنیا انکی تعلیم و تدریس، حکمت و نکتہ آفرینی سے حیرت زدہ رہ گئی چنانچہ لکھا ہے "اُسکے ماں باپ ہر برس عیدِ فسح پر یروشلیم کو جایا کرتے تھے اور جب وہ بارہ برس کا ہوا تو وہ عید کے دستور کے موافق یروشلیم کو گئے۔ جب وہ اُن دنوں کو پورا کر کے لوٹے تو وہ لڑکا یسوع یروشلیم میں رہ گیا اور اُسکے ماں باپ کو خبر نہ ہوئی۔ مگر یہ سمجھ کر کہ وہ قافلہ میں ہے ایک منزل نکل گئے اور اُسے اپنے رشتہ داروں اور جان پہچانوں میں ڈھونڈنے لگے۔ جب نہ ملا تو اُسے ڈھونڈتے ہوئے یروشلیم تک واپس گئے اور تین روز کے بعد ایسا ہوا کہ انہوں نے اُسے ہیکل میں استادوں کے بیچ میں بیٹھے اُنکی سنتے اور اُن سے سوال کرتے ہوئے پایا اور جتنے اُسکی سن رہے تھے اُسکی سمجھ اور اُسکے جوابوں سے دنگ تھے" (لوقا باب ۲ آیت ۴۱ تا ۴۷) حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ خدا نہ تھے بلکہ ایک عظیم پیغمبر، کامیاب معلم، حکیم استاد اور روشن ضمیر مرشد تھے۔ صلی اللہ علیہ وعلی نبینا وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین۔ قارئین! عبرانی محاورہ و اُسلوب اور بائبل کی بلاغت کو داد دیجئے کہ بھولے کہ اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی ماں باپ دونوں کا ذکر کیا ہے۔

(۳) اگرچہ انہوں نے تو ازراہِ تواضع و انکساری اپنے لیے شریف، نیک، صالح یا Good کا لفظ کہلانا یا سننا بھی گوارہ نہیں کیا (مرقس باب ۱۰ آیت ۱۷، لوقا باب ۱۸ آیت ۱۸) لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبر تھے اور ہر پیغمبر شرافت و عظمت، صلاح و نیکی کے اعلیٰ مرتبہ پر ہوتا ہے۔ سلام اللہ علیہ

بُرہانِ دوم

دوسری دلیلِ توحید جو تثلیث کو باطل کرتی ہے یہ ہے کہ تیسری اور نویں تنبیہ سے ثابت ہوا کہ مسیحیوں کے نزدیک تینوں اقنوموں میں اعتبارِ معتبر کے بغیر نفس الامر کے لحاظ سے امتیازِ حقیقی ہے اور تینوں واجب الوجود ہیں۔ پس ''خدا'' تین اقنوموں کا مجموعہ ٹھہرا جو آپس میں ممتاز اور ہر ایک واجب الوجود ہے اور یہ دو وجہ سے باطل ہے۔(۱)

(۱) مسیحی حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ اقانیم ثلثہ (باپ، بیٹا، روح القدس) میں سے ہر ایک مستقل اقنوم اور جوہر، علیحدہ شخص اور ذات ہے۔ ان تینوں کو کسی فرضی واعتباری یا محض ذہنی وفکری لحاظ سے نہیں بلکہ نفس الامر یعنی واقعی وحقیقی طور پر امتیاز حاصل ہے۔ یہ اقانیم نہ مخلوط ہوتے ہیں نہ تقسیم کو قبول کرتے ہیں بلکہ ہر ایک مستقل طور پر واجب الوجود ہے۔ مسیحی کتب دینیات میں اس عقیدہ کی تفصیل یوں آئی ہے ''جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا ہے اور ویسا ہی روح القدس ہے۔ باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق، روح القدس غیر مخلوق۔ باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود، روح القدس غیر محدود۔ باپ ازلی، بیٹا ازلی اور روح القدس ازلی۔ تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ہی ازلی ہے۔ اسی طرح نہ تین غیر محدود اور نہ تین غیر مخلوق ہیں بلکہ ایک ہی غیر مخلوق اور ایک ہی غیر محدود ہے۔ اسی طرح باپ قادرِ مطلق، بیٹا قادرِ مطلق اور روح القدس قادرِ مطلق ہے۔ تو بھی تین قادرِ مطلق نہیں بلکہ ایک ہی قادرِ مطلق ہے۔ ویسے ہی باپ خدا، بیٹا خدا اور روح القدس خدا ہے۔ تاہم تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے۔ اسی طرح باپ خداوند، بیٹا خداوند اور روح القدس خداوند ہے۔ پھر بھی تین خداوند نہیں بلکہ ایک ہی خداوند ہے۔ کیونکہ جس طرح مسیحی اُصول کے سبب ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ہر اقنوم بذاتہٖ خدا اور خداوند ہے۔ اسی طرح کاتھولک دین کے بموجب یہ کہنا منع ہے کہ تین خدا یا تین خداوند ہیں۔ باپ نہ کسی سے مصنوع ہے نہ مخلوق اور نہ مولود۔ بیٹا صرف باپ ہی سے ہے نہ مصنوع نہ مخلوق بلکہ مولود۔ روح القدس باپ اور بیٹے سے ہے۔ نہ مصنوع نہ مخلوق نہ مولود بلکہ صادر ہے۔ پس تین باپ نہیں بلکہ ایک ہی باپ ہے۔ تین بیٹے نہیں بلکہ ایک ہی بیٹا۔ تین روح القدس نہیں بلکہ ایک ہی روح القدس ہے۔ اور اس ثالوث میں کوئی بھی ایک دوسرے سے پہلے یا پیچھے نہیں۔ نہ کوئی ایک دوسرے سے بڑا یا چھوٹا ہے۔ بلکہ تینوں اقانیم یکساں ازلی اور باہم برابر ہیں۔ الغرض ہر اَمر میں جیسا کہ اُوپر بیان ہوا ہے واحد کی پرستش تثلیث میں اور ثالوث کی پرستش توحید میں کرنی واجب ہے۔ پس جو کوئی نجات چاہے ثالوث کو یوں ہی مانے۔ علاوہ اسکے ابدی نجات کیلئے ضرور ہے کہ وہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے تجسم پر بھی صحیح ایمان رکھے۔ کیونکہ صحیح ایمان یہ ہے کہ ہم اعتقاد رکھیں اور اقرار بھی کریں کہ ہمارا خداوند یسوع مسیح جو خدا کا بیٹا ہے خدا بھی ہے اور انسان بھی۔ وہ خدا ہے باپ کے جوہر (ذات) سے سب عالموں سے پیشتر مولود اور انسان ہے جو اپنی ماں کے جوہر (ذات) سے اس عالم میں پیدا ہوا۔ وہ کامل خدا اور کامل انسان ہے۔ نفسِ ناطقہ اور انسانی جسم سے موجود۔ الوہیت کی راہ سے باپ کے برابر۔ انسانیت کی راہ سے باپ سے کمتر۔ وہ اگرچہ خدا اور انسان ہے (باقی اگلے صفحہ پر)...................

ذاتِ باری تعالٰی میں ترکیب بوجوہ باطل ہے:

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ ہر مجموعہ اپنے وجودِ خارجی میں ان امور کا محتاج ہوتا ہے جن کا وہ مجموعہ ہے۔ پس یہ مجموعہ بھی اپنے وجودِ خارجی میں ان تین اقنوموں کی جانب محتاج ہوگا اور جب احتیاج ثابت ہوئی تو یہ اقنوم علت اور وہ مجموعہ معلول ٹھہریگا۔ معلول ہونا ممکن کا خاصہ ہے اور ذاتِ واجب الوجود اس سے منزہ ہوتی ہے۔ پس چاہیئے کہ مجموعہ واجب الوجود نہ ہو اور یہ بالاتفاق باطل ہے۔(۱)

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مرکب تین قسم پر ہے۔ ۱۔حقیقی ۲۔صناعی ۳۔اعتباری۔ مرکب حقیقی وہ ہے کہ نفس الامر میں حقیقتِ محصلہ ہو اسکا وجود کاریگر پیشہ والے کے بغیر اور اعتبار معتبر سے قطع نظر پایا جائے۔ مرکب صناعی وہ ہے کہ اسکا وجود صانع پیشہ ور کاریگر کے ذریعے پایا جائے جیسے کرسی اور

............تاہم دو نہیں بلکہ ایک ہی مسیح ہے۔ ایک ہی ہے۔ اس طور پر نہیں کہ الوہیت کو جسمانیت سے بدل ڈالا بلکہ اس طور پر کہ انسانیت کو الوہیت میں لے لیا۔ وہ مطلقاً ایک ہے جو ہروں (ذاتوں) کے اختلاط سے نہیں بلکہ اقنوم کی یکتائی سے۔ کیونکہ جس طرح نفسِ ناطقہ اور جسم مل کے ایک انسان ہوتا ہے اسی طرح خدا اور انسان مل کے ایک مسیح ہے۔ اس نے ہماری نجات کے واسطے دکھ اٹھایا۔ عالمِ ارواح میں اُتر گیا۔ تیسرے دن مُردوں میں سے جی اٹھا۔ آسمان پر چڑھ گیا اور خدا قادر مطلق باپ کے داہنے بیٹھا ہے۔ وہاں سے وہ زندوں اور مُردوں کی عدالت کیلئے آنے والا ہے"(مسیحی علم الٰہی کی تعلیم، ص ۱۳۸، مصنفہ پادری لوئیس برک ہاف، مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور، ۲۰۰۵ء) قارئین! اس تفصیل کے بعد کسی ثبوت کی ضرورت نہیں کہ مسیحیوں کے نزدیک خدا تین اقنوموں کا مجموعہ ہے اور ذاتِ خداوندی میں ترکیب کا ہونا' خدا کی ہستی کا متعدد چیزوں سے مل کر "مجموعہ" ہونا کئی وجوہات سے باطل ہے جیسا کہ دو وجہیں مصنف نے ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) ہر مرکب اپنے وجودِ خارجی میں ان چیزوں کا محتاج ہے جن سے وہ مل کر بنتا ہے لہٰذا ذاتِ خدا باپ' بیٹا' روح القدس کا مجموعہ و مرکب بھی ان تین اقنوموں کی طرف محتاج ہوگا کیونکہ باپ کو خدا ماننا کافی نہیں بلکہ بیٹے کو بھی خدا ماننا ضروری ہے۔ بیٹے کو خدا ماننا کافی نہیں بلکہ روح القدس کو خدا ماننا بھی ضروری ہے۔ الوہیت ان تینوں کی محتاج ہے۔ جب احتیاج ثابت ہوئی تو یہ تین اقنوم یا اجزا علت بنے اور مجموعہ معلول ہوا۔ معلول ہونا ممکن و حادث کا خاصہ ہے۔ معلول ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ چیز اپنی علت پر موقوف ہے اور علت سے پہلے وجود میں نہیں آسکتی۔ جس کا وجود دوسری چیز پر منحصر ہو وہ ازلی نہیں بلکہ حادث و فانی ہے لہٰذا مجموعہ واجب الوجود نہ رہا اور یہ بالاتفاق باطل ہے کیونکہ اہلِ اسلام ہوں یا مسیحی حضرات دونوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ذاتِ خداوندی کا واجب بالذات ہونا ضروری ہے کہ کسی امر خارجی یا علت یا جب کا لحاظ کیے بغیر اسکا وجود واجب ہے اور عدم محال ہے۔

چونکہ۔ مرکب اعتباری وہ ہے کہ اعتبار معتبر کے علاوہ نفس الامر میں ہرگز نہ پایا جائے جیسا کہ انسان اور پتھر کا مرکب محض اعتباری ہے۔(۱)

تقریرِ استدلال:

اس میں شک نہیں کہ بصورت مذکورہ میں خدا کا تین اقنوم سے مرکب ہونا یقیناً لازم آتا ہے گو بعض مسیحی از راہِ تعصب لفظِ ''ترکیب'' ظاہری طور پر زبان پر نہ لائیں۔ جب مرکب ٹھہرا تو بدیہی طور پر صناعی اور اعتباری تو نہیں ہوسکتا۔(۲) پس ضرور مرکب حقیقی ہوگا۔ مرکب حقیقی جن امور سے مرکب ہوتا ہے ان میں سے بعض امور دوسرے بعض کی طرف کسی نوعیت میں محتاج ہوتے ہیں خواہ ان امور میں کمیت اور کیفیت کا تعلق ہمیں معلوم ہو یا نہ ہو۔ پس اگر علاقہ و تعلق کا تقاضا یہ ہوگا کہ ایک امر کا وجود دوسرے کے بغیر پایا جائے تو احتیاج ثابت ہوئی۔ اگر یہ تقاضا نہیں تو وہاں ترکیب حقیقی نہیں رہتی بلکہ اعتباری و صناعی بن جاتی ہے۔ ذاتِ واجب الوجود جس میں گفتگو ہے وہاں مسیحیوں کے نزدیک ایسا ہی علاقہ پایا جانا مسلّم ہے پس انکے نزدیک تو شق اول ہی متعین ہے اور بس (۳) جب اِن تین اقنوموں میں سے ہر ایک کو واجب الوجود مانا اور اور واجب الوجود مستغنی بالذات' غیر محتاج ہوتا ہے تو اِن تین اقنوموں کے درمیان کسی طرح کی احتیاج نہ نکلی (۴)

---

(۱) تنہا ایک چیز کو مفرد اور ایک سے زائد چیزوں کے مجموعہ کو مرکب کہتے ہیں۔ مرکب حقیقی وہ ہے جو واقع میں مستقل طور پر حقیقۃً ثابت ہو اسکا وجود کسی صانع و کاریگر یا فرض کرنے والے کے فرض پر نہ ہو بلکہ اس سے سوا بھی بہر صورت پایا جائے۔ مرکب صناعی وہ ہے جو کسی کاریگر کی صنعت و حرفت کے ذریعے تشکیل پائے۔ مرکب اعتباری وہ ہے جسے محض فرض کرلیا جائے واقع میں اسکا کوئی وجود نہ ہو۔

(۲) کیونکہ مرکب صناعی صانع اور بنانے والے کاریگر پر موقوف ہوتا ہے اس سے پہلے وجود میں نہیں آسکتا اور ذات خدا کا وجود کسی اور کا عطا کردہ نہیں ہوسکتا۔ مرکب اعتباری تو ایک فرضی' خیالی اور وہمی چیز ہے اسکا نہ تو کوئی وجود ہے اور نہ حقیقت جبکہ ذات خداوندی صرف موجود حقیقی ہے بلکہ جملہ موجودات کا وجود اسی کا عطیہ ہے۔

(۳) کیونکہ انکا کہنا ہے کہ باپ کا مستقل وجود ہے جو بیٹے کے بغیر پایا جاتا ہے۔ بیٹا اور روح بھی مستقل وجود رکھتے ہیں۔

(۴) کیونکہ مرکب حقیقی کے اجزاء میں احتیاج اور افتقار ہوتی ہے سب اجزاء ایک دوسرے سے ملکر مجموعہ بنتے ہیں۔ مجموعہ ہر جز کا محتاج ہوتا ہے جب تینوں اقانیم کو مستغنی بالذات غیر سے بے نیاز مانا تو احتیاج نہ پائی گئی لہٰذا ترکیب حقیقی بھی نہ رہی۔

پس ترکیب حقیقی نہ پائی گئی اور خدا کا ایسے تین اقنوم سے مرکب ہونا باطل ٹھہرا اور یہ مطلوب تھا۔(۱)

برہانِ سوم

تیسری دلیلِ توحید کہ عموماً تثلیث کو باطل کرتی ہے یہ ہے کہ ان اقانیم ثلثہ سے میں ہر ایک کو واجب کہو یا نہ کہو دسویں تنبیہ کے مطابق ہر شئے کا مفہومِ عقلی تین قسم میں منحصر ہے۔ ۱۔ واجب بالذات ۲۔ ممتنع بالذات ۳۔ ممکن بالذات۔ جب خدا تین اقنوم کا مجموعہ ہوا تو یہاں عقلی طور پر یہی چند صورتیں ہیں۔

(۱) تینوں اقنوم واجب ہوں (۲) تینوں اقنوم ممتنع ہوں (۳) تینوں اقنوم ممکن ہوں (۴) بعض اقنوم واجب اور بعض ممتنع ہوں (۵) بعض اقنوم واجب اور بعض ممکن ہوں (۶) بعض اقنوم ممتنع اور بعض ممکن ہوں۔

اگر سب واجب ہوں جیسا کہ احتمالِ اول ہے تو ضرور واجب بالذات کے اشخاص کا تعدد لازم آئیگا اور یہ باطل ہے' اسکا اقرار شرکِ محض ہے(۲) اور انکا مجموعہ تیسری تنبیہ کے مطابق بھی واحدِ حقیقی واجب بالذات نہ ہو سکے گا۔(۳) اگر سب ممتنع ہوں یا بعض جیسا کہ دوسرا' چوتھا اور چھٹا

---

(۱) ترکیب صناعی واعتباری کا بطلان تو پہلے ثابت ہو گیا اور ترکیب حقیقی بھی ممکن نہیں تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ ایسی ذات ہے جو ہر طرح کی ترکیب سے پاک ہے اور ہر وہ عقیدہ باطل ہے جو خدا کے مرکب ہونے کو مستلزم ہو گو منہ سے التزام نہ بھی کیا جائے اور یہی مدعا ہے۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (البقرہ آیت ۱۶۳) اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (طٰہٰ آیت ۹۸)

(۲) جیسا کہ مسیحی حضرات کا عقیدہ یہی ہے کہ اقانیم ثلثہ باپ' بیٹا' روح القدس میں سے ہر ایک واجب الوجود' غیر مخلوق' غیر محدود' ازلی وابدی' قادرِ مطلق' خدا وخداوند ہے۔ جلال وکمال میں تینوں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

(۳) کیونکہ تین کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ تمام اعداد ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک چیز پر ایک زمانہ میں ایک ہی جہت سے مختلف عدد کا صادق آنا محال ہے۔ ایک سے زائد افراد جب حقیقۃً پائے جائیں تو ان پر وحدتِ حقیقی صادق ہونا ممکن نہیں یہ کوئی پر اسرار بھید یا ماورائے عقل چیز نہیں بلکہ کھلے طور پر خلافِ عقل چیز ہے۔ جس چیز کو عقل تسلیم نہ کرے بلکہ واضح طور پر رد کر دے وہ خلافِ عقل ہے اور جس چیز کے بارے میں عقل کوئی فیصلہ نہ دے اور اسے اپنے دائرہ ادراک سے باہر بتائے وہ ماورائے عقل ہے۔ فافہم وتدبر

احتمال ہے تو بدیہی ہے کہ واجب ان سے حاصل نہ ہوگا کیونکہ وہ سب امور جن سے مجموعہ حاصل ہوا تھا ان سب کا یا بعض کا انتفاء وامتناع مجموعہ کے معدوم اور ممتنع ہونے کو مستلزم ہے۔(۱) اگر سب ممکن ہوں یا بعض جیسا کہ تیسرا اور پانچواں احتمال ہے تو اس صورت میں بھی واجب حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ایسے امور جو اپنی ذات کے اعتبار سے قابلِ فنا وعدم ہیں اور اپنی ہستی میں محتاجِ غیر ہیں ان سے وہ ذات کیسے حاصل ہوئی جس پر کسی طرح عدم جائز نہیں' جو اپنے وجود میں ماسوا سے بالکل مستغنی ہے۔(۲)

وہ تثلیث جس کے بعض مسیحی علماء قائل ہیں اسکے ابطال کیلئے ان براہینِ ثلثہ پر اکتفا کرتا ہوں جو کہ عدد میں اقانیم ثلثہ کے موافق ہیں۔ جسکو اس سے زائد منظور ہو تو کتب حکمیہ کی طرف رجوع کرے۔(۳) جب دلائلِ مذکورہ کے مطابق جناب مسیح علیہ السلام کا لاہوت اقنومِ ابن کے اعتبار سے خدا ٹھہرانا جیسا کہ بعض اہلِ علم عیسائیوں کا عقیدہ ہے باطل ہوا تو جسم ونفسِ ناطقہ کے اعتبار سے جناب مسیح علیہ السلام یقیناً حادث ہیں۔ لہٰذا اس لحاظ سے انکو خدا کہنا بطریق اولیٰ باطل ہوگا اور اسکے ابطال کی کوئی حاجت ہی نہیں مگر اکثر مسیحی عوام اسی اعتبار سے انکو خدا جانتے ہیں اور لاہوت ناسوت کو نہیں پہچانتے کہ کس کو کہتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض معجزات واقوال سے دھوکا

---

(۱) اگر خدا تین اقنوموں کا مجموعہ ہو اور اس مجموعہ میں سے بعض اقنوم ممتنع وناممکن ہوں یا سب ممتنع الوجود ہوں تو کل مجموعہ واجب الوجود کیسے پایا جائیگا؟ کل کا وجود اپنے اجزاء وافراد پر موقوف ہوتا ہے۔ اجزاء کا عدم کل کے معدوم ہونے کو لازم ہے۔

(۲) ممکن وہ چیز ہوتی ہے جس میں وجود وعدم برابر ہوں۔ اسکی بقا وفنا اپنے موجد پر موقوف ہو جیسے مخلوقات کبھی پائی جاتی ہیں اور کبھی ختم ہو جاتی ہیں۔ بہر حال ممکن فنا وعدم کو قبول کرتا ہے اور اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر خدا تین اقنوموں کا مجموعہ ہو اور اُس مجموعہ میں سے بعض اقنوم ممکن ہوں یا سب ممکن ہوں تو ان سے وہ ذات حاصل نہیں ہو سکتی جو واجب الوجود' مستغنی بالذات' منزہ عن العدم ہو۔ کل کے خواص وہی ہوتے ہیں جو اجزاء کے ہوتے ہیں جب اجزاء امکان وحدوث' فنا وعدم کو قبول کریں تو اُن سے ایسا ''کل'' حاصل نہیں ہو سکتا جس پر عدم کا وقوع نہ ہو۔

(۳) علم العقائد یا علم الکلام اسلامی علوم کا ایک بہت وسیع فن ہے جس کے تحت ہر دور میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں بھی بہت سی تفصیلات موجود ہیں۔

کھاتے ہیں یہ غریب جہالت کی وجہ سے اپنے علماء کے نزدیک بھی مشرک ہیں تو انکی تسلی کیلئے برہانِ چہارم لانا پڑی۔(۱)

برہانِ چہارم

چوتھی دلیلِ توحید جو مسیحی عوام کی مزعومہ تثلیث کو باطل کرتی ہے(۲) یہ ہے کہ ایک برہان عقلی جو فلسفہ حقہ کے اصول پر مبنی ہے اسکی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ مبدءِ کل کائنات کی شانوں میں سے یہ تین شانیں بھی ہیں۔

---

(۱) مسیحی علماء اور مذہبی تعلیم سے بہرہ ور طبقہ کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کا خدا ہونا لاہوتی حیثیت سے یعنی اُقنوم ابن کے اعتبار سے ہے۔ نفسِ ناطقہ اور جسمِ مادی کے اعتبار سے وہ انسان ہیں گویا ان میں لاہوت (الوہیت) اور ناسوت (انسانیت) دونوں جمع ہیں۔ وہ بیک وقت کامل خدا اور کامل انسان ہیں۔ الوہیت کی راہ سے باپ کے برابر تو انسانیت کی راہ سے باپ سے کم تر ہے۔ مصنفؒ نے انتہائی شرح وبسط کیساتھ اس عقیدہ کا ابطال کیا ہے اور ان بے دانش دانشوروں کی "دانائی" کی حقیقت کھول کر رکھ دی ہے۔ جہاں تک مسیحی عوام اور مذہبی تعلیم سے نا آشنا طبقہ کی بات ہے تو وہ گھنٹیاں بجانے گیت گانے، عشاء ربانی کی دعوت کھانے اور اباحت عامہ سے فائدہ اٹھانے کے علاوہ کوئی مذہبی تکلفات نہیں رکھتے۔ وہ لاہوت ناسوت، الوہیت انسانیت، روحانیت مادیت کا چکر بھی نہیں سمجھتے۔ انکے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام سیدھے سادے لفظوں میں "خداوند یسوع مسیح خدا" ہیں۔ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو انکے بعض معجزات واقوال کی وجہ سے محض جسمانی طور پر ہی خدا سمجھتے ہیں۔ کسی انسان کو محض انسانی وجسمانی اعتبار سے خدا کہنا ان اہلِ علم مسیحی پیشواؤں کے نزدیک بھی شرک وکفر ہے۔ یہ عوام بے چارے اپنی جہالت کی وجہ سے کسی طرف کے بھی نہیں رہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم — نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

مصنفؒ کو اللہ تعالیٰ جزاءِ خیر دیں کہ انہوں نے ان لوگوں کو سمجھانے کیلئے اور انکے شبہات کا ازالہ کرنے کیلئے برہان چہارم ذکر کی ہے۔

(۲) مولانا سید آلِ حسن مہانیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) نے اپنی تصنیفِ لطیف "کتاب الاستفسار" کے شروع میں استفسار اول کے تحت اس برہان کو ذکر کیا ہے لیکن مولانا کیرانویؒ نے یہاں اسے قدرے تغیر اور تہذیب وترتیب کیساتھ لکھا ہے۔ مولانا مہانی کی یہ کتاب عقیدہ تثلیث، مسئلہ تحریف اور نبوت مصطفوی ﷺ کی تصدیق کے حوالے سے اٹھارہ استفساروں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر استفسار ایک مستقل باب بلکہ کتاب ہے۔ چونکہ انداز سوالیہ ہے اور مقصود عیسائیوں سے جواب کی طلب ہے اس لئے "استفسار" نام دیا گیا ہے۔

ذاتِ باری تعالیٰ حدود و قیود سے پاک ہے:

(۱) پہلی شان یہ ہے کہ وہ ایسی چیز نہیں کہ جب تک محدود نہ ہو اور اسکی حد بند نہ ہولے تب تک اسے نہ کہہ سکیں کہ ہے(۱) مثلاً انسان کہ جب تک جوہر مقید بجسم، جسم مقید بحیوان، حیوان مقید بناطق اور ناطق مقید باوضاع مخصوصہ واشکال معینہ نہ ہولے تب تک یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی انسان موجود ہے(۲) اسی طرح جسم کہ جب تک محدود بحدودِ متناہیہ نہ ہولے تو پایا نہیں جاتا(۳) سو حضرت مبدءِ کل ایسی قیود اور حدود سے منزہ ہے(۴) اور اس بات کو نقل بھی موید ہے(۵)

---

(۱) تمام کائنات کا مبداء، موجد، خالق و صانع اللہ جل جلالہ کی ذات پاک ہے۔ ہستی باری تعالیٰ کی بے شمار صفات، شئون یا حالتیں ہیں۔ ان میں سے پہلی شان اور صفت یہ ہے کہ وہ ذات موجود حقیقی ہوکر کسی حد میں بند اور کسی قید میں مقید نہیں ہے۔ تمام موجودات محدود ومقید ہونے کے بعد وجود رکھتی ہیں۔ اگر وہ محدود نہ ہوں اور کسی حد میں بند نہ ہوں تو انہیں موجود نہیں کہہ سکتے مگر مبداء عالم، خالق کائنات کی ذات گرامی ایسی نہیں ہے بلکہ وہ قیود وحدود سے منزہ ہے۔

(۲) انسان کا وجود بہت سی قیود کیساتھ مشروط ہے۔ ا۔ جوہر ہو ۲۔ جسم ہو ۳۔ حیوان ہو ۴۔ ناطق ہو ۵۔ وضع مخصوص شکل معین رکھتا ہو۔ جوہر اُسے کہتے ہیں کہ واقع میں قائم بالذات ہو، مستقل وجود رکھتا ہو۔ جوہر کے مقابلے میں عرض ہوتا ہے جو قائم بالغیر ہو یعنی مستقل وجود نہ رکھتا ہو جیسے موصوف جوہر ہے اور اسکی صفات اعراض ہیں۔ جسم اس شئے کو کہتے ہیں جس میں طول (لمبائی) عرض (چوڑائی) عمق (موٹائی، گہرائی) ہو لیکن اس میں امتداد اور نمو وافزائش نہ ہو جیسے پتھر۔ جسم نامی اس جسم کو کہتے ہیں جو طول، عرض، عمق میں نمو وافزائش کو قبول کرے اور بڑھے جیسے شجر۔ حیوان اس جسم کو کہتے ہیں جس میں نشوونما ہو، احساس ہو اور اپنے ارادے سے حرکت ہو۔ ناطق سے مراد بولنے والا۔ یہی صفت انسان اور حیوان میں مابہ الامتیاز اور حدِ فاصل ہے۔ دیکھئے! انسان کا وجود کتنی حدود میں بند ہے کہ وہ جوہر ہو، جسم ہو نامی ہو، حیوان ہو وغیرہ۔ اگر ان میں سے ایک قید بھی نہ ہو تو انسان کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔

(۳) جسم کے وجود کیلئے ضروری ہے کہ وہ طول، عرض، عمق میں کوئی حد رکھتا ہو۔ الغرض جملہ موجودات کا یہی حال ہے کہ وہ حدود میں بند ہو کر وجود رکھتی ہیں۔

(۴) فاطر کائنات، خلاق عالم، حضرت مبداءِ کل (اللہ جل جلالہ) کی ذات پاک جسم ومکان، شکل وزمان وغیرہ جیسی تمام حدود وقیود سے پاک ہے۔ ؎ اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم

(۵) جیسے عقل سلیم اسکا تقاضا کرتی ہے اسی طرح نقلی وسمعی دلائل بھی اسکی شہادت دیتے ہیں۔ درایت اور روایت دونوں طرح سے اس اصول کی تائید ملتی ہے۔ کتب مقدسہ صحف سماویہ اس پر گواہ ہیں قرآن کریم میں بھی بہت سے ارشادات ہیں جنکا ذکر موجب طوالت ہے ایک سورۃ الاخلاص والتوحید (سورہ ۱۱۲) پر ہی غور کر لیا جائے۔

استثناء باب ۴ آیت ۱۵ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارشاد یوں مذکور ہے "اس دن جب خدا نے آگ میں سے ہو کر حورب میں تم سے کلام کیا کسی طرح کی کوئی صورت نہیں دیکھی" (۱)

شریکِ باری تعالیٰ ناممکن ہے:

(۲) دوسری شان یہ ہے کہ وہ ایسا نہیں کہ اسکے ہوتے دوسرا بھی کہہ سکے کہ میں بھی ہوں اور وہ کسی مرتبہ میں ٹھٹک کر رہ جائے اور اسکے پرے یا ورے کوئی دوسرا ہو (۲) اسکو بھی نقلی تائید حاصل ہے۔

---

(۱) مصنف نے یہ ایک حوالہ نمونہ ذکر کیا ہے ورنہ اس مضمون کے اور بھی حوالے ملتے ہیں کئی ایک ماقبل میں گذرے ہیں

(۲) ہستی باری تعالیٰ کی دوسری شان یہ ہے کہ وہ تنہا تدبیر عالم کیلئے کافی ہے اسکے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا کہ میں بھی ہوں۔ نہ وہ کسی جگہ رُک کر رہ سکتا ہے اور نہ اسکے اِدھر اُدھر کوئی دوسرا ہو سکتا ہے سوال یہ ہے کہ ایک خدا تنہا تدبیر کائنات' انتظام عالم کیلئے کافی ہے یا نہیں؟ اگر کافی ہے تو دوسرا خدا بالکل ضائع' بے کار' فالتو ہے جسکی کوئی ضرورت نہیں۔ اور جسکی طرف کوئی احتیاج نہ ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ خدا کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ وہ سب سے مستغنی' بے نیاز ہو اور سارا عالم اسکا محتاج ہو۔ اور اگر ایک خدا تنہا تدبیرِ عالم کیلئے کافی نہیں تو یہ خدا عاجز ہوگا اور کسی دوسرے کا محتاج ہوگا۔ ظاہر ہے کہ عاجز و محتاج خدا نہیں ہو سکتا۔ مبداء کائنات اللہ جل جلالہ ایک ہی ذات خدا ہے جس کے ہوتے ہوئے نہ کسی دوسرے خدا کی ضرورت ہے نہ کوئی اسکا سچا دعویدار ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا ایک ہی ہے اور کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا کہ میں بھی ہوں۔ دوسرے پہلو سے دیکھئے کہ اگر ایک سے زائد خدا فرض کیے جائیں تو سوال یہ ہے کہ ایک خدا اپنے اسرار و رموز کو دوسرے سے مخفی رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر رکھ سکتا ہے تو دوسرا خدا بے خبر جاہل ہونے کی وجہ سے خدا نہ رہیگا اور اگر یہ خدا اپنے رازوں کو دوسرے سے مخفی نہیں رکھ سکتا تو یہ خدا عاجز ہونے کی وجہ سے خدا نہ رہیگا لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا ایک ہی ہے اور کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا کہ میں بھی ہوں۔ تیسرے پہلو سے دیکھئے کہ ذات باری تعالیٰ کیساتھ الوہیت میں کسی اور کا شریک ہونا ایک قسم کا عیب و نقص ہے کیونکہ "یکتائی" صفتِ کمال ہے۔ چنانچہ جب کسی کی مدح و تعریف کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ آپ یکتائے زمانہ ہیں' بے نظیر و بے مثال ہیں' آپ جیسا کوئی نہیں۔ جب خدا کی ہستی کیلئے ہر طرح کے عیب و نقص سے پاک ہونا ضروری ہے تو شرکت اور کسی دوسرے تیسرے خدا کی موجودگی سے پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ قرآن عزیز کیا خوب فرماتا ہے "ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (الروم آیت ۲۸) ایک اور انداز سے دیکھئے کہ اگر خدا وحید عالم اللہ جل جلالہ کو وحدہ لاشریک لہ تسلیم نہ کیا جائے اور اسے تمام امور میں کافی نہ سمجھا جائے تو پھر عقلاً دو یا تین خداؤں میں تحدید نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ جس دلیل سے آپ دو یا تین خدا مانیں گے اسی دلیل سے دوسرا شخص خدا کو زائد عدد میں مان سکتا ہے مثلاً مسیحی حضرات کہتے ہیں کہ "بائبل میں خدا کیلئے صیغہ جمع استعمال ہوا ہے۔ یہ جمع ادبی و تعظیمی نہیں (باقی اگلے صفحہ پر..........

استثناء باب ۳۲ آیت ۳۹ میں ہے "اب دیکھو کہ وہ میں ہی ہوں اور کوئی خدا میرا شریک نہیں۔ میں ہی مارتا ہوں اور میں ہی جلاتا ہوں' میں ہی زخمی کرتا ہوں اور میں ہی چنگا کرتا ہوں۔ ایسا کوئی نہیں جو میرے ہاتھ سے مخلصی دے" (۱) یسعیاہ باب ۴۰ آیت ۲۸ میں فرمانِ خداوندی یوں منقول ہے.

............بلکہ عددی و حقیقی ہے جیسا معلوم ہوا کہ خدا تین ہیں" سوال یہ ہے کہ اگر صیغہ جمع کو حقیقی معنوں پر محمول کرتا ہے تو اسے تین میں محدود کرنا کیوں ضروری ہے؟ اگر جمع کا اطلاق تین پر ہوتا ہے تو اس سے زائد بے شمار اعداد پر بھی صیغہ جمع ہی بولا جاتا ہے لہٰذا اسے تین میں منحصر کرنا علم و عقل اور انصاف و عدل کا خون کرنا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا کو ایک نہ ماننا درحقیقت غیر محدود اور لاتعداد خداؤں کے ماننے کیلئے دروازہ کھولنا ہے۔ ایک عابد کیلئے ایک معبودِ حقیقی اللہ جل جلالہ کی بندگی آسان ہے اور غیر محدود معبودوں کی عبادت و اطاعت بہت مشکل اور تکلیف مالایطاق ہے۔ قرآن حکیم کیا خوب فرماتا ہے ضرب اللہ مثلاً رجلاً فیہ شرکاء متشاکسون ورجلاً سلماً لرجل هل یستویان مثلاً الحمد للہ بل اکثرهم لایعلمون (الزمر آیت ۲۹)

ایک در چھوڑ کے تم ہوگئے لاکھوں کے غلام   تم نے آزادی عرفی کا نہ سوچا انجام

لہٰذا ثابت ہوا کہ مبداءِ کائنات ذاتِ خداوندی ایک ہی ہے اور کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا کہ میں بھی ہوں۔ الغرض خداءِ عزوجل کی توحید کا مسئلہ اتنا واضح' روشن' بدیہی' کھلا' دوٹوک اور قطعی ہے کہ انسان کا ضمیر خود اسکی شہادت دیتا ہے اگر اسکی فطرت مسخ نہ ہوئی ہو تو وہ اس کیلئے کسی لمبی چوڑی دلیل و برہان کا محتاج نہیں رہتا بلکہ ہر انسان کا اپنا "علم الکلام" ہے اور ہر شخص کا اپنا اندازِ استدلال ہے چنانچہ ایک ان پڑھ دیہاتی بڑھیا سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے پاس وجودِ باری تعالیٰ پر کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا کہ میری دلیل میرا چرخہ ہے۔ جب میں اسکو چلاتی ہوں تو چلتا ہے اور جب اسکو چھوڑ دیتی ہوں تو ٹھہر جاتا ہے۔ جب یہ چھوٹا سا چرخہ بغیر چلائے چل نہیں سکتا تو اتنا بڑا آسمان بغیر کسی چلانے والے کے کس طرح چل سکتا ہے؟ اس بڑھیا سے پوچھا گیا کہ خدا ایک ہے یا دو تین۔ اس نے کہا خدا ایک ہے۔ پوچھا گیا دلیل پیش کرو۔ کہنے لگی یہی میرا چرخہ چونکہ میں اسکو تنہا چلاتی ہوں اگر کوئی دوسری عورت میرے ساتھ بیٹھ کر چرخہ چلائے تو دو حال سے خالی نہیں۔ چلانے میں میری موافقت کرے گی یا مخالفت اگر موافقت کرے گی تو رفتار تیز ہو جائیگی سوت کے تار ٹوٹ جائینگے اور اگر مخالفت کرے گی تو چرخہ برباد ہو کر رہ جائیگا۔ اسی طرح اگر خدا ایک نہ ہو بلکہ دو یا زیادہ ہوں تو پھر زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہو جائیگا۔ سبحان اللہ! اسی مضمون کو قرآن مجید نے بھی اپنے ارشاد لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا فسبحان الله رب العرش عما یصفون (الانبیاء آیت ۲۲) میں ذکر کیا ہے۔ اسی دلیل کو علماءِ کلام نے مختلف عنوانات اور اسالیب سے ذکر کیا ہے۔ اسکی ایک تقریر "برہانِ تمانع" کے نام سے بھی بیان کی جاتی ہے۔

(۱) موجودہ اردو بائبل (کتابِ مقدس) میں یوں ہے "سو اب تم دیکھ لو کہ میں ہی وہ ہوں اور میرے ساتھ کوئی دیوتا نہیں۔ میں ہی مار ڈالتا اور میں ہی جلاتا ہوں۔ میں ہی زخمی کرتا اور میں ہی چنگا کرتا ہوں اور کوئی نہیں جو میرے ہاتھ سے چھڑائے"

"کیا تو نہیں جانتا؟ کیا تو نے نہیں سنا کہ خداوند خداء ابدی وتمام زمین کا خالق تھکتا نہیں اور ماندہ نہیں ہوتا؟ اسکی حکمت ادراک سے باہر ہے" یسعیاہ باب ۴۳ آیت ۱۳ میں ارشاد ہے "ابتداء سے میں ہوں اور کوئی نہیں جو میرے ہاتھ سے چھڑائے میں جو کام کروں تو روکنے والا کون ہے" یسعیاہ باب ۴۴ آیت ۶ میں ہے "میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں" (۱)

(۱) مصنفؒ نے یہ چند حوالے بطور مثال لکھے ہیں ورنہ بائبل میں اس مضمون کی بہت سی عبارات ہیں اور قرآن حکیم تو ایسی آیات توحید سے بھرا پڑا ہے۔ باری تعالیٰ کی ذات وصفات کا تعارف' اثبات توحید اور ابطال شرک قرآن حکیم کا خاص موضوع ہے۔ بلاشبہ اس کتاب حکیم نے پروردگار عالم کی عظمت کا ایسا تذکرہ کیا ہے کہ آسمانی کتب میں اسکی مثال نہیں ملتی اِنَّ ھٰـذا الْقُرْآنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل آیت ۹) مسیحی دوستوں سے خاص طور پر ہماری درخواست ہے کہ اس خزینہ حکمت سے ضرور فائدہ اٹھائیں یہ ایسا کلام ہے جو ہر طرح کے عیب وریب سے پاک ہے اس میں کاتبوں کا "سہو" شامل نہیں ہے اور نہ ہی نامعلوم مصنفین کا جمع کردہ مواد ہے یہ تو اللہ کا کلام ہے جو تمام خوبیوں کا جامع' تمام خامیوں سے دور ہے۔ تمام آسمانی تعلیمات کا خلاصہ' آفاقی ہدایات کا حامل ہے' عجائبات نہ ختم ہونے والے ہیں' سینوں میں محفوظ کرنا آسان ہے' پیشگوئیاں سچی ہیں' بار بار پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا' اہل علم اس سے کبھی سیر نہیں ہوتے' الفاظ ومعانی دونوں کی حفاظت پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے' دلوں پر اسکی تاثیر بے مثال ہے' فصاحت وبلاغت میں اعلیٰ نمونے پر ہے' پڑھنے اور سننے والوں پر انتہائی خشیت طاری کرنے والا ہے' جسم وروح کی بیماریوں کیلئے نسخہ شفا ہے' رسالت محمدی ﷺ پر لازوال سدا بہار برہان ہے' زمانہ اپنے نت نئے انکشافات کے ساتھ اسکے حقائق پر مہر تصدیق ثبت کرتا رہیگا' یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا محکم کلام ہے' خالق ومخلوق کے درمیان ربط کا ذریعہ ہے' یہ واحد الہامی کتاب ہے جسکی زبان زندہ ہے' جو ہر ملک میں اصلی زبان میں پڑھی جاتی ہے' لاکھوں انسانوں کو مکمل زبانی یاد ہے' جسے دن میں کئی مرتبہ کروڑوں انسان سنتے ہیں' جس میں ایک لفظ انسانی کلام کا نہیں' جس نے دین ودنیا' عبادت وسیاست' معاملات واخلاقیات کو جمع کیا' جو عقیدۂ توحید کا اعلیٰ ترین تصور پیش کرتی ہے' مذہبی پیشواؤں کو عزت بخشتی ہے' نجات وفلاح کا عقل وعدل پر مبنی آسان' قابل عمل راستہ بتاتی ہے اور کفارہ وتثلیث کی بھول بھلیوں' پراسرار بھیدوں میں نہیں ڈالتی۔ یہ واحد الہامی کتاب ہے جو تضاد وتناقض سے خالی اور ہر طرح کی تحریف وتغیر سے محفوظ ہے۔ یہ واحد الہامی کتاب ہے جو "ایک کتاب" کہلا سکتی ہے یہودیت ومسیحیت کی ایک نہیں بلکہ چھیاسٹھ یا تہتر کتابیں ہیں۔ غیر مسلموں نے بھی دل کھول کر اسکی تعریف کی ہے۔ زمانہ اسکی نظیر لانے سے ہمیشہ عاجز ہے اور رہے گا۔ تمام مذاہب عالم کی الہامی کتابیں ان خوبیوں سے بری طرح محروم ہیں۔ انسانیت کو اس ہدایت وصداقت کی طرف پلٹ آنا چاہیے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (طٰهٰ آیت ۴۷) "اور جو ہدایت کی بات مانے اسکو سلامتی ہو" جو لوگ اس پیغام ہدایت کو نہیں سننا چاہتے' سلامتی کی اس راہ پر نہیں چلنا چاہتے' ان دشمنان اسلام کی ناک کاٹنے کیلئے قرآن حکیم کے چیلنج آج بھی برقرار ہیں۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (البقرہ آیت ۲۳) قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی مِنْهُمَا (القصص آیت ۴۹)

جملہ موجودات اُسکی محتاج ہیں:

(۳) تیسری شان یہ ہے کہ وہ ایسا نہیں ہے کہ جو چیز مرتبہ ظہور میں آئے وہ اس سے فی الجملہ بھی بے نیاز ہو سکے بلکہ ضروری ہے کہ ہر چیز ہمیشہ اسکی نیاز مند ہو اور اگر فرض کیا جائے کہ کبھی کوئی چیز نیاز مند نہ بھی ہو تو اسے کہہ نہ سکیں گے کہ وہ موجود ہے۔(۱)

تقریرِ استدلال:

جب یہ ثابت ہو چکا تو مبداءِ کل کائنات نہ آدمی ہو سکتا ہے نہ جانور نہ درخت نہ پتھر نہ زمین نہ سمندر نہ آگ نہ آسمان اور نہ کوئی ستارہ۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک حد رکھتا ہے اور حد سے باہر نہیں جا سکتا۔ مثلاً انسان کہ حیوانیت کے سینکڑوں مراتب اس سے خالی ہیں یا زمین کہ پانی سے ورے ہے اور پانی کے مرتبہ میں قدم نہیں رکھ سکتی۔ ان سب چیزوں کا مجموعہ بھی برہان تطبیق (۲) کی رُو سے متناہی ہے جبکہ مبداءِ کل ایسا چاہیئے کہ کوئی مرتبہ نفس الامری ایسا نہ نکل سکے جہاں وہ نہ ہو اور اسکے ورے رُک کر رہ جائے لہٰذا ان میں سے کوئی چیز مبداءِ کل نہیں ہو سکتی۔ الغرض اس تقریر کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبداءِ کل کائنات نہیں ہو سکتے اس لئے کہ آپ اپنے وجود کے اعتبار سے متشخص و معین اور محدود ہیں اور اگر متشخص و محدود نہ مانیں تو موجود بھی نہیں ہو سکتے اور مبداءِ کل

---

(۱) مبداءِ کل کائنات خلاقِ عالم کی تیسری صفت اور شان یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا وجود اس ذات کا عطیہ ہے جو چیز بھی منصۂ شہود پہ آتی ہے وہ اس سے تھوڑی سی بھی بے نیاز نہیں ہو سکتی بلکہ ہر چیز ہر طرح سے اسکی نیاز مند اور محتاج ہے وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ مستغنی و بے نیاز ہے۔ کوئی چیز اس سے آزاد ہو کر وجود نہیں پا سکتی۔ یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۷ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوں مذکور ہے "میں ہی روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں۔ میں ہی سلامتی کا بانی اور بلا کو پیدا کرنے والا ہوں۔ میں ہی خداوند یہ سب کچھ کرنے والا ہوں" قرآن حکیم میں ارشاد ہے یَا أَیُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (فاطر آیت ۱۵)

(۲) برہان تطبیق علم کلام کی ایک بحث اور برہان سُلّمی وغیرہ کی طرح ایک مشہور دلیل ہے جو بطلانِ تسلسل اور حدوثِ عالم پر پیش کی جاتی ہے۔ اہلِ علم چاہیں تو کتب عقائد کلام فلسفہ مثلاً شرح العقائد النسفیۃ، نبراس، رسالہ حمیدیہ، ہدیہ سعیدیہ، الکلام المتین فی تحریر البراهین وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

محدود و مشخص نہیں ہوتا(۱) ورنہ ہر ولایت کا یا انواع موجودات میں سے ہر نوع کا بلکہ ہر شخص کا علیحدہ خدا ہونا کیوں ممکن نہیں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ راما اور کنہیا خدا نہیں بن سکے حالانکہ ہندو انکے متعلق وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو مسیحی حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق رکھتے ہیں؟(۲) پھر کیا وجہ ہے کہ برہما، وشنو، مہادیو خدا نہ ہوسکیں؟ حالانکہ یہ ہندوؤں کے نزدیک صفات کاملہ کا مظہر اتم ہیں(۳) پھر کیا وجہ ہے کہ نفوس کو کبیہ اور عقول عشرہ خدا نہ ہوسکیں؟ حالانکہ یہ مجوسیوں کے نزدیک موجودات کے پیدا کرنے یا فنا کرنے میں مفوض الاختیار ہیں(۴) اور کبھی کسی موقعہ پر عاجز دکھائی دینا تمہارے اصول کے مطابق الوہیت کے منافی نہیں کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام یہود کے ہاتھوں عاجز نظر آتے ہیں۔ ارامنہ اور یعقوبی فرقے کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام الوہیت انسانیت سمیت مصلوب ہوئے اور زندگی بھر دیگر انسانوں کی طرح کھانے پینے کے محتاج رہے۔

---

(۱) حضرت مسیح علیہ السلام ایک انسان تھے اور انسان کا وجود بہت سی قیود (جوہر، جسم، حیوان، ناطق، وضع مخصوص، شکل معین) کیساتھ مشروط ہے۔ انسانی جسم رکھنے کی وجہ سے وہ طول، عرض، عمق میں ایک حد رکھتے ہیں اور اسی میں محدود ہیں لہٰذا وہ مبداء کل نہیں ہوسکتے۔

(۲) انکا کہنا یہی ہے کہ کوشلیا کا بیٹا رام چندر اور دیوکی کا بیٹا کنہیا کامل خدا تھے جو انسانی روپ دھار کر اس جہاں میں آئے ان میں الوہیت اور انسانیت دونوں جمع تھیں وغیرہ۔

(۳) یہ سب ہندو مذہب کے دیوتا اور مجسم خدا ہیں جو تمام خدائی صفات کا عکس کامل سمجھے جاتے ہیں۔

(۴) مجوس اجرام فلکیہ ستاروں کو بڑا موثر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انکو ہر طرح کی قدرت حاصل ہے اور مخلوقات کے پیدا کرنے یا ختم کرنے کے تمام اختیارات انکے سپرد ہیں۔ یہ توحید کی بجائے ثنویت کے قائل ہیں یعنی دو خدا رکھتے ہیں ایک خداء اعظم نیکی و نیک کرداری کا ہے۔ جس کا نام یزداں ہے اور یہی خالق خیر ہے اسکا بڑا مظہر آفتاب ہے۔ دوسرا اور نسبتاً چھوٹا خدا بدی کا ہے، جس کا نام اہرمن ہے یہ خالق شر ہے اسکا مظہر ظلمت ہے۔ ان لوگوں کو اصل دھوکا شیطان وابلیس کے تخیل میں لگا اور اُسے خالق شر فرض کرلیا۔ یہ لوگ آگ کے تقدس کے بھی قائل ہیں انکی عبادت گاہیں انکے آتش کدے ہوتے ہیں۔ انکی پوجا پاٹ کی وجہ سے پارسی اور آتش پرست بھی کہلاتے ہیں۔ اس مذہب کی نسبت ایران کے زردشت کی طرف کی جاتی ہے جنکا زمانہ ۵۵۲ قبل مسیح سمجھا جاتا ہے۔ انکی مذہبی کتاب کا نام اوستا ہے۔ دنیا میں انکی تعداد بہت کم ہورہی ہے انکی بڑی آبادی ہندوستان میں ہے یہ علاقہ تو مختلف ادیان وتہذیب کی آماجگاہ ہے۔ (تفسیر ماجدی، مؤلفہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی، ج ۳، ص ۳۵۵، مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی، ۲۰۰۲ء) مزید تفصیل کیلئے سورۃ الحج آیت ۱۷ کے تحت دیگر تفاسیر ملاحظہ فرمائیں۔

مسیحی قوم کی پہلی غلطی اور اسکی اصلاح:

حضرت مسیح کے بن باپ پیدا ہونے سے دھوکا نہ کھاؤ جیسے پادری کیرا کوس نے غلط فہمی سے یا جان بوجھ کر عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کیلئے دھوکا کھایا(۱) ورنہ تو حضرت آدمؑ اور فرشتے اور ملک صدق سالم کا بن اس بات میں جناب مسیح پر فضیلت رکھتے ہیں کیونکہ انکی نہ ماں ہے نہ باپ لہٰذا انہیں خدا ہونا چاہیے؟ بلکہ ہندوؤں کے بروں میں بھی بہت سارے بغیر ماں باپ پیدا ہوئے اور حضرت حوا زوجہ آدمؑ تمہارے نزدیک بھی بغیر ماں کے پیدا ہوئیں (۲) پھر انکو بھی خدا ہونا چاہیے؟

حضرت مسیح علیہ السلام کا بن باپ ہونا:

اگر کوئی شخص انکار کر دے تو انکے سامنے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا ثابت بھی نہیں ہوسکتا(۳) کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل حضرت مریمؑ یوسف نجار کے نکاح

---

(۱) یہاں سے مصنفؒ مسیحی عوام کے شبہات کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔اکثر مسیحی عوام بلکہ خواص حضرت مسیح علیہ السلام کو انکی منفرد پیدائش کی وجہ سے خدا سمجھتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ المسیح اللہ کا بندہ نہیں بلکہ اللہ کا حقیقی بیٹا ہے جو اللہ سے مولود ہے اور باپ (خدا) کی طرح کامل خدا ہے۔اگر وہ اللہ کا بیٹا نہیں تو تم بتاؤ کہ کس کا بیٹا ہے؟مصنفؒ انکی اس غلطی کی بڑے معقول قطعی دلائل کیساتھ انتہائی احسن انداز میں اصلاح کر رہے ہیں اور یہی کر سکتے ہیں ہدایت وتوفیق یہ سب خداوند قدوس کے قبضہ میں ہے۔داعی حق کا یہی کام ہے کہ دل گرفتہ یا مایوس ہو کر کوشش نہ چھوڑے کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔اِن اُرِیدُ اِلَّا الاِصلاحَ ما استطعتُ وما توفیقیۤ اِلّا بِاللہ علیہ توکلتُ والیہ اُنیب (ھود آیت۸۸)

(۲) چنانچہ لکھا ہے" اور خداوند خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اور اس نے اسکی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اسکی جگہ گوشت بھر دیا۔اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر اسے آدم کے پاس لایا"(پیدائش باب۲ آیت۲۱)

(۳) مصنفؒ نے یہ ساری گفتگو بطور الزام کی ہے ورنہ اہل اسلام کا مسلمہ عقیدہ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی خاص نشانی تھے اللہ تعالیٰ نے انکو اپنی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا کیا اور انکی پیدائش وبعثت کو بنی اسرائیل کیلئے امتحان بنایا۔عیسائیوں کا عجیب حال ہے انہیں چاہیے تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش اور انکے دیگر معجزات کو دیکھ کر معجزہ کے فاعل حقیقی اللہ جل جلالہ پر ایمان واعتقاد میں مضبوطی اختیار کرتے مگر انہوں نے خود حضرت مسیح علیہ السلام کو ہی خدا بنالیا۔مصنفؒ ان سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ تم انکو بلا باپ پیدا ہونے کی وجہ سے خدا سمجھتے ہو حالانکہ بائبل کی رو سے انکا بن باپ پیدا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔اگر کوئی شخص ان وجوہ کی بنا پر انکار کر دے تو مسیحیت کے پاس کیا جواب ہے؟

میں تھیں اور اس سے حضرت مریمؑ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ چار بیٹے اور کئی بیٹیاں جنی ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ہم وطن، قرابت دار لوگ اور اس زمانہ کے یہودی انہیں یوسف بڑھئی کا بیٹا جانتے تھے جیسا کہ انجیل لوقا باب ۳ آیت ۲۳ میں ہے ''تب یسوع کی عمر قریب تیس برس کے ہونے لگی اور یہ گمان کیا جاتا تھا کہ وہ بیٹا یوسف کا تھا'' (۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انکے ہم وطن اور اہل قرابت لوگوں کا قول بطور تعجب یوں مذکور ہے'' کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں؟ اور اسکی ماں کا نام مریم اور اسکے بھائی یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یہوداہ نہیں؟ اور کیا اسکی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں؟'' (متی باب ۱۳ آیت ۵۵، مرقس باب ۶ آیت ۳) یہ عبارت متی کی ہے۔ اسکے علاوہ ان برادرانِ مسیح کا ذکر اجمالی طور پر متی باب ۱۲ آیت ۴۶، مرقس باب ۳ آیت ۳۱، لوقا باب ۸ آیت ۱۹، یوحنا باب ۲ آیت ۱۲، رسولوں کے اعمال باب ۱ آیت ۱۴ میں بھی آیا ہے۔ یوحنا باب ۶ آیت ۴۲ میں اس زمانہ کے یہودیوں کا قول یوں مذکور ہے'' اور انہوں نے کہا کیا یہ یوسف کا بیٹا یسوع نہیں جس کے باپ اور ماں کو ہم جانتے ہیں؟'' (۲) الغرض اس زمانہ کے بعض یہودی لوگ

---

(۱) یہ عبارت مطابق متن ہے موجودہ اردو بائبل میں اس طرح ہے'' جب یسوع خود تعلیم دینے لگا قریباً تیس برس کا تھا اور جیسا کہ سمجھا جاتا تھا یوسف کا بیٹا تھا'' فارسی بائبل مطبوعہ ۱۹۸۱ء میں اس طرح ہے'' وخود عیسیٰ وقتیکہ شروع کرد قریب بسی سالہ بود وحسب گمان خلق پسر یوسف'' عربی بائبل مطبوعہ لبنان 1995ء میں ہے'' وكان يسوع في نحو الثلاثين من العمر عند مابداء رسالته وكان الناس يحسبونه ابن يوسف'' انگریزی بائبل نیو انٹرنیشنل ورژن میں ہے

"Now Jesus himself was about thirty years old when he began his ministry. He was the son, so it was thought, of Joseph"

(۲) متی باب ۱۲ آیت ۴۶ میں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے بھائیوں کا ذکر آیا ہے اسکی عبارت یوں ہے'' جب وہ بھیڑ سے یہ کہہ ہی رہا تھا تو دیکھو اسکی ماں اور بھائی باہر کھڑے تھے اور اس سے بات کرنا چاہتے تھے۔ کسی نے اس سے کہا دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے خبر دینے والے کو جواب میں کہا کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی؟۔ اور اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا دیکھو میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں۔ کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور میری بہن اور ماں ہے'' (متی باب ۱۲ آیت ۴۶ تا ۵۰) دیکھئے! حضرت مسیح علیہ السلام کس طرح اپنی والدہ صاحبہ سے بالکل بے رخی، پوری بے التفاتی، مکمل اعراض کر رہے ہیں اور اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر فرماتے ہیں کہ یہی لوگ میری ماں اور میرے بھائی ہیں (باقی اگلے صفحہ پر..................

جو کچھ کہتے تھے اور آج کے یہود بھی جو کہتے ہیں تمہیں خوب معلوم ہے۔ دوسری طرف حضرت آدم علیہ السلام ہوں یا فرشتے یہ سب انکے نزدیک بھی بے ماں اور بے باپ پیدا ہوئے۔ عقلمند حضرات

.... کیونکہ یہی لوگ مجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتے ہیں۔ قرآن مجید حضرت مریم کو صدیقہ، طاہرہ، مومنہ، ولیہ، خدا کی برگزیدہ قرار دیتا ہے اور طرح طرح سے انکے فضائل ومناقب ذکر کرتا ہے۔ جبکہ بائبل مقدس انکے بارے میں کوئی قابل تعریف بات ذکر نہیں کرتی صرف یہی بتاتی ہے کہ وہ اپنے بیٹے سے پینے کیلئے "شراب" مانگ رہی ہیں (یوحنا باب ۲ آیت ۳) اور اس بیان سے تو انکا محض "مومنہ" ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا کسی اور چیز کا تو ذکر ہی کیا۔ ان آیات کی وضاحت میں مفسر بائبل کا تشریحی نوٹ بھی ملاحظہ فرمالیں "اس واقعہ کے بیان کو ختم کرنے سے پہلے ہم یسوع کی ماں کے بارے میں دو اہم نکات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اول۔ جہاں تک یسوع کی حضوری میں رسائی حاصل کرنے کا تعلق ہے مریم کو کوئی امتیازی استحقاق حاصل نہیں تھا۔ دوم۔ یسوع کے بھائیوں کا ذکر مریم کے دائمی کنوار پن کی تعلیم پر ضرب کاری لگاتا ہے۔ یہاں یہ مفہوم بہت مضبوط ہے کہ وہ مریم کے حقیقی بیٹے تھے۔ اس لئے ماں کی طرف سے یسوع کے بھائی تھے۔ صحائف کے دوسرے متعدد حوالے اس نظریہ کو تقویت دیتے ہیں۔ دیکھئے زبور ۶۹: ۸، متی ۱۳: ۵۵، مرقس ۳: ۳۱، ۳۲، ۶: ۳، یوحنا ۷: ۳، ۵، اعمال ۱: ۱۴، ۱ کرنتھیوں ۹: ۵، گلتیوں ۱: ۱۹ (تفسیر الکتاب، ولیم میکڈونلڈ، جلد ۱، ص ۱۳۲، مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور) قرآن حکیم حضرت مریم بتول کا کنوار پن ہی بتاتا ہے۔ نہ انکے لئے کوئی شوہر ذکر کرتا ہے نہ کوئی اولاد ثابت کرتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کو خدا کی قدرت کی دلیل بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی نشانی کے طور پر انہیں بغیر باپ کے پیدا کیا۔ اسکے برعکس بائبل بتاتی ہے کہ یوسف مریم کے شوہر تھے (متی باب ۱ آیت ۱۹) بلکہ یسوع کو یوسف کا بیٹا بھی کہا اور سمجھا جاتا تھا (لوقا باب ۳ آیت ۲۳) جب حضرت مریم علیہا السلام کنواری تھیں، انکی باقاعدہ شادی نہیں ہوئی تھی تو پھر شوہر کہاں سے آگیا اور اگر مریم کا شوہر تھا تو پھر مریم کے بیٹے عیسیٰ بن باپ کے کیسے ہوئے؟ جب ایک عورت کا شوہر تجویز کر دیا جائے تو اولاد کا اسکی طرف منسوب ہونا بہت واضح ہے۔ ان بیانات کے درست مان لینے کی صورت میں انکا بن باپ پیدا ہونا غلط یا کم از کم مشکوک ہو جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کیلئے شوہر ڈھونڈنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بائبل یوسفؑ و حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ بار بار کیوں بتاتی ہے (لوقا ۲: ۴۱، ۴۸ وغیرہ) اور انکے حقیقی بھائی، خاندان کا تفصیلی خاکہ کیوں پیش کرتی ہے؟ ایک مفسر گرہ کشائی اور حکیمانہ نکتہ آفرینی کرتے ہوئے اس سوال کا جواب یوں دیتا ہے۔ "مریم کی نیک نامی کو بچایا گیا ورنہ اس پر بہت انگلیاں اٹھتیں۔ مناسب تھا کہ شادی کے وسیلہ سے حمل کو تحفظ دیا جائے تاکہ دنیا کی نگاہ میں جائز ٹھہرے تاکہ مبارک مریم کو ایک مددگار ساتھی میسر ہو۔" (تفسیر الکتاب متھو ہنری، ج ۳، ص ۴، چرچ فاؤنڈیشن سیمنارز لاہور) قارئین یہ ہے اس واقعہ کا پس منظر اور یوسف سے تعلق جوڑنے کی ضرورت کہ مریم نیک نام راستباز عورت تھیں۔ کنواری حاملہ ہوگئیں ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ان پر بہت انگلیاں اٹھتیں اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ انکی یوسف نامی شخص سے شادی کروا دی جائے اور شادی کے وسیلہ سے حمل کو تحفظ دیا جائے۔ مسیحی قوم کا فرض ہے کہ وہ بتائے کہ یہودیوں کے بہتان اور اس محقق عیسائی مفسر کے اعتراف میں کیا فرق ہے؟

کو اس میں دھوکا کھانا اور بھی برا ہے(۱) کیونکہ تم اہل کتاب کے نزدیک بھی عالم حادث ہے اور آج ۱۸۵۳ء میں اسکی پیدائش کو پانچ ہزار آٹھ سو ستاون برس گذر چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی یا بحری پرندہ یا غیر پرندہ ہر قسم کے جاندار کا پہلا جوڑا جوڑا بے ماں اور بے باپ پیدا کیا تھا۔ لہٰذا ان تمام قسم کے جانوروں کا پہلا ایک ایک جوڑا جو تخلیقِ اول میں بے ماں اور بے باپ پیدا ہوا جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۱ آیت ۲۱ تا ۲۵ میں مذکور ہے یہ سب جاندار حضرت مسیحؑ کیساتھ بے باپ ہونے کے وصف میں شریک ہوئے اور بے ماں ہونے میں ان سے بھی فائق ہو گئے۔ اگر عیاذاً باللہ بلا باپ پیدا ہونے سے خدا ہونا لازم آتا ہے تو یہ کروڑوں جاندار سب مرتبہ الوہیت

(۱) نجران کے عیسائیوں کا ساٹھ افراد پر مشتمل ایک وفد رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ سے الوہیتِ مسیح علیہ السلام پر مناظرہ کرنے لگا۔ دوران گفتگو کہنے لگے کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ پیدا ہونے کی وجہ سے خدا سمجھتے ہیں۔ اسکے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (آل عمران آیت ۵۹) آدم کا نہ باپ ہے نہ ماں اگر عیسیٰ کا باپ نہ ہو تو کوئی تعجب کی بات ہے وہ تو آدم کو خدا یا خدا کا بیٹا ثابت کرنے پر زیادہ زور دینا چاہیے حالانکہ کوئی بھی اسکا قائل نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو وجود بخشنے کے بعد اسے علت و معلول (Cause and Effect) کے نظام سے جوڑ دیا ہے مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود خالق کائنات ہو کر اپنے بنائے ہوئے نظام کے سامنے مجبور ہو گیا ہے یا کسی قاعدے کا محتاج ہو گیا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں او وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ میرا اللہ جس طرح اپنے بندے ابراہیم علیہ السلام کیلئے نار کو گلزار کر سکتا ہے اپنے بندے موسیٰ علیہ السلام کیلئے بحرِ ذخار کو شارع عام بنا سکتا ہے اسی طرح اسکو قدرت ہے کہ جیسے چاہے آدمی کا نقشہ تیار کر دے خواہ ماں باپ دونوں کے ملنے سے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے یا صرف ماں کی قوت منفعلہ سے۔ اس قادر مطلق نے حوا کو بغیر ماں کے مسیح کو بغیر باپ کے اور آدم کو ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا کر دیا۔ تخلیق انسان کی عقلاً چاری صورتیں تھیں ان سب کا نمونہ دکھا دیا۔ اسکی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ ارشاد قرآنی ہے ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (آل عمران آیت ۶) یاد رہے کہ کبھی ماں باپ دونوں ملکر بہت چاہتے ہیں کہ اولاد ہو اور اسکے لئے ہر طرح کی تگ و دو کرتے ہیں مگر کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ماں باپ تو چاہتے ہیں کہ لڑکا پیدا ہو مگر انکی خواہش کے برعکس لڑکی پیدا ہوتی ہے اور کبھی چاہتے ہیں کہ لڑکی پیدا ہو مگر انکی تمنا کے برخلاف لڑکا پیدا ہو جاتا ہے یہ سب میرے پیارے مولیٰ کی قدرت تامہ اور اختیار کامل کے کرشمے ہیں اور بندوں کی درماندگی و پسماندگی عاجزی و بے بسی پر گواہی ہے۔ قرآن عزیز کیا خوب فرماتا ہے لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ۔ اَوْ یُزَوِّجُھُمْ ذُکْرَانًا وَّاِنَاثًا وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا اِنَّہٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ (الشوریٰ آیت ۴۹، ۵۰)

پر فائز سمجھے جائیں بلکہ معاذ اللہ الوہیت میں جناب مسیح علیہ السلام سے برتر ہوں۔ اب بھی ہر موسم برسات میں کروڑوں جاندار بلا ماں باپ پیدا ہو جاتے ہیں۔(۱)

مسیحیوں کی دوسری غلطی اور اُسکی اصلاح:

مردہ کو زندہ کرنے سے دھوکا نہ کھاؤ(۲) کیونکہ حضرت ایلیاہ (الیاس علیہ السلام) پیغمبر نے بھی ایک بیوہ عورت کے لڑکے کو جس کے گھر میں وہ رہتے تھے زندہ کیا تھا۔ سلاطین اول باب ۱۷ آیت ۲۰ تا ۲۲ میں ہے ”اور اُس نے خداوند سے فریاد کی اور کہا اے خداوند میرے خدا کیا تو نے اس بیوہ پر جسکے ہاں میں ٹکا ہوا ہوں اُسکے بیٹے کو مار ڈالنے سے بلا نازل کی۔ اور اُس نے اپنے آپ کو تین بار اُس لڑکے پر پسار کر خداوند سے فریاد کی اور کہا اے خداوند میرے خدا میں تیری

---

(۱) کروڑوں مرغیاں بغیر مرغوں کے انڈے دے رہی ہیں۔ انسان دوسرے انسان کا صرف ایک خلیہ لیکر اور انسان بنانے کا تجربہ کر رہا ہے' جانوروں کی Cloning میں کامیاب ہو چکا ہے۔

(۲) مسیحی احباب کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کئی مُردوں کو زندہ کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام محض بطور انسان نہیں ہو سکتا حقیقت میں وہ خدا تھے اور اپنی خدائی طاقت سے یہ کام انجام دیتے تھے۔ مصنف اُنکی اس غلط فہمی کو دور کر رہے ہیں کہ یہ معجزات درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُسکی قدرت سے ہوتے ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام پر اُنکی نبوت کے دلائل و براہین' آیات و علامات کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ کسی پیغمبر کا اصل معجزہ اور دلیل رسالت اسکا وجود مسعود اور سیرت و کردار ہوتا ہے۔ دیکھنے والوں کیلئے اسکی چشم و ابرو میں' سننے والوں کیلئے اسکے لب و لہجہ میں اور سمجھنے والوں کیلئے اسکے پیام و دعوت میں اعجاز ہوتا ہے۔ لیکن بعض لوگ احساس حقیقت میں کمزور واقع ہوتے ہیں اور مادی و محسوس نشانیوں کے طلبگار ہوتے ہیں اُنکی تسکین کیلئے یہ خرق عادت واقعات بطور آیات ظاہر ہوتے ہیں۔ معاندین سرکش اور ضدی لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے مثلاً نمرود' فرعون' ابوجہل' ابولہب نے آتش خلیل' طوفان نیل' قحط مکہ' انشقاق قمر کے دلائل دیکھے مگر ایمان کی دولت عظمیٰ سے محروم رہے۔ بعض لوگ جنکی طبیعتوں میں عناد و استکبار تو نہیں ہوتا لیکن اُنکی بصیرت کے آئینہ پر غفلت کے کچھ پردے پڑ جاتے ہیں جب معجزات کی کرنیں اُن پر پڑتی ہیں تو وہ چمک اٹھتے ہیں اور آمنّا بربّ ھارون و موسیٰ (طٰہٰ آیت ۷۰) پکارنے لگتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام خالص دعوت توحید دیتے ہیں' بندوں کو صرف اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور معجزات کے بارے میں صاف طور پر بڑی صراحت کرتے ہیں کہ یہ ہم نے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوا اسی سے تم یقین کرو کہ ہم دعویٰ پیغمبری میں سچے ہیں اور خدا ء بزرگ و برتر کی اس طرح بندگی کرو جیسے ہم کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی یہی عمل تھا۔ صلی اللہ علیٰ نبینا و علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین۔

منت کرتا ہوں کہ اس لڑکے کی جان اس میں پھر آ جائے۔ اور خداوند نے ایلیاہ کی فریاد سنی اور لڑکے کی جان اُس میں پھر آ گئی اور وہ جی اُٹھا" (۱)

حضرت الیسع علیہ السلام کا معجزہ:

اسی طرح حضرت الیسع علیہ السلام پیغمبر (۲) نے ایک عورت کے لڑکے کو زندہ کیا تھا۔ سلاطین دوم باب ۴ آیت ۳۲ تا ۳۵ میں ہے "جب الیشع اُس گھر میں آیا تو دیکھو وہ لڑکا مرا ہوا اُسکے پلنگ پر پڑا تھا۔ سو وہ اکیلا اندر گیا اور دروازہ بند کر کے خداوند سے دعا کی۔ اور اُوپر چڑھ کر اُس بچے پر لیٹ گیا اور اُسکے منہ پر اپنا منہ اور اسکی آنکھوں پر اپنی آنکھیں اور اُسکے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ لئے اور اُسکے اُوپر پسر گیا۔ تب اُس بچے کا جسم گرم ہونے لگا۔ پھر وہ اُٹھ کر اُس گھر میں ایک بار ٹہلا اور اُوپر

---

(۱) اس پورے باب میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ہی تذکرہ ہے آیت ۲ میں ہے "اور خداوند کا یہ کلام اس پر نازل ہوا کہ۔ یہاں سے چلدے اور مشرق کی طرف اپنا رخ کر اور کریت کے نالہ کے پاس جو یردن کے سامنے ہے جا چھپ۔ اور تو اسی نالہ میں سے پینا اور میں نے کوّوں کو حکم کیا ہے کہ وہ تیری پرورش کریں۔ سو اس نے جا کر خداوند کے کلام کے مطابق کیا کیونکہ وہ گیا اور کریت کے نالہ کے پاس جو یردن کے سامنے ہے رہنے لگا۔ اور کوّے اسکے لئے صبح کو روٹی اور گوشت اور شام کو بھی روٹی اور گوشت لاتے تھے اور وہ اس نالہ میں سے پیا کرتا تھا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد وہ نالہ سوکھ گیا اس لئے کہ اس ملک میں بارش نہیں ہوئی تھی" (سلاطین اول باب ۱۷ آیت ۲ تا ۷) بہت خوب! بنی اسرائیل کو تو "سینا" کے بیابان میں من و سلوٰی عطا ہو۔ دھنیے کے بیج کی طرح سفید اور شہد میں پکائے ہوئے حلوہ کی طرح مزیدار بہترین کھانا ملے (خروج باب ۱۶ آیت ۳۱ گنتی باب ۱۱ آیت ۷) دوسری طرف ایک عظیم نبی کو نالے کا گدلا پانی اور کوّوں کی چونچوں سے کھانا ملتا ہے۔ غور فرمایئے! جب کوّا ایک ناپاک پرندہ ہے اسکا کھانا ممنوع ہے (استثناء باب ۱۴ آیت ۱۱ تا ۲۰) تو اسکی چونچوں سے ملنے والا کھانا بھی نجس و ناپاک ٹھہرا۔ بائبل اسرائیل کے ایک عظیم نبی کو اس سے بہتر اور کیا خوراک دے سکتی ہے؟ دوسری جگہ بائبل کے ایک عظیم پیغمبر حضرت حزقی ایل کو جَو کے پھلکے انسان کی نجاست سے پکا کر کھلاتی ہے (حزقی ایل باب ۴ آیت ۱۲) شاید بائبل کی نگاہ میں اس سے زیادہ لذیذ کھانا اور کوئی نہیں جو وہ کسی پیغمبر کو دے سکے؟

(۲) حضرت الیسع علیہ السلام ایک پیغمبر ہیں حضرت الیاس علیہ السلام کے جانشین تھے۔ بائبل میں انکا نام الیسع اور الیشع آیا ہے۔ والد کا نام سقط یا سافط ہے۔ انگریزی تلفظ "Elisha" ہے۔ قرآن کریم میں بھی انکا مختصر ذکر سورۃ الانعام آیت ۸۶، سورہ ص آیت ۴۸ میں آیا ہے۔ بائبل کی کتاب سلاطین دوم باب ۲، ۴ وغیرہ اسکے معجزات کے بیان میں ہے جن میں سے دو مصنفؒ نے ذکر کیے ہیں۔

چڑھ کر اُس بچے کے اُوپر پسر گیا اور وہ بچہ سات بار چھینکا اور بچے نے آنکھیں کھول دیں"

بعد از وفات معجزہ:

بلکہ حضرت الیسع علیہ السلام سے مُردہ کو زندہ کرنے کا معجزہ بعد از وفات بھی ظاہر ہوا۔ سلاطین دوم باب ۱۳ آیت ۲۰ میں ہے "اور الیشع نے وفات پائی اور انہوں نے اُسے دفن کیا اور نئے سال کے شروع میں موآب کے جتھے ملک میں گھس آئے۔ اور ایسا ہوا کہ جب وہ ایک آدمی کو دفن کر رہے تھے تو اُنکو ایک جتھا نظر آیا۔ سو انہوں نے اُس شخص کو الیشع کی قبر میں ڈال دیا اور وہ شخص الیشع کی ہڈیوں سے ٹکراتے ہی جی اُٹھا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا"

حضرت حزقی ایلؑ کا معجزہ:

حضرت حزقی ایل پیغمبر (۱) نے تو ہزاروں مُردوں کو جنکی ہڈیاں گل سڑ گئی تھیں زندہ کیا ہے چنانچہ صحیفہ حزقی ایل باب ۳۷ آیت ۱ تا ۱۰ میں ہے "خداوند کا ہاتھ مجھ پر تھا اور اُس نے مجھے اپنی روح میں اُٹھا لیا اور اُس وادی میں جو ہڈیوں سے پُر تھی مجھے اُتار دیا........ اور اُس نے مجھے فرمایا اے آدمزاد کیا یہ ہڈیاں زندہ ہو سکتی ہیں؟ میں نے جواب دیا اَے خداوند خدا تو ہی جانتا ہے........ پس میں نے حکم کے مطابق نبوت کی اور اُن میں دم آیا اور وہ زندہ ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہوئیں ایک نہایت بڑا لشکر"

---

(۱) حضرت حزقی ایل بنی اسرائیل میں مبعوث ہونے والے ایک جلیل القدر پیغمبر اور عظیم مبلغ ہیں انکا نام حزقی ایل 'حزقیال اور انگریزی میں "Ezekiel" ہے۔ انکی طرف منسوب ایک صحیفہ "حزقی ایل" کے نام سے بائبل میں درج ہے جس سے مصنفؒ نے حوالہ ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں ان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والا تمام کلام جمع کیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ دیگر صحائف کی طرح یہ بھی تحریف کا شکار ہے یہی وجہ ہے کہ باب ۲۳ کا مضمون نا قابل بیان حد تک فحش ہے جسے خداوند کا نازل شدہ کلام قرار دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے حالانکہ جس طرح خدا خود پاک ہے اسی طرح اُسکا ہر ایک سخن پاک ہے (امثال باب ۳۰ آیت ۵) اسی طرح باب ۱۶ میں ایک "بے وفا عورت" کی تمثیل ایسے انداز سے بیان کی گئی ہے کہ جسکا پڑھنا عوام کو سخت نا گوار گذرتا تھا (قاموس الکتاب ص ۳۲۳، مؤلفہ ایف۔ ایس۔ خیر اللہ، مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور) یہ عجائبات زمانہ میں سے ہے کہ خدا کا کلام ہو اور خدا کے فرمانبردار اہل ایمان بندوں کو اس کلام کا پڑھنا سخت نا گوار ہو۔ آخر کیوں؟؟

معجزاتِ موسویؑ:

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے عصا کو سانپ اور سارے ملکِ مصر کی گرد و غبار کو جوئیں بنا دیا تھا خروج باب ۷ آیت ۱۰ میں ہے ”اور موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس گئے اور انہوں نے خداوند کے حکم کے مطابق کیا اور ہارون نے اپنی لاٹھی فرعون اور اُسکے خادموں کے سامنے ڈال دی اور وہ سانپ بن گئی“ خروج باب ۸ آیت ۱۷ میں ہے ”انہوں نے ایسا ہی کیا اور ہارون نے اپنی لاٹھی لیکر اپنا ہاتھ بڑھایا اور زمین کی گرد کو مارا اور انسان اور حیوان پر جوئیں ہو گئیں اور تمام ملکِ مصر میں زمین کی ساری گرد جوئیں بن گئی“

تجزیہ مصنفؒ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے ہزاروں مُردوں کو زندہ کر دینا جنکی ہڈیاں گل سڑ گئی ہوں‘ اسی طرح لکڑی کو جاندار کر دینا‘ گرد و غبار جس میں حیات کی بظاہر بالکل صلاحیت نہ ہو اسے جاندار کر دینا یہ معجزاتِ عیسویؑ سے بڑھ کر ہیں کیونکہ جنابِ مسیح ﷺ نے صرف تین آدمیوں کو زندہ کیا جنکی شان ہی حیات ہے۔(۱) ان تین میں سے ایک بیوہ عورت کا بیٹا ہے جسکا ذکر لوقا باب ۷

---

(۱) حضرت مسیح ﷺ نے صرف تین انسانوں کو زندہ کیا جو مر گئے تھے اور مرے ہوئے زیادہ دن بھی نہیں گذرے تھے۔ یہ انسان پہلے بھی زندگی سے بہرہ ور تھے معجزہ عیسوی سے دوبارہ زندگی لوٹ آئی جیسا کہ یہ قیامت کے روز بھی دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ دوسری طرف دیکھئے کہ حضرت حزقی ایلؑ نے ان ہزاروں مُردوں کو زندہ کیا جن کو مرے ہوئے مدت دراز گذر گئی تھی اور ہڈیاں تک گل سڑ گئی تھیں۔ حضرت موسیٰ ﷺ کا معجزہ دیکھئے کہ ایک لکڑی کا ڈنڈا اور لاٹھی جیسی بے جان چیز کو چلتی پھرتی جاندار چیز (سانپ) بنا دیا۔ زمین کی گرد و غبار جس میں بظاہر نمو و حیات اور افزائش کی بالکل صلاحیت نہیں ہے اس سے جوئیں بن گئیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام معجزات حضرت عیسیٰ ﷺ کے محض چند مُردوں کو زندہ کر دینے کے معجزہ سے بڑھ کر ہیں۔ عجیب بات ہے کہ مسیحی حضرات حضرت عیسیٰ ﷺ کو چند معجزات کی وجہ سے خدا ماننے پر تُلے ہوئے ہیں مگر حضرت حزقی ایلؑ اور حضرت موسیٰ ﷺ کو خدا نہیں کہتے محض رسول مانتے ہیں جبکہ حضرت محمد ﷺ کو اسکے سینکڑوں بلکہ ہزاروں معجزات کے باوجود رسول ماننے کو بھی تیار نہیں۔ تلک اذا قسمۃ ضیزی ”یہ تقسیم تو بہت بے انصافی کی ہے“ (النجم آیت ۲۲) اللھم اھدھم فانھم لا یعلمون۔ اگر آپ معجزاتِ نبوی اور رسالتِ محمدی ﷺ کی بحث کو مفصل دیکھنا چاہیں تو مصنفؒ کی کتاب اظہار الحق کا باب ششم اور ازالۃ الاوہام کا باب چہارم ملاحظہ فرمائیں۔

میں ہے۔(۱) دوسرا عبادت خانہ کے سردار کی بیٹی جو تازی مری تھی جسکا ذکر متی باب ۹' مرقس باب ۵' لوقا باب ۸ میں ہے۔(۲) تیسرا العاذر (۳) جسکا ذکر صرف یوحنا باب ۱۱ میں ہے جسے مرے

(۱) اسکی تفصیل یوں ہے "تھوڑے عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ وہ نائین نام ایک شہر کو گیا اور اُسکے شاگرد اور بہت سے لوگ اُسکے ہمراہ تھے۔ جب وہ شہر کے پھاٹک کے نزدیک پہنچا تو دیکھو ایک مُردہ کو باہر لئے جاتے تھے۔ وہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ بیوہ تھی اور شہر کے بہتیرے لوگ اُسکے ساتھ تھے۔ اُسے دیکھ کر خداوند کو ترس آیا اور اُس سے کہا مت رو۔ پھر اُس نے پاس آ کر جنازہ کو چھوا اور اٹھانے والے کھڑے ہو گئے اور اُس نے کہا اے جوان میں تجھ سے کہتا ہوں اُٹھ۔ وہ مردہ اُٹھ بیٹھا اور بولنے لگا اور اُس نے اُسے اُسکی ماں کو سونپ دیا۔ اور سب پر دہشت چھا گئی اور وہ خدا کی تمجید کر کے کہنے لگے کہ ایک بڑا نبی ہم میں برپا ہوا ہے اور خدا نے اپنی اُمت پر توجہ کی ہے" (لوقا باب ۷ آیت ۱۱ تا ۱۶) غور فرمایئے! حاضرین جنہوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اس معجزہ کو دیکھا اور متاثر ہوئے انہوں نے بھی یہی سمجھا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام ایک نبی ہیں خدا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ "خدا کی تمجید کر کے کہنے لگے کہ ایک بڑا نبی ہم میں برپا ہوا ہے" اتنی صاف بات کے بعد بھی کوئی غلط سمجھے تو اسے خدا ہدایت دے۔

(۲) یہ واقعہ لوقا باب ۸ آیت ۴۰ میں اس طرح مذکور ہے "جب یسوع واپس آرہا تھا تو لوگ اس سے خوشی کے ساتھ ملے کیونکہ سب اسکی راہ تکتے تھے۔ اور دیکھو یائیر نام ایک شخص جو عبادت خانہ کا سردار تھا آیا اور یسوع کے قدموں پر گر کر اس سے منت کی کہ میرے گھر چل۔ کیونکہ اسکی اکلوتی بیٹی جو قریباً بارہ برس کی تھی مرنے کو تھی" (لوقا باب ۸ آیت ۴۰ تا ۴۲) یہی واقعہ دوسری جگہ اس طرح آیا ہے "اور عبادت خانہ کے سرداروں میں سے ایک شخص یائیر نام آیا اور اسے دیکھ کر اسکے قدموں پر گرا۔ اور یہ کہہ کر اسکی بہت منت کی کہ میری چھوٹی بیٹی مرنے کو ہے۔ تو آ کر اپنے ہاتھ اس پر رکھ تا کہ وہ اچھی ہو جائے اور زندہ رہے" (مرقس باب ۵ آیت ۲۲ تا ۲۳) تیسری جگہ اس طرح آیا ہے "وہ ان سے یہ باتیں کہہ ہی رہا تھا کہ دیکھو ایک سردار نے آ کر اسے سجدہ کیا اور کہا میری بیٹی ابھی مری ہے لیکن تو چل کر اپنا ہاتھ اس پر رکھ تو وہ زندہ ہو جائیگی" (متی باب ۹ آیت ۱۸) پہلے دو بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکی مری نہیں تھی بلکہ بہت بیمار ہو کر مرنے کے قریب تھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ہاتھ رکھ کر اسے اچھا کر دیا مگر متی کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکی مر چکی تھی حضرت مسیح علیہ السلام نے ہاتھ رکھ کر اسے زندہ کر دیا۔ دونوں باتوں میں کھلا تضاد ہے تاہم دوسری صورت میں معجزے کا اظہار زیادہ نمایاں ہے یہی متی کی غرض ہے مگر ایک الہام یقینی طور پر غلط ہے۔ افسوس ہے کہ رُوح القدس نے بھی صحیح راہنمائی نہیں کی۔ اس تمام سے قطع نظر جو کچھ ہوا محض اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکے ہاتھ پر ظہور تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ سب کچھ میں نے خود کیا ہے لہٰذا مجھے خدا مانو ورنہ تم سب تباہ ہو جاؤ گے اور نجات ابدی سے محروم رہو گے۔ نعوذ باللہ

(۳) یہ العاذر یا لعزر نام کا ایک بیمار آدمی تھا۔ بیت عنیاہ کے گاؤں میں رہتا تھا۔ مریم اور مرتھا اسکی دو بہنیں تھیں جو حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لا کر ساتھ رہتی تھیں۔ اس شخص کا انتقال ہو گیا۔ تدفین کے چار روز بعد حضرت مسیح علیہ السلام نے اسے معجزہ سے باذنِ خداوندی زندہ کیا۔

ہوئے چار دن ہوئے تھے۔(۱) پس اس معجزہ کو حضرت حزقی ایلؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے کیا نسبت ہے؟ پطرس حواری نے بھی ''تبیتا'' نام کی ایک عورت کو زندہ کیا تھا۔ رسولوں کے اعمال باب ۹ آیت ۴۰ میں ہے ''پطرس نے سب کو باہر کر دیا اور گھٹنے ٹیک کر دعا کی پھر لاش کی طرف متوجہ ہو کر کہا اے تبیتا اٹھ! پس اس نے آنکھیں کھول دیں اور پطرس کو دیکھ کر اٹھ بیٹھی'' پس اگر مُردہ کو زندہ کرنا خدا ہونے کا سبب ہو تو پھر سب لوگ خصوصاً حضرت حزقی ایلؑ موسیٰؑ ہارون علیہم السلام کو بھی خدا ہونا چاہیئے۔

مسیحیوں کی تیسری غلطی اور اسکی اصلاح:

کوڑھی وغیرہ کو اچھا کرنے سے دھوکا نہ کھاؤ کیونکہ حضرت الیسع علیہ السلام پیغمبر نے شاہ ارام کے سپہ سالار نعمان کو جو کوڑھی تھا اچھا کر دیا تھا۔ سلاطین دوم باب ۵ آیت ۱۰، ۱۴ میں ہے ''اور الیشع نے ایک قاصد کی معرفت کہلا بھیجا جا اور یردن میں سات بار غوطہ مار تو تیرا جسم پھر بحال ہو جائیگا اور

---

(۱) اس قصہ کی تفصیل اہم اور قابل ذکر ہے چنانچہ لکھا ہے ''مرتھا نے یسوع سے کہا اے خداوند! اگر تو یہاں ہوتا تو میرا بھائی نہ مرتا۔ اور اب بھی میں جانتی ہوں کہ جو کچھ تو خدا سے مانگے گا وہ تجھے دیگا...... جب یسوع نے اسے اور ان یہودیوں کو جو اسکے ساتھ آئے تھے روتے دیکھا تو دل میں نہایت رنجیدہ ہوا اور گھبرا کر کہا تم نے اُسے کہاں رکھا ہے؟ انہوں نے کہا اے خداوند! چل کر دیکھ لے۔ یسوع کے آنسو بہنے لگے........ یسوع پھر اپنے دل میں نہایت رنجیدہ ہو کر قبر پر آیا...... یسوع نے اس سے کہا کیا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ اگر تو ایمان لائیگی تو خدا کا جلال دیکھے گی؟ پس انہوں نے اُس پتھر کو ہٹا دیا پھر یسوع نے آنکھیں اٹھا کر کہا اے باپ میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے میری سن لی اور مجھے تو معلوم تھا کہ تو ہمیشہ میری سنتا ہے مگر ان لوگوں کے باعث جو آس پاس کھڑے ہیں میں نے یہ کہا تا کہ وہ ایمان لائیں کہ تو ہی نے مجھے بھیجا ہے'' (یوحنا باب ۱۱ آیت ۲۱ تا ۴۲ بتلخیص بعض الآیات) معلوم ہوا کہ مرتھا آنجناب علیہ السلام کے صرف انسان اور رسول ہونے کا اعتقاد رکھتی تھی اور انکا حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق خدا ہونے کا اعتقاد نہ تھا اور نہ وہ اس طرح کہتی کہ تو خدا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور یہ نہ کہتی کہ ''جو کچھ تو خدا سے مانگے گا وہ تجھے دے گا'' اسی طرح انکا دو بار ٹھنڈی آہ بھرنا، غمگین ہونا، رونا، یہ کہنا کہ تو خدا کا جلال دیکھے گی، خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، بارگاہِ الٰہی سے قبولیتِ دعا کی درخواست کرنا تا کہ انکے رسول ہونے کا اعتقاد کریں یہ سب امور بیانگ دہل ہر خاص و عام کو حضرت مسیح علیہ السلام کے انسان اور رسول ہونے کی خبر دیتے ہیں لیکن اگر بصیرت سے محروم دل کے مردہ، عقل کے اندھے لوگ پھر بھی ان دلائل سے غافل رہیں اور مسلسل آنجناب علیہ السلام کی الوہیت کی مجنونانہ باتیں کرتے ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تو پاک صاف ہوگا.......تب اس نے اُتر کر مرد خدا کے کہنے کے مطابق یردن میں سات غوطے مارے اور اُسکا جسم چھوٹے بچے کے جسم کی مانند ہوگیا اور وہ پاک صاف ہوا" (۱) حضرت الیسع کا

(۱) مسیحی حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کئی بیماروں کو تندرست کیا' کوڑھ کے مریضوں کو اچھا کردیا' گونگوں بہروں کو ٹھیک کردیا' آسیب زدہ مجنون کو شفا دی۔ یہ سب امور آنجناب علیہ السلام کے خدا ہونے کی دلیل ہیں۔ مصنف" انکی غلطی کی اصلاح کررہے ہیں کہ ایسے واقعات اور لوگوں سے بھی ظاہر ہوئے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی یہ معجزات خود نہیں کیے بلکہ درحقیقت اللہ جل جلالہ کی قدرت کا انکے ہاتھ پر اظہار تھا مثلاً بہرے کو شفا دینے کا واقعہ مرقس باب ۷ آیت ۳۲ میں اس طرح مذکور ہے "اور لوگوں نے ایک بہرے کو جو ہکلا بھی تھا اُسکے پاس لاکر اُسکی منت کی کہ اپنا ہاتھ اس پر رکھ۔ وہ اسکو بھیڑ میں سے الگ لے گیا اور اپنی انگلیاں اُسکے کانوں میں ڈالیں اور تھوک کر اُسکی زبان چھوئی۔ اور آسمان کی طرف نظر کرکے ایک آہ بھری اور اُس سے کہا افتح یعنی کھل جا۔ اور اُسکے کان کھل گئے اور اُسکی زبان کی گرہ کھل گئی اور وہ صاف بولنے لگا اور اُس نے اُنکو حکم دیا کہ کسی سے نہ کہنا" غور فرمایئے! اگر حضرت مسیح علیہ السلام خدا ہوکر اپنے اختیار وقدرت سے یہ معجزات ظاہر کررہے تھے تو آسمان کی طرف نظر کرکے آہ بھرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ آسمان کی طرف نظر کرکے کس سے مدد مانگ رہے تھے؟ اور ٹھنڈی آہیں بھر کر کس سے التجا کررہے تھے؟ آسیب زدہ کو شفا دینے کا واقعہ یوں ہے "اور بھیڑ میں سے ایک نے اُسے جواب دیا کہ اے استاد میں اپنے بیٹے کو جس میں گونگی روح ہے تیرے پاس لایا تھا۔ وہ جہاں اُسے پکڑتی ہے پٹک دیتی ہے اور وہ کف بھر لاتا اور دانت پیستا اور سوکھتا جاتا ہے اور میں نے تیرے شاگردوں سے کہا تھا کہ وہ اُسے نکال دیں مگر وہ نہ نکال سکے.......جب یسوع نے دیکھا کہ لوگ دوڑ دوڑ کر جمع ہورہے ہیں تو اُس ناپاک روح کو جھڑک کر اُس سے کہا اے گونگی بہری روح! میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ اِس میں سے نکل آ اور اس میں پھر کبھی داخل نہ ہو.............یسوع نے اُسکا ہاتھ پکڑ کر اُسے اٹھایا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جب وہ گھر میں آیا تو اسکے شاگردوں نے پوشیدگی میں اس سے پوچھا کہ ہم اسے کیوں نہ نکال سکے؟ اس نے ان سے کہا کہ یہ جنس سوائے دعا اور روزہ کے کسی طرح سے نکل نہیں سکتی.....کیونکہ وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتا اور ان سے کہتا تھا کہ ابن انسان آدمیوں کے ہاتھ حوالہ کیا جائیگا اور وہ اسے قتل کریں گے اور قتل ہونے کے بعد تیسرے دن وہ جی اٹھے گا...........اور جو کوئی مجھے قبول کرتا ہے مجھے نہیں بلکہ جس نے مجھے بھیجا ہے اسے قبول کرتا ہے" (مرقس باب ۹ آیت ۱۷ تا ۳۷) ملاحظہ فرمایئے! آنجناب علیہ السلام آسیب زدہ سے بدروح (جن) کے اثرات نکال کر تندرست کرنے کیلئے کس سے دعا مانگنے کا کہہ رہے ہیں؟ اور کس کیلئے روزہ رکھنا چاہتے ہیں؟ وہ کیوں فرمارہے ہیں کہ یہ جنس سوائے دعا اور روزہ کے کسی طرح سے نکل نہیں سکتی؟ پھر اپنے قتل ہونے' دوبارہ مردوں میں سے جی اٹھنے کا بیان اور اپنے رسول اللہ ہونے کا اقرار یہ سب امور تو انسان ہونے پر اور الٰہ ومعبود نہ ہونے پر صاف دلیل ہیں۔ پھر اس پر بھی غور فرمایئے مرقس باب ۷ آیت ۳۶ میں آنجناب علیہ السلام بہرے کو شفا دینے کے بعد اپنے ساتھیوں سے فرماتے ہیں کہ "کسی سے نہ کہنا" اسی طرح نابینا کو درست کردینے کے بعد آنجناب علیہ السلام کا قول مرقس باب ۸ آیت ۲۶ میں اس طرح ہے "گاؤں میں داخل نہ ہونا اور کسی سے نہ کہنا" اس کا سبب اسکے سوا کچھ نہیں کہ انہوں نے پیغمبرانہ فراست سے لوگوں کی (باقی اگلے صفحہ پر.................

ایک خادم جسکا نام جیحازی تھا اس نے دغا کر کے حضرت الیسع علیہ السلام کے نام پر نعمان سے دو قنطار چاندی اور دو جوڑے کپڑے لے لیے تھا۔ اس پر حضرت الیسع علیہ السلام نے اس صحیح وتندرست آدمی کو کوڑھی بنا دیا(۱) جیسا کہ اسی باب ۵ کی آیت ۲۷ میں جیحازی کا حال اور حضرت الیسع علیہ السلام کا قول یوں لکھا ہے "اس لئے نعمان کا کوڑھ تجھے اور تیری نسل کو سدا لگا رہیگا۔ سو وہ برف سا سفید کوڑھی ہو کر اسکے سامنے سے چلا گیا" انتہی۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو جو نابینا ہو گئے تھے تندرست کر دیا تھا جیسا کہ پیدائش باب ۴۶ آیت ۴ سے

............صورتحال دیکھ کر یہ اندیشہ کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بستی کے ناسمجھ لوگ اپنے کمزور اعتقاد کی وجہ سے ان معجزات کو اس طرح فعل خداوندی سمجھ لیں گے کہ مجھ اللہ کے رسول کو ہی براہ راست خدائی کے ساتھ موصوف کر کے گمراہ ہو گئے ورنہ ذات الٰہی کو کون سے ضرر و نقصان کا اندیشہ ہے جسکی وجہ سے وہ اپنے کمالات قدرت کو پوشیدہ رکھنے کا کہے؟ یہی وجہ ہے کہ جہاں جناب مسیح علیہ السلام کو اس طرح کا اندیشہ نہ ہوا وہاں انہوں نے ظاہر کرنے کی اجازت دے دی چنانچہ جس وقت انہوں نے گراسینیوں کے علاقہ میں ایک قبرستان میں ایک شدید آسیب زدہ کو شفا بخشی اور اس نے ارادہ کیا کہ وہ آنجناب علیہ السلام کے ساتھ ہی رہے تو آپ علیہ السلام نے اسے منع کیا اور فرمایا "اپنے لوگوں کے پاس اپنے گھر جا اور انکو خبر دے کہ خداوند نے تیرے لئے کیسے بڑے کام کیے اور تجھ پر رحم کیا چنانچہ مرقس باب ۵ آیت ۱۹ میں اسکی صراحت ہے۔

(۱) اس واقعہ کا خلاصہ۔ بائبل کے مطابق یہ ہے کہ شاہ ارام کے لشکر کا سردار نعمان انتہائی بہادر مگر کوڑھ کا مریض تھا۔ ایک اسرائیلی لڑکی قید ہو کر آئی اور نعمان کی بیوی کی خادمہ بنی۔ اس نے بتایا کہ اگر نعمان سامریہ میں رہنے والے الیسع نبی کے پاس جائے تو یہ تندرست ہو جائیگا۔ نعمان دس قنطار چاندی' چھ ہزار مثقال سونا اور دس جوڑے کپڑے لیکر اپنے گھوڑوں اور رتھوں سمیت حضرت الیسع علیہ السلام کے دروازہ پر آ کھڑا ہوا۔ آپ نے دریاء یردن میں سات بار غوطہ لگانے کا کہا۔ اس نے ناراض ہو کر کہا کہ دمشق کے دریا اس سے بہتر نہیں ہیں؟ پھر لوگوں کے سمجھانے پر دریا میں غوطہ زن ہوا تو یہ نہانا غسل صحت ثابت ہوا۔ واپس آ کر سارا مال بطور ہدیہ پیش کیا تو حضرت الیسع علیہ السلام نے لینے سے انکار کر دیا۔ وہ بہت متاثر ہوا' ایمان لا کر بت پرستی سے توبہ کی اور اجازت لیکر رخصت ہو گیا۔ حضرت الیسع علیہ السلام کے خادم جیحازی نے سوچا کہ انہوں نے نعمان کی اتنی بڑی نذر کیوں قبول نہ کی؟ چنانچہ وہ پیچھے دوڑا' راستہ میں نعمان سے جا ملا اور حضرت الیسع علیہ السلام کے نام پر یہ کہانی بنائی کہ انہوں نے بھیجا ہے کہ ابھی کوہستانی ملک سے دو نوجوان نبی زادے آئے ہیں انکے لئے ایک قنطار چاندی اور دو جوڑے کپڑے دے دیں۔ نعمان نے باصرار دو قنطار دیے اور جوڑے بھی۔ یہ خادم سب کچھ لیکر واپس آیا' سامان اپنے گھر رکھا اور حضرت الیسع علیہ السلام کی خدمت میں جا پہنچا۔ انہوں نے پوچھا کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ میں تو کہیں نہیں گیا تھا۔ حضرت الیسع علیہ السلام نے ناراض ہو کر یہ بددعا دی کہ اب نعمان کا کوڑھ تجھے اور تیری نسل کو سدا لگا رہیگا۔

معلوم ہوتا ہے۔(۱)

مسیحیوں کی چوتھی غلطی اور اسکی اصلاح:

اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے کہ جناب مسیح علیہ السلام نے پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں سے بہت آدمیوں کو کھلا دیا تھا کیونکہ ایلیاہ پیغمبر (الیاس علیہ السلام) نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا معجزہ:

وہ قحط سالی میں ایک بیوہ عورت کے گھر میں تھے' آنجناب نے اس سے روٹی کا ایک ٹکڑا مانگا تھا اور اس نے افلاس کے سبب سے انکار کیا تھا۔ آپ نے مٹھی بھر آٹا اور تھوڑے سے تیل میں خدا کے حکم سے وہ برکت بخشی تھی کہ مدت تک اس میں سے وہ عورت' اسکا کنبہ اور حضرت ایلیاہ کھاتے رہے نہ آٹے کا مٹکا خالی ہوا اور نہ کپی میں تیل گھٹا۔ سلاطین اول باب ۱۷ آیت ۱۲ میں ہے" اس

---

(۱) حضرت عیسی علیہ السلام سے متعدد کوڑھیوں کو شفا ملنے کی بات ملتی ہے۔ ایک واقعہ یوں ہے" جب وہ ایک شہر میں تھا تو دیکھو کوڑھ سے بھرا ہوا ایک آدمی یسوع کو دیکھ کر منہ کے بل گرا اور اسکی منت کر کے کہنے لگا اے خداوند! اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں۔ تو پاک صاف ہو جا اور فوراً اُسکا کوڑھ جاتا رہا۔ اور اس نے اُسے تاکید کی کہ کسی سے نہ کہنا بلکہ جا کر اپنے تئیں کاہن کو دکھا اور جیسا موسی نے مقرر کیا ہے اپنے پاک صاف ہو جانے کی بابت نذر گذران تا کہ اُنکے لئے گواہی ہو۔ لیکن اُسکا چرچا زیادہ پھیلا اور بہت سے لوگ جمع ہوئے کہ اسکی سنیں اور اپنی بیماریوں سے شفا پائیں۔ مگر وہ جنگلوں میں الگ جا کر دعا کیا کرتا تھا" (لوقا باب ۵ آیت ۱۲ تا ۱۶) پہلی بات یہ ہے کہ جب وہ خدا ہو کر محض اپنی قدرت سے شفا بخش رہے ہیں تو اپنی الوہیت کا اقرار کروانے کی بجائے اسے یہودی کاہن کے سپرد کیوں کرتے ہیں؟ اور شرع موسوی کے مطابق اس نذر و کفارہ کا حکم کیوں دیتے ہیں جسکی لمبی چوڑی تفصیل احبار باب ۱۴ آیت ۳ تا ۳۲ میں آئی ہے؟ خود اس آدمی کا تندرست ہو جانا ہی گواہی کیلئے کافی نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ وہ اس شخص سے یہ کیوں کہتے ہیں کہ کسی سے نہ کہنا' کہیں تذکرہ نہ کرنا؟ خدا کو کس چیز کا ڈر ہے؟ وہ اپنے معجزات قدرت چھپانے کی کیوں تاکید کر رہا ہے؟ تیسری بات یہ ہے کہ جب وہ خود خدا ہیں اور جلال و کمال' قدرت و اختیار میں باپ (اللہ تعالی) کے برابر ہیں تو جنگلوں میں الگ جا کر دعا کس سے کرتے تھے؟ اور کیوں کرتے تھے؟ سچ تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کے ایک پیارے بندے تھے' سراپا عجز و بندگی ہو کر خداءِ عزوجل سے دعا مانگتے تھے' بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے رسول تھے' احکام میں شریعت موسوی کا اتباع کرتے تھے اور اللہ تعالی کے حکم سے یہ خلاف عادت واقعات اُنکے ہاتھ پر ظاہر ہو جاتے تھے۔ قرآن مجید میں اُنکا اپنے متعلق یہی بیان آیا ہے وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ الخ (آل عمران آیت ۴۹)

نے کہا خداوند تیرے خدا کی حیات کی قسم میرے ہاں روٹی نہیں۔صرف مٹھی بھر آٹا ایک مٹکے میں اور تھوڑا سا تیل ایک کپی میں ہے.......... ایلیاہ نے اس سے کہا مت ڈر.......... کیونکہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ اس دن تک جب تک خداوند زمین پر مینہ نہ برسائے نہ تو آٹے کا مٹکا خالی ہوگا اور نہ تیل کی کپی میں کمی ہوگی۔سو اس نے جا کر ایلیاہ کے کہنے کے مطابق کیا اور یہ اور وہ اور اسکا کنبہ بہت دنوں تک کھاتے رہے اور خداوند کے کلام کے مطابق جو اس نے ایلیاہ کی معرفت فرمایا تھا نہ تو آٹے کا مٹکا خالی ہوا اور نہ تیل کی کپی میں کمی ہوئی" انتہیٰ (۱)

حضرت الیسع علیہ السلام کا معجزہ:

حضرت الیسع علیہ السلام نے ایک عورت کے گھر ایک پیالہ تیل میں بڑی برکت بخشی تھی کہ اس سے بہت مٹکے اور برتن بھر گئے تھے جیسا کہ سلاطین دوم باب ۴ آیت ۲ تا ۶ میں ہے "الیشع نے اُس سے کہا کہ میں تیرے لیے کیا کروں؟ مجھے بتا تیرے گھر میں کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ تیری لونڈی کے پاس گھر میں ایک پیالہ تیل کے سوا کچھ نہیں۔تب اُس نے کہا تو جا اور باہر سے اپنے سب ہمسایوں سے برتن عاریت لے۔وہ برتن خالی ہوں اور تھوڑے برتن نہ لینا۔پھر تو اپنے بیٹوں کو

(۱) حضرت مسیح علیہ السلام کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے معجزانہ طور پر پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں سے پانچ ہزار مردوں کو کھانا کھلایا اور وہ سب سیر ہو گئے۔یہ قصہ متی باب ۱۴ آیت ۱۳، مرقس باب ۶ آیت ۳۰، لوقا باب ۹ آیت ۱۰، یوحنا باب ۶ آیت ۵ میں مذکور ہے۔چاروں انجیلوں میں ایک ہی واقعہ ذکر ہوا ہے۔مسیحیوں کو اس سے شبہ ہوا اور وہ انہیں "خدا" سمجھ بیٹھے۔مصنفؒ اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزوں میں اس طرح برکت ہو جانے کا معجزہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی ثابت ہے۔ہمیں اس سے نا سمجھی کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اناجیل ثلاثہ متوافقہ نے جہاں اس واقعہ کو ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اس معجزہ کے فوراً بعد حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کھانا کھانے والے لوگوں کی بھیڑ کو رخصت کیا اور خود تنہا دعا کرنے کیلئے پہاڑ پر چڑھ گئے اور شام تک بلکہ رات کے چوتھے پہر تک یعنی تقریباً صبح ہونے تک وہاں اکیلے مناجات میں مشغول رہے (متی باب ۱۴ آیت ۲۳، مرقس باب ۶ آیت ۴۶، لوقا باب ۹ آیت ۱۸) یاد رہے کہ سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کے جہاں اور معجزات ہوئے ہیں وہاں شفاء امراض، استجابت دعا، تکثیر طعام کے بھی بہت سے معجزات و واقعات بڑے تواتر اور مضبوط شہادتوں کیساتھ ملتے ہیں (سیرت النبی ﷺ ج ۳ مصنفہ مولانا سید سلیمان ندویؒ)
صلى الله على نبينا وعلى جميع الأنبياء والمرسلين۔

ساتھ لیکر اندر جانا اور پیچھے سے دروازہ بند کر لینا اور اُن سب برتنوں میں تیل اُنڈیلنا اور جو بھر جائے اُسے اٹھا کر الگ رکھنا۔ سو وہ اُسکے پاس سے گئی اور اس نے اپنے بیٹوں کو اندر ساتھ لیکر دروازہ بند کر لیا اور وہ اسکے پاس لاتے جاتے تھے اور وہ انڈیلتی جاتی تھی۔ جب وہ برتن بھر گئے تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا میرے پاس ایک اور برتن لا۔ اس نے اس سے کہا اور تو کوئی برتن نہیں۔ تب تیل موقوف ہو گیا'' انتہی۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت الیاہ علیہ السلام نے تھوڑے سے تیل کو اسی طرح حضرت الیسع علیہ السلام نے ایک پیالہ تیل کو بطور معجزہ بہت زیادہ کر دیا نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزے سے پانی کا شراب بن جانا جیسا کہ یوحنا باب ۲ میں مذکور ہے(۱) اس سے ٹھوکر نہیں کھانی چاہیئے۔

---

(۱) حضرت مسیح علیہ السلام کے اس معجزہ کے حوالے سے چند باتیں قابل ذکر ہیں لیکن اس سے پہلے واقعہ کی تفصیل جاننا ضروری ہے جو انجیل یوحنا باب ۲ میں اسی طرح آئی ہے ''پھر تیسرے دن قانائے گلیل میں ایک شادی ہوئی اور یسوع کی ماں وہاں تھی۔ اور یسوع اور اسکے شاگردوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی۔ اور جب مے ہو چکی تو یسوع کی ماں نے اس سے کہا کہ اُنکے پاس مے نہیں رہی۔ یسوع نے اس سے کہا اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام ہے ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ اسکی ماں نے خادموں سے کہا جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو۔ وہاں یہودیوں کی طہارت کے دستور کے موافق پتھر کے چھ مٹکے رکھے تھے اور ان میں دو دو تین تین من کی گنجائش تھی۔ یسوع نے ان سے کہا مٹکوں میں پانی بھر دو۔ پس انہوں نے انکو لبالب بھر دیا۔ پھر اس نے ان سے کہا اب نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤ۔ پس وہ لے گئے۔ جب میر مجلس نے وہ پانی چکھا جو مے بن گیا تھا اور جانتا نہ تھا کہ یہ کہاں سے آئی ہے (مگر خادم جنہوں نے پانی نکالا تھا جانتے تھے) تو میر مجلس نے دلہا کو بلا کر اس سے کہا۔ ہر شخص پہلے اچھی مے پیش کرتا ہے اور ناقص اس وقت جب پی کر چھک گئے مگر تو نے اچھی مے اب تک رکھ چھوڑی ہے۔ یہ پہلا معجزہ یسوع نے قانائے گلیل میں دکھا کر اپنا جلال ظاہر کیا اور اسکے شاگرد اس پر ایمان لائے'' (یوحنا باب ۲ آیت ۱ تا ۱۱)

غور فرمایئے! وہ کس بے باکی' گستاخی و بے ادبی کے ساتھ والدہ سے پیش آتے ہیں انہیں اماں جان وغیرہ کی بجائے ''اے عورت'' کہہ کر پکارتے ہیں' سارے رشتے ناطے بھول جاتے ہیں اور ٹھیک اُسی انداز میں ''اے عورت'' کہہ کر خطاب کرتے ہیں جس انداز میں زنا کے جرم میں گرفتار عورت سے بات کرتے ہیں (یوحنا باب ۸ آیت ۱۰) اور مزید اظہار لاتعلقی کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''مجھے تجھ سے کیا کام ہے'' یعنی میرا تمہارے ساتھ تعلق کیا ہے؟ میرا تمہارا کیا لینا دینا ہے؟ افسوس وہ بالکل بھول گئے کہ یہی وہ عورت ہے جس نے انہیں نو ماہ پیٹ میں رکھا' دودھ پلایا' پرورش کیلئے طرح طرح سے مشقت اٹھائی اور کئی غم سہے مگر وہ یہ سلوک کرتے ہیں اور توہین آمیز رویے سے پیش آتے ہیں۔ بائبل بتاتی ہے (باقی اگلے صفحہ پر ....

مسیحی قوم کی پانچویں غلطی اور اسکی اصلاح:

اس سے بھی دھوکا نہیں کھانا چاہیئے کہ جناب مسیح علیہ السلام پانی پر بغیر کشتی کے چلے گئے جیسا کہ متی باب ۱۴ میں ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریاءِ قلزم کو دو ٹکڑے کر کے بیچ میں سوکھا رستہ نکال

..........کہ احمق بیٹا ہی اپنی ماں کی تحقیر و بے ادبی کرتا ہے (امثال باب ۱۵ آیت ۲۰) حضرت مسیح علیہ السلام خود ماں باپ کی عزت کی تعلیم دیتے ہیں (متی باب ۱۹ آیت ۱۹) جو ماں باپ کو برا کہے اسے توریت کے مطابق قتل کرنے کا حکم سناتے ہیں (متی باب ۱۵ آیت ۴) مگر انکا اپنا کردار اسکے برعکس ہے۔ ہم نہیں سوچ سکتے کہ آپکے قول و فعل میں اس طرح کا تضاد ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی والدہ ماجدہ کے انتہائی فرمانبردار خدمت گزار تھے جیسا کہ خدا کے واحد سچے کلام قرآن مجید کا اعلان ہے "وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا" (مریم آیت ۳۲) "اور مجھ کو اپنی ماں کیساتھ نیک سلوک کرنے والا بنایا اور سرکش و بد بخت نہیں بنایا" دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "ابھی میرا وقت نہیں آیا" یعنی ابھی میرا معجزے کرنے اور خود کو ظاہر کرنے کا وقت نہیں آیا (تفسیر الکتاب میتھیو ہنری۔ ج ۳۔ ص ۶۸۰) افسوس ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام پہلے خود ہی کہتے ہیں کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا کہ معجزات کروں پھر اپنی بات جھٹلا کر اسی مجلس میں اسی وقت معجزہ کر دیتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا تضاد ہے۔ جب ایک کام کرنا ہی تھا تو اسکی وجہ سے والدہ محترمہ کو ؓ سرد مہری اور اجنبیت سے جواب دینے کی کیا ضرورت تھی؟ تیسری بات اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا سب سے پہلا معجزہ یہی تھا کہ انہوں نے پانی کے چھ مٹکوں کو مے (شراب) بنایا۔ یہ واقعی "مے" ہی تھی کوئی انگور کا تازہ جوس نہ تھا۔ یہی مے تھی جسکو پی کر حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیٹیوں سے زنا کر بیٹھے (پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۲) جسکو پی کر حضرت نوح علیہ السلام برہنہ ہوگئے نعوذ باللہ (پیدائش باب ۹ آیت ۲۱) جس سے پرہیز کرنے کو خدا کے حضور بزرگ ہونے کا نشان کہا گیا ہے (لوقا باب ۱ آیت ۱۵) جس کے پینے کو بد چلنی کا سبب بتایا گیا ہے (افسیوں کے نام خط باب ۵ آیت ۱۸) جسے پی کر انسان خدا کے حضور خیمہ اجتماع میں حاضر ہونے کا اہل نہیں رہتا (احبار باب ۱۰ آیت ۸) مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے پہلے معجزے کی برکت سے جو چیز وجود میں آتی ہے وہ مے ہی ہے شراب ہی شراب ہے۔ ایک خوش طبع شخص نے بڑی ظریفانہ بات کہی کہ آج سارا یورپ شراب کے سمندر میں غرق ہے۔ مگر اسمیں کوئی برائی نہیں، یہ چیز بالکل قابل تعجب نہیں کیونکہ انکے خدا کا پہلا معجزہ ہی شراب تھا۔ جو چیز انکے آقا کیلئے اچھی تھی وہ ان کیلئے کیسے بری ہو سکتی ہے۔ ایک مسیحی مفسر اس معجزے پر شیخی بگھارتے ہوئے لکھتا ہے "موسیٰ کا پہلا معجزہ پانی کو خون بنانا تھا۔ اس میں زبردست تباہ کن اثر تھا۔ مگر مسیح کا پہلا معجزہ پانی کو مے بنانا تھا۔ اسکا اثر تسکین بخش اور آسودہ کرنے والا تھا" (تفسیر الکتاب۔ ولیم میکڈونلڈ۔ ص ۲۶۱) ہو سکتا ہے کہ یہ مے خوشی وقتی طور پر کچھ تسکین بخش ہو یا تھوڑی دیر کیلئے آسودہ حالت کر دے۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ عقل سے اس طرح محروم اور شہوانیت اس طرح غالب کر دیتی ہے کہ انسان انتہائی گھناؤنے کرتوت کر بیٹھتا ہے۔ اسکی ساری راستبازی خاک میں مل جاتی ہے اور بنے بنائے شخص کا خانہ خراب ہو جاتا ہے۔

دیا تھا اور لاکھوں بنی اسرائیل اس رستہ سے گذر گئے تھے اور انکے دائیں بائیں پانی کی دیوار تھی۔ خروج باب ۱۴ آیت ۲۱، ۲۲ میں ہے ''پھر موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور خداوند نے رات بھر تند پُوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اُسے خشک زمین بنا دیا اور پانی دو حصے ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور اُنکے دہنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی طرح تھا'' انتہٰی۔

یہ معجزہ موسوی حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزہ سے یقیناً بہت بڑا ہے (۱) وہاں تو جناب مسیح علیہ السلام فقط خود ہی پانی پر چلے تھے اور جب پطرس حواری نے انکے حکم پر چلنے کا ارادہ کیا تو تھوڑا سا چل کر ہی ڈوبنے لگے کہ جناب مسیح علیہ السلام نے ہاتھ پکڑ لیا ورنہ ڈوب جاتے۔ (۲)

---

(۱) حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزہ کی تفصیل یوں ہے ''کشتی اُس وقت جھیل کے بیچ میں تھی اور لہروں سے ڈگمگا رہی تھی کیونکہ ہوا مخالف تھی۔ اور وہ رات کے چوتھے پہر جھیل پر چلتا ہوا انکے پاس آیا۔ شاگرد اُسے جھیل پر چلتے ہوئے دیکھ کر گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ بھوت ہے اور ڈر کر چلا اٹھے۔ یسوع نے فوراً اُن سے کہا خاطر جمع رکھو۔ میں ہوں۔ ڈرو مت۔ پطرس نے اس سے جواب میں کہا اے خداوند اگر تو ہے تو مجھے حکم دے کہ پانی پر چل کر تیرے پاس آؤں۔ اُس نے کہا آ۔ پطرس کشتی سے اتر کر یسوع کے پاس جانے کیلئے پانی پر چلنے لگا۔ مگر جب ہوا دیکھی تو ڈر گیا اور جب ڈوبنے لگا تو چلا کر کہا اے خداوند مجھے بچا! یسوع نے فوراً ہاتھ بڑھا کر اُسے پکڑ لیا اور اُس سے کہا اے کم اعتقاد تو نے کیوں شک کیا؟'' (متی باب ۱۴ آیت ۲۴ تا ۳۱) قارئین کرام! غور فرمایئے! حضرت مسیح علیہ السلام کے یہ عظیم شاگرد انکے ساتھی ہیں اہل ایمان بلکہ سب سے زیادہ کامل الایمان ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت اور کارناموں (معجزات) سے سب سے زیادہ واقف ہیں، ہر وقت انکی صحبت میں حاضر باش اور مجلس میں شریک رہنے والے ہیں، یہ بلند مرتبہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت کے مطابق اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرنے والے ہیں (متی باب ۱۹ آیت ۲۸) اس سب کے باوجود وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو جھیل پر چلتے ہوئے دیکھ کر گھبرا گئے ڈر کر چلا اٹھے اور کہنے لگے یہ کوئی جن بھوت (بدروح) ہے نعوذ باللہ۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ تمام حواری اور شاگرد حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا اور الٰہ نہ سمجھتے تھے ورنہ انکو جان لینا چاہیئے تھا کہ یہ ہمارا خداوند خدا یسوع مسیح ہے جو تمام قدرتوں کا مالک اور تمام کائنات پر اختیار کلی رکھتا ہے لہٰذا اسکا پانی پر چلتے ہوئے آنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بائبل کا مفسر میتھیو ہنری بھی مجبور ہو کر لکھتا ہے'' کہنے لگے کہ بھوت ہے۔ بہتر مفہوم یہ ہے کہ سایہ ہے۔ شاگردوں نے کہا بھوت (روح) ہے جبکہ انہیں کہنا چاہیئے تھا یہ خداوند ہے کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا'' (تفسیر الکتاب، میتھیو ہنری، ج ۳، ص ۱۹۳)

(۲) مصنفؒ نے کیا خوب تقابل کیا ہے۔ للہ درہ

حضرت یشوعؑ کا معجزہ:

حضرت یشوعؑ (۱) نے بحکم خداوندی دریاءِ اردن کو دو ٹکڑے کر کے سب بنی اسرائیل کو سوکھی زمین سے پار اُتار دیا تھا چنانچہ کتاب یشوع باب ۳ آیت ۱۰ میں ہے "اور یشوع کہنے لگا کہ اس سے تم جان لوگے کہ زندہ خدا تمہارے درمیان ہے......... دیکھو ساری زمین کے مالک کے عہد کا صندوق تمہارے آگے آگے یردن میں جانے کو ہے......... اور جب یردن کے پانی میں اُن کاہنوں کے پاؤں کے تلوے ٹک جائینگے جو خداوند یعنی ساری دنیا کے مالک کے عہد کا صندوق اٹھاتے ہیں تو یردن کا پانی یعنی وہ پانی جو اوپر سے بہتا ہوا نیچے آتا ہے تھم جائیگا اور اُسکا ڈھیر لگ جائیگا......... اور جب عہد کے صندوق کے اٹھانے والے یردن پر پہنچے اور ان کاہنوں کے پاؤں جو صندوق کو اٹھائے ہوئے تھے کنارے کے پانی میں ڈوب گئے تو جو پانی اوپر سے آتا تھا وہ خوب دُور ادم کے پاس جو ضرتان کے برابر ایک شہر ہے رُک کر ایک ڈھیر ہو گیا اور وہ پانی جو میدان کے دریا یعنی دریای شور کی طرف بہہ کر گیا تھا بالکل الگ ہو گیا اور لوگ عین یریحو کے مقابل پار اُترے اور وہ کاہن جو خداوند کے عہد کا صندوق اٹھائے ہوئے تھے یردن کے بیچ میں سوکھی زمین پر کھڑے رہے اور سب اسرائیلی خشک زمین پر ہو کر گذرے یہاں تک کہ ساری قوم صاف یردن کے پار ہو گئی" انتھی (یشوع باب ۳ آیت ۱۰ تا ۱۷)

حضرت یشوعؑ کا یہ معجزہ دیکھئے کہ کاہنوں کا دریا میں پاؤں رکھتے ہی جانب بالا سے سب پانی ایک جگہ جمع ہو کر ڈھیر بن گیا اور دوسری جانب سے دریائے شور تک منقطع ہو گیا۔ زمین سوکھی نکل آئی، خشک راستے سے سب اسرائیلی جو لاکھوں میں تھے گذر گئے اور اتنی دیر تک دریا اسی حالت پر رہا۔ یہ معجزہ حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزہ سے بڑھ کر ہے۔

(۱) انکا نام یوشع یا یشوع بن نون ہے۔ افرائیمی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم وخلیفہ تھے۔ انکی اس کتاب (صحیفہ) کے چوبیس ابواب ہیں اس کتاب میں یوشع علیہ السلام کا بنی اسرائیل کیساتھ دریائے یردین کو عبور کرنا، انکا سرکشوں کیساتھ جہاد کرنا، مختلف اوقات کے دیگر احوال مندرج ہیں نیز عین نصف النہار کے وقت آفتاب کا پورے ایک دن ٹھہرا رہنے کا معجزہ جو انکے ہاتھ پر ظاہر ہوا اس کتاب کے باب دہم میں اسکی صراحت ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام اور الیسع علیہ السلام کا معجزہ:

اسی طرح حضرت ایلیاہ علیہ السلام اور الیسع علیہ السلام دریاءِ اردن کو دو ٹکڑے کرکے پار اترے تھے سلاطین دوم باب ۲ آیت ۸،۱۴ میں ہے ''اور ایلیاہ نے اپنی چادر کو لیا اور اُسے لپیٹ کر پانی پر مارا اور پانی دو حصے ہو کر اِدھر اُدھر ہو گیا اور وہ دونوں خشک زمین پر ہو کر پار گئے.........اور اُس نے ایلیاہ کی چادر کو جو اُس پر سے گر پڑی تھی لیکر پانی پر مارا اور کہا کہ خداوند ایلیاہ کا خدا کہاں ہے؟ اور جب اُس نے بھی پانی پر مارا تو وہ اِدھر اُدھر دو حصے ہو گیا اور الیشع پار ہوا'' (۱)

---

(۱) اس باب میں حضرت الیاس علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا واقعہ مذکور ہے۔ اُنکے رفع آسمانی کے وقت اُنکی چادر گر پڑی تھی جس سے حضرت الیسع علیہ السلام نے یہ معجزہ کیا۔ حضرت الیاس علیہ السلام (ایلیاہ) نے حضرت الیسع علیہ السلام کو اپنا وارث بنایا تھا اپنی جگہ نبی ہونے کیلئے ''مسح'' کرکے اپنی چادر اُن پر ڈالی تھی (سلاطین اول باب ۱۹ آیت ۱۹) جب حضرت ایلیاہ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے تو بائبل کے مطابق حضرت الیسع علیہ السلام اس منظر کو دیکھ کر بہت چلائے اور اُنکی جدائی پر ماتم کرتے ہوئے اپنے کپڑوں کو پکڑ کر پھاڑ ڈالا اور دو حصے کر دیا (سلاطین دوم باب ۲ آیت ۱۲) سوچئے! اسکا عملی منظر کتنا عجیب و غریب ہوگا۔ بائبل میں ایک جگہ حضرت یسعیاہ علیہ السلام کو اس طرح حکم دیا گیا ہے'' اس وقت خداوند نے یسعیاہ بن آموص کی معرفت یوں فرمایا کہ جا اور ٹاٹ کا لباس اپنی کمر سے کھول ڈال اور اپنے پاؤں سے جوتے اتار۔ سو اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ برہنہ اور ننگے پاؤں پھرا کرتا تھا۔ تب خداوند نے فرمایا جس طرح میرا بندہ یسعیاہ تین برس تک برہنہ اور ننگے پاؤں پھرا کیا تاکہ مصریوں اور کوشیوں کے بارے میں نشان اور اچنبھا ہو'' (یسعیاہ باب ۲۰ آیت ۲) جب خدا کے برگزیدہ پیغمبر ہی آوارہ و نیم پاگل جیسے ملنگوں کی طرح ننگ دھڑنگ پھرا کرتے تھے نعوذ باللہ تو وہ انسانوں کو کیسی ہدایت و تبلیغ اور کیا نبوت کرتے ہونگے اسکا اندازہ فرمالیں۔ بھلا اسمیں ان کا کوئی قصور نہیں خدا تعالیٰ کا حکم ہی ایسا تھا نعوذ باللہ نبوت کرنے کا ایک اور اسٹائل ملاحظہ فرمائیں! ''اور ساؤل نے داؤد کو پکڑنے کو قاصد بھیجے اور انہوں نے جو دیکھا کہ نبیوں کا مجمع نبوت کر رہا ہے اور سموئیل انکا پیشوا بنا کھڑا ہے تو خدا کی روح ساؤل کے قاصدوں پر نازل ہوئی اور وہ بھی نبوت کرنے لگے......اور کسی نے کہا کہ دیکھ وہ رامہ کے بیچ نیوت میں ہیں۔ تب وہ اُدھر رامہ کے نیوت کی طرف چلا اور خدا کی روح اس پر بھی نازل ہوئی اور وہ چلتے چلتے نبوت کرتا ہوا رامہ کے نیوت میں پہنچا۔ اور اس نے بھی اپنے کپڑے اتارے اور وہ بھی سموئیل کے آگے نبوت کرنے لگا اور اس سارے دن اور ساری رات ننگا پڑا رہا۔ اس لئے یہ کہاوت چلی کیا ساؤل بھی نبیوں میں ہے؟'' (سموئیل اول باب ۱۹ آیت ۲۰ تا ۲۴) دیکھا آپ نے نبوت کرنے کا انداز! ایسا لگتا ہے کہ بائبل کے مصنفین نے بڑے اہتمام سے ذمہ داری لے رکھی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بہر صورت برہنہ دکھائیں۔ کبھی حضرت نوح علیہ السلام برہنہ ہو جاتے ہیں (پیدائش باب ۹ آیت ۲۱) تو کبھی حضرت داؤد علیہ السلام (سموئیل دوم باب ۶ آیت ۲۰) نعوذ باللہ منہ

تجزیہ مصنف رحمہ اللہ:

یہ دونوں معجزے بھی اس معجزۂ عیسویؑ سے کسی طرح کم نہیں۔ پس اگر پانی پر کسی طرح کا تصرف خدا ہونے کا سبب ہو تو یہ سب پیغمبر خصوصاً حضرت یشوع و موسیٰ علیہما السلام بھی خدا ہوں۔ دیکھئے! معجزات عیسویؑ جو اناجیل والوں نے لکھے ہیں یہی ہیں۔ پس اگر روایتِ احاد سے قطع نظر کی جائے (۱) تب بھی کوئی معجزہ اسکی صلاحیت نہیں رکھتا کہ صاحبِ معجزہ کو خدا ٹھہرا جائے اور غور کرو

---

(۱) یہ تمام معجزات تواتر، سند متصل یا مضبوط شہادت سے ثابت نہیں ہوتے کیونکہ انکو صرف اناجیل نے لکھا ہے جو خبر واحد کا درجہ رکھتی ہیں۔ اولاً تو ان چاروں اناجیل کا زمانہ تصنیف معین نہیں ہے بلکہ انکی تعیین میں مسیحی علماء کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ انجیل متی کا متی حواری کی طرف منسوب ہونا محل نظر ہے پھر اسکا اصل عبرانی نسخہ دنیا سے ناپید ہے۔ انجیل مرقس کا آخری حصہ بالاتفاق محرف ہے نیز مرقس حضرت مسیح علیہ السلام کا شاگرد نہیں بلکہ بعد کے زمانہ کا ہے۔ انجیل لوقا کی نسبت جس لوقا کی طرف کی گئی ہے اسکی شخصیت کا اتہ پتہ نہیں، سات مختلف افراد پر لوقا صاحب انجیل ہونے کا لیبل چسپاں کیا گیا ہے۔ اگر اس سے مراد لوقا طبیب ہو تو وہ حضرت مسیح علیہ السلام کا شاگرد نہیں بلکہ پولوس کا شاگرد بتایا جاتا ہے اور پولوس کی شخصیت متنازعہ ہے۔ انجیل یوحنا کا یوحنا ابن زبدی حواری کی طرف منسوب ہونا محل نظر ہے۔ موصوف پہلی تینوں اناجیل سے اختلاف ہی کرتے ہیں۔ اناجیل اربعہ کے ان مصنفین نے کہیں اپنے بارے میں صاحب الہام ہونا نہیں بتایا اور نہ اپنی مرتبہ کتابوں کو "الہامی" قرار دیا ہے۔ پھر ان لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں اتنا تضاد اور تناقض ہے کہ کوئی حد نہیں۔ مختلف مواد الہامی تو کیا مستند ہی نہیں ہو سکتا کہ ان غیر معتبر روایات پر عقائد کی مضبوط بنیادیں کھڑی کی جائیں۔ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو بیان کرتے ہوئے جو تضاد بیانی ہے اسکی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔ ایک واقعہ ایک جگہ اس طرح آیا ہے "جب وہ چلتے چلتے یریحو کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ ایک اندھا راہ کے کنارے بیٹھا ہوا بھیک مانگ رہا تھا۔ وہ بھیڑ کے جانے کی آواز سن کر پوچھنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے اسے خبر دی کہ یسوع ناصری جا رہا ہے۔ اس نے چلا کر کہا اے یسوع ابن داؤد مجھ پر رحم کر" (لوقا باب ۱۸ آیت ۳۵ تا ۳۸) یہی واقعہ دوسری جگہ اس طرح آیا ہے "اور جب وہ یریحو سے نکل رہے تھے ایک بڑی بھیڑ اسکے پیچھے ہولی۔ اور دیکھو دو اندھوں نے جو راہ کے کنارے بیٹھے تھے یہ سن کر کہ یسوع جا رہا ہے چلا کر کہا اے خداوند ابن داؤد ہم پر رحم کر" (متی باب ۲۰ آیت ۲۹ تا ۳۰) پہلے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اندھا راہ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا اس نے پکارا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسکی خواہش پر بطور معجزہ بینا کر دیا۔ دوسرے بیان میں متی نے ایک کی بجائے دو اندھوں کا ذکر کر دیا تا کہ مسیح علیہ السلام کا معجزہ زیادہ نمایاں ہو مگر تضاد واضح ہے اور دونوں باتیں الہامی ہیں۔ پہلے بیان کے مطابق اندھے نے یوں پکارا "اے یسوع ابن داؤد مجھ پر رحم کر" اس جملے میں حضرت مسیح علیہ السلام کا خدا کی بجائے انسان ہونے کا مفہوم واضح ہے۔ متی نے فرمایا کہ ان دو اندھوں نے یوں نہیں کہا تھا بلکہ اس طرح کہا کہ "اے خداوند ابن داؤد ہم پر رحم کر" اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خدا ہونا متی کے زعم کے مطابق ثابت ہو گیا۔ اسی طرح ایک واقعہ (باقی اگلے صفحہ پر.........

کہ انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۲ میں جناب مسیح علیہ السلام کا ارشاد یوں مذکور ہے "میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کریگا بلکہ ان سے بھی

.... حضرت مسیح علیہ السلام گدرینیوں (گراسینیوں) کے علاقے میں پہنچے تو انکو بدروح والے آسیب زدہ آدمی ملے۔ متی اپنی انجیل میں بتاتے ہیں کہ وہ دو آدمی تھے (متی باب ۸ آیت ۲۸) مرقس اپنی انجیل میں لکھتے ہیں کہ وہ ایک آدمی تھا جس میں ناپاک روح تھی (مرقس باب ۵ آیت ۲) دونوں باتوں میں کھلا تضاد ہے ایک "الہام" یقینی طور پر غلط ہے۔ بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بڑی عنایت کی کہ ان سے بدروحوں کو نکال دیا اور وہ تندرست ہو گئے مگر سامنے دو ہزار سؤروں (خنزیر) کا ریوڑ چر رہا تھا چرواہے بھی موجود تھے۔ آپ نے ان بدروحوں کو اپنی خدائی قدرت الٰہی طاقت کے ذریعے مارنے یا مغلوب ومقید کرنے یا علاقہ سے باہر جانے (مرقس باب ۵ آیت ۱۰) یا اتھاہ گڑھے میں جانے (لوقا باب ۸ آیت ۳۱) کا حکم دینے کی بجائے وہاں بھیج دیا۔ وہ تمام بے قصور جانور بد کے بدحواس ہوکر بھاگے اور پانی میں ڈوب کر سب ہلاک ہوگئے۔ ریوڑ کے مالکوں کا اچھا خاصا نقصان ہوا انہوں نے سارے شہر والوں کے ساتھ آ کر منت کی کہ اے خدا! خدا کیلئے ہماری سرحدوں سے باہر چلا جا (متی باب ۸ آیت ۳۴) کہ ایک دو مثالیں ہم نے بطور نمونہ ذکر کی ہیں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن سب کا ذکر موجب طوالت ہے کئی مثالیں پیچھے بھی گذر چکی ہیں اور تمام تناقضات کا احاطہ کرنا تو کسی کے بس کا روگ ہی نہیں۔ اگر بائبل کوئی الہامی کتاب ہے یا اناجیل کوئی مستند سواد ہے تو ضروری ہے کہ اسکے مندرجات میں موافقت ہو۔ ایک مغربی عیسائی مفکر بھی یہی بات لکھتے ہیں

For any book to win one's confidence, it must be consistent within itself. Particularly must this be true of the Bible, if it is to measure up to the claim that it is the word of God.

(Is the Bible Realy the Word of God? (Watchtower Bible And Tract society), New York,1969,p.89.)

"کوئی کتاب اسی وقت اعتماد کا درجہ حاصل کر سکتی ہے جب اسکے مشمولات باہم مطابقت ویکسانیت رکھتے ہوں۔ اس (اصول) کا خصوصی اطلاق بائبل پر ہونا چاہیئے اگر اسے اس دعویٰ پر پورا اترنا ہے کہ وہ کلام خداوندی ہے"

انہی تضادات کے پیش نظر مسیحی علم الٰہیات کے فاضل اجل آگسٹائن (Augustine) یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ

I should not believe in the Gospel if I had not the authority of the Church for so doing.

(Herbert Muller: Uses of the past,p.89.)

"اگر کلیسا کی سند مجھے انجیل پر اعتماد رکھنے کیلئے نہ کہتی تو میں اس پر بھی ایمان نہ رکھتا"

بڑے کام کریگا"(۱) پس اگر معجزوں سے الوہیت ثابت ہوتی ہے تو مسیحیت کے اس طبقہ اول کے

(۱) اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف اس طرح کے اور بھی اقوال منسوب کیے گئے ہیں مثلاً انجیل متی میں ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا اور وہ چلا جائیگا اور کوئی بات تمہارے لیے ناممکن نہ ہوگی" (متی باب ۱۷ آیت ۲۰) دوسری جگہ آیا ہے "خداوند نے کہا کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوتا اور تم اس توت کے درخت سے کہتے کہ جڑ سے اکھڑ کر سمندر میں جالگ تو تمہاری مانتا" (لوقا باب ۱۷ آیت ۶) تیسری جگہ آیا ہے "جو ایمان لائے اور بپتسمہ لے وہ نجات پائیگا اور جو ایمان نہ لائے وہ مجرم ٹھہرایا جائیگا اور ایمان والوں کے درمیان یہ معجزے ہونگے۔ وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالینگے۔ نئی نئی زبانیں بولینگے۔ سانپوں کو اٹھالینگے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئینگے تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ وہ بیماروں پر ہاتھ رکھینگے تو اچھے ہوجائینگے" (مرقس باب ۱۶ آیت ۱۶) چوتھی جگہ آیا ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو کوئی اس پہاڑ سے کہے تو اکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ اور اپنے دل میں شک نہ کرے بلکہ یقین کرے کہ جو کہتا ہے وہ ہوجائے گا تو اس کے لیے وہی ہوگا۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کچھ تم دعا میں مانگتے ہو یقین کرو کہ تم کو مل گیا اور وہ تمہارے لیے ہوجائیگا" (مرقس باب ۱۱ آیت ۲۳) ان ارشادات میں معجزات کو الوہیت کی دلیل نہیں بلکہ ایمان کی علامت اور دلیل بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس مومن شخص سے معجزات ظاہر ہونگے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ صاحب معجزات مومن ہوتا ہے خدا نہیں ورنہ ان آیات کے مطابق تھوڑا سا ایمان رکھنے والا شخص بھی خدا بن بیٹھے گا۔ معزز قارئین کرام! دوسرے پہلو سے سوچیں تو انجیل کے ان ارشادات کے مطابق کسی مسیحی کا بھی مومن ہونا ثابت نہیں ہوتا اور عیسائی دنیا کی اکثریت بلکہ تمام بے ایمان ہیں کیونکہ ایمان کا ادنیٰ معیار یہ بتایا گیا ہے کہ اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو اس شخص کے کہنے پر پہاڑ اپنی جگہ سے سرک کر وہاں چلا جائے گا توت کا درخت جڑ سے اکھڑ کر سمندر میں جالگے گا۔ آج کوئی پوپ و بشپ نائب المسیح بھی ایسا نہیں کرسکتا کہ اپنی چھوٹی سی ہوائی چپل کو ایمانی طاقت سے ہوا میں اونچا معلق کردے یا اپنے ہاتھ کی گھڑی کو حکم دے سکے کہ یہاں سے وہاں چلی جا۔ یقیناً اس میں رائی کا کروڑواں حصہ بھی ایمان نہیں اور وہ دولت ایمان سے بالکل محروم ہے۔ اگر عیسائی دوستوں میں ایمان ہوتا تو وہ سیکھے بغیر ہر زبان بول سکتے حالانکہ وہ بھی عام انسانوں کی طرح کسی زبان کے بولنے میں سیکھنے کے محتاج ہیں۔ سانپوں کا اٹھانا تو دور کی بات ہے کوئی عیسائی اپنے ہاتھ میں بچھو اٹھانے کو بھی تیار نہیں ہوگا اگر وہ ایسا کرے گا تو بچھو اسکے ایمان کا لحاظ نہیں کرے گا اور اپنا حق خدمت ضرور ادا کرے گا۔ اگر کوئی عیسائی ہلاک کرنے والی چیز پیئے گا تو ضرور ضرر پہنچے گا۔ تمام عیسائی مشن ہسپتال انکی بے ایمانی کے اشتہار ہیں کیونکہ اگر ان میں ایمان ہوتا تو بیماروں کو صرف ہاتھ رکھ کر شفا دے دیتے۔ انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی آخری دعا میں موت کا پیالہ ٹلنے کی التجا اتنی دل سوزی سے کی کہ اپنا چہرہ مبارک زمین پر رگڑ رہے تھے اور جسم سے پسینہ کی بجائے خون کے قطرے بہہ رہے تھے (لوقا باب ۲۲ آیت ۴۴) مگر یہ پیالہ نہ ٹل سکا شاید انہوں نے ایمان ویقین کے ساتھ دعا نہ مانگی ہوگی۔ نعوذ باللہ عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پورے چھ گھنٹے صلیب پر تڑپتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں (باقی اگلے صفحہ پر.................

لوگوں کو حضرت مسیح علیہ السلام سے بھی بہتر خدا ہونا چاہیے؟ پھر سوچو کہ ایک انسان بدن و نفس ناطقہ

.............شکایت آمیز نعرہ لگاتے رہے کہ "اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا" نعوذ باللہ اگر ان میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوتا تو وہ اپنی ایمانی قوت سے صلیب کی لکڑی توڑ کر نیچے آ جاتے۔ الغرض انجیل کے مطابق کسی عیسائی بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی مومن ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ مسیحی دوستوں کو سوچنا چاہیے کہ جب ان میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں تو وہ دوسروں کو کس چیز کی دعوت دیتے پھرتے ہیں؟ معزز قارئین! ان لوگوں نے اصل تعلیمات مسیح و موسیٰ کو کتنا مسخ کر دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کے مشترکہ نکات توحید، رسالت، آخرت ہیں۔ ان پاکیزہ عقائد کے ماننے کا نام ایمان ہے۔ ایمان میں جس اطاعت و بندگی کا اقرار کیا جاتا ہے اسے اپنے عمل سے سچا ثابت کرنے کا نام اسلام ہے مگر عیسائیت کے ہاں ایمان نظریات و عقائد کو نہیں کہتے بلکہ معجزات ظاہر کرنے (شعبدہ بازی) کا نام ایمان ہے۔ جس طرح "انجیلی ایمان" کا حاصل کرنا دشوار ہے اسی طرح انجیل کی تعلیمات پر انتہائی اعلیٰ ہونے کے باوجود عمل کرنا بہت مشکل ہے مثلاً ارشاد ہے "لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اسکے ساتھ دو کوس چلا جا" (متی باب ۵ آیت ۳۹) عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے جانوروں کو بھی حق مدافعت دیا ہے۔ کوئی اڑ کر جان بچا لیتا ہے، کوئی تیز بھاگ کر بچ نکلتا ہے، کوئی سینگ مار کر اپنا دفاع کرتا ہے، کوئی ڈس کر اپنا بدلہ لیتا ہے مگر عیسائی "انجیلی تعلیم" کی بنا پر اتنا بے بس ہے کہ اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ اگر کوئی چور اسکے ایک کمرے کا سامان چوری کرے تو اسے واپس لینے کا حق نہیں بلکہ دوسرے کمرے کا سامان بھی از خود چور کے حوالے کر دے۔ اگر کوئی شخص کسی عیسائی ملک کا ایک صوبہ چھین لے تو کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ صوبہ واپس لے بلکہ اسے یہ حکم ہے کہ دوسرا صوبہ بھی اسکے حوالے کر دے۔ اگر کوئی کسی عیسائی کو اغوا کرے تو بازیابی کا حق نہیں بلکہ دوسرا بھی حوالے کر دے وغیرہ وغیرہ۔ بائبل کی یہ تعلیم بظاہر بڑی خوبصورت، امن پسند، پیار بھری ہے مگر حقیقت میں انتہائی نامناسب اور ناقابل عمل ہے کہ کوئی عیسائی انفرادی یا اجتماعی طور پر اسے نہیں اپنا سکتا۔ بلکہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اس پر عمل نہیں کیا۔ جب ایک یہودی نے گرفتار حالت میں انکو طمانچہ مارا نعوذ باللہ تو انہوں نے دوسرا گال پیش نہیں کیا بلکہ اپنے مارنے والے کو ڈانٹا کہ تو مجھے کیوں مارتا ہے؟ (یوحنا باب ۱۸ آیت ۲۲) ٹھیک اسی طرح ہر زمانے کی عیسائی اقوام نے بھی اس تعلیم کو سختی سے رد کیا۔ ایٹم بم اور دوسرے مہلک ترین آلات حرب ایجاد کرنے والے عیسائی ہی ہیں۔ بلکہ عیسائیت نے اپنے داخلی و مذہبی اختلافات کی بنیاد پر آپس میں جو خون بہایا اور ظلم کیا اسکی داستان اتنی لرزہ خیز ہے کہ خدا کی پناہ! اور دنیا کے تمام مذاہب کی تاریخ میں ایسے بدترین مذہبی مظالم کی مثال نہیں ملتی۔ اگر آپ اسکی علمی تفصیل دیکھنا چاہیں تو پادری خورشید عالم کی مستند کتاب "تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ" ملاحظہ فرمائیں اور اگر اس خونخوار قوم (نصاریٰ و یہود) کی درندگی کا عملی منظر دیکھنا چاہیں تو عراق، افغانستان، فلسطین میں انکے مظالم نہ بھولیے۔ امید ہے کہ آپ پر انکی روشن خیالی، وسعت قلبی، صلح پسندی، امن خواہی، نرم مزاجی اور خوش خوئی کی سب حقیقت کھل جائیگی۔

کے اعتبار سے جو یقیناً حادث وفانی ہے کیسے خدا ہو سکتا ہے؟ یہ بھی جانو کہ نبیوں کو اگرچہ علمِ غیب نہیں ہوتا(۱) لیکن اپنے معبود کو تو یقیناً پہچانتے ہیں اور اُسکی ذات وصفات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام بالاتفاق نبی تھے حالانکہ اپنی گرفتاری(۲) کے وقت تک انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نہ جانا بلکہ اُنکے "مسیح" ہونے میں بھی شبہ رہا۔ متی باب ۱۱ میں ہے "اور یوحنا نے قید خانہ میں مسیح کے کاموں کا حال سن کر اپنے شاگردوں کی معرفت اُس سے پچھوا بھیجا کہ آنے والا تو ہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں؟" (متی باب ۱۱ آیت ۲، لوقا باب ۷ آیت ۱۹) دیکھیے! اس جگہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو مسیح کے معجزات سننے سے شبہ پڑا کہ شاید یہ مسیح ہو۔ اس سے یہ بات بھی صاف طور پر کھل گئی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی خبر گذشتہ صحائف میں ایسی صاف اور روشن نہ تھی کہ اُسکا جاننے والا حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھ کر پہچان لے جب تک کہ خود مسیح یہی دعویٰ نہ کریں کہ میں مسیح ہوں کیونکہ جب اخص الخواص لوگ جو نبی ہیں نہیں پہچانتے تو دوسرے علماء اور عوام کا کیا ذکر۔(۳)

---

(۱) جیسا کہ بائبل کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں جنکا ذکر موجب طوالت ہے اور مصنفؒ نے ازالۃ الاوہام باب چہارم فصل دوم میں اعتراض ششم کے تحت اس پر مفصل بحث کی ہے۔ اس فصل میں مصنفؒ نے سید المعصومین خیر الوریٰ ﷺ پر عیسائیوں کے مطاعن واعتراضات کے جواب دیے ہیں جو انتہائی قابلِ قدر اور لائق مطالعہ ہیں۔

(۲) یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس نے اپنی ایک محبوبہ عورت سے ناجائز رشتہ کر رکھا تھا حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نہی عن المنکر کرتے ہوئے اُسے سمجھایا مگر اُس ظالم شخص نے نہ مانا اور آپکو گرفتار کر کے قید خانہ میں بند کر دیا پھر اسی عورت کے کہنے پر نہایت سفاکانہ طریقے سے اُنکو شہید کر دیا۔ انجیل مرقس باب ۶ آیت ۱۴ تا ۲۹ میں اس واقعہ کی تفصیل ہے۔ مسلم مورخین حافظ ابن کثیرؒ وغیرہ نے بھی لکھا ہے یہ سانحہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی مبارک میں ہی پیش آیا تھا اسی زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز کر دیا تھا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قید خانہ میں اُنکے حالات پتہ چلے۔

(۳) لہٰذا پیشنگوئی خبر یا بشارت کا انتہائی مفصل اور بالکل واضح ہونا ضروری نہیں۔ مسیحی حضرات کا یہ کہنا کہ ختم المرسلین حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بائبل میں کوئی واضح پیشنگوئی یا کھلی بشارت نہیں ملتی یہ بالکل ناانصافی ہے۔ گذشتہ صحائف میں مذکور جس قسم کی خبروں اور پیشنگوئیوں کو حضرت مسیح علیہ السلام پر یہ لوگ بالتکلف منطبق کرتے ہیں اُس سے زیادہ واضح اور روشن بشارتیں حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ہیں جو بڑی بداہت کیساتھ اُنکی ذات گرامی پر صادق آتی ہیں تفصیل کا یہ موقعہ نہیں کہ "ہر سخنے را مکانے دارد"

الوہیتِ مسیح علیہ السلام عقلی پہلو سے:

یہ کیسا خدا تھا جس نے اپنے بندے یحییٰ علیہ السلام کے سامنے آ کر غوطہ لیا اور غوطہ کے وقت گناہوں کا اقرار کیا کیونکہ یہ غوطہ "توبہ" کے قائم مقام تھا اور حقیقت اسکی یہی تھی کہ آدمی پہلے گناہوں کا اقرار کرتا (۱) اور پھر یحییٰ علیہ السلام پیغمبر سے غوطہ لیتا تھا۔ مرقس باب ۱ آیت ۴، ۵، ۹ میں ہے "یوحنا آیا اور بیابان میں بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کیلئے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا تھا اور یہودیہ کے ملک کے سب لوگ اور یروشلیم کے سب رہنے والے نکل کر اُسکے پاس گئے اور انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے دریاءِ یردن میں اُس سے بپتسمہ لیا........ اور اُن دنوں ایسا ہوا کہ یسوع نے گلیل کے ناصرہ سے آ کر یردن میں یوحنا سے بپتسمہ لیا" انتہیٰ۔ اور یہ کیسا خدا تھا کہ ہمیشہ اور انسانوں کی طرح کھانے پینے کا محتاج رہے، وہ مریض اور غمگین ہوتے تھے، اکثر اوقات دعا مانگا کرتے تھے، اپنے آپ سے علم قیامت، قدرتِ ذاتی اور حیاتِ ذاتی کی نفی کرتے تھے جیسا کہ اسکی وضاحت انکے عقیدۂ اجماعیہ کے رد میں گذر چکی اور اکثر اوقات یہودیوں سے خوف کھاتے رہے جیسا کہ یوحنا باب ۷ آیت ۱، باب ۱۱ آیت ۵۴ میں صراحت ہے۔ آخر کار اُنکے ہاتھوں تکلیف اٹھا

---

(۱) بائبل کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام گناہوں سے پاک یا معصوم نہ تھے وہ ایک عورت سے پیدا ہوئے اور عورت سے پیدا ہونے والا پاک نہیں ہو سکتا (ایوب باب ۲۵ آیت ۴) اپنی والدہ ماجدہ سے برا سلوک کرتے ہیں (متی باب ۱۲ آیت ۴۶ تا ۵۰) والدہ صاحبہ کی توہین کرتے ہیں (یوحنا باب ۲ آیت ۴) بدچلن فاحشہ عورت کی نازیبا حرکات کی تعریف کرتے ہیں (لوقا باب ۷ آیت ۳۷ تا ۴۶) یہود کے سوا تمام انسانوں کو کتا کہتے ہیں (مرقس باب ۷ آیت ۲۷) لوگوں کو نامناسب اور طعن آمیز القابات سے مخاطب کرتے ہیں (متی باب ۱۶ آیت ۴، باب ۱۷ آیت ۱۷، باب ۲۳ آیت ۳۳) مقامِ رسالت کی توہین کرتے ہوئے گذشتہ انبیاء کرام کو چور اور ڈاکو کہتے ہیں (یوحنا باب ۱۰ آیت ۸) وہ عیسائی عقیدہ کے مطابق صلیب پائے اور لکڑی پر لٹکنے والا ہونے کے لحاظ سے ملعون ہیں (استثناء باب ۲۱ آیت ۲۳، گلتیوں کے نام خط باب ۳ آیت ۱۳) اُنکی ذاتی نیکی کا انجیلی تصور یہ ہے کہ وہ جھوٹ بھی بولتے ہیں اپنے "بھائیوں" سے کہتے ہیں کہ میں فلاں جگہ (عید منانے) نہیں جاؤنگا مگر اسکے باوجود "ظاہراً نہیں بلکہ پوشیدہ" وہاں چلے جاتے ہیں (یوحنا باب ۷ آیت ۸ تا ۱۰) لوگوں کو مے (شراب) پیش کرتے ہیں (یوحنا باب ۲ آیت ۷ تا ۱۰) حالانکہ کتاب مقدس کے مطابق "مے سے بصیرت جاتی رہتی ہے" (ہوسیع باب ۴ آیت ۱۱) وغیرہ۔ نعوذ باللہ من کل ھذہ الخرافات الغرض بائبل کی یہ تمام باتیں کسی طور پر مسیح علیہ السلام کو معصوم ثابت نہیں کرتیں۔ بائبل کے مطابق انہوں نے یوحنا اصطباغی (یحییٰ علیہ السلام) سے توبہ و معافی کا بپتسمہ لیا جسکا مصنف حوالہ دے رہے ہیں۔

کر سُولی پا کر مرے (۱) تین دن تین رات تک مُردہ پڑے رہے پھر جی اٹھے۔ تعجب یہ ہے کہ جب

(۱) مسیحی حضرات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سُولی پا کر مرنا اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سے عقیدۂ کفارہ کی بنیاد فراہم ہو سکے۔ یہ ''کفارہ'' عیسائیت کا دوسرا امتیازی عقیدہ' مرکزی نکتہ اور تصور نجات ہے۔ تمام الہامی مذاہب میں نجات وفلاح کا تصور یہ دیا گیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اسکے حکموں پر ایمان لائے خدا کی شریعت پر عمل کرنے کا عزم کرے جس میں کوتاہی (گناہ) ہو جائے تو توبہ واستغفار کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ عہد قدیم ہو یا تعلیمات عیسوی دونوں میں نجات اور آسمان کی بادشاہی کے حصول کیلئے ایمان احکام پر عمل اور عمل کی کمی کو توبہ کے ذریعے تلافی کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ یہ بات اس قدر وضاحت وتکرار کیساتھ کہی گئی ہے کہ حوالہ کی احتیاج نہیں۔ مگر مروجہ عیسائیت میں نجات کا تصور ''عقیدہ کفارہ'' ہے جو عیسائیت کا اساسی نکتہ اور اہم ترین نظریہ ہے حتیٰ کہ اسکی اہمیت تثلیث سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ عقیدہ تثلیث کفارہ کی فرع ہے اصل تو کفارہ ہے۔ کفارہ کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے درخت کا پھل کھا کر انتہائی سنگین گناہ کیا۔ وہ گناہ وبائی مرض کی طرح حضرت آدم علیہ السلام سے انکی تمام اولاد کو لگ گیا۔ اس گناہ کی لعنت پوری نسل انسانی پر چھا گئی۔ یہ اصلی وموروثی گناہ {Original Sin} اولاد آدم میں ایسا منتقل ہوا کہ تمام انسان گناہ گار و ناپاک ٹھہرے۔ انسان کو اس گناہ سے کوئی چیز پاک نہیں کر سکتی۔ پاکیزگی کا ذریعہ صرف ''فدیہ'' ہے۔ فدیہ وہی دے سکتا ہے جو خود گناہ سے پاک ہو اور حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا کوئی راستباز' معصوم و پاک نہیں تھا لہذا خدا کے اکلوتے بیٹے مجسم خدا یسوع مسیح نے پھانسی لیکر سب دکھ سہہ کر تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔ جو شخص انکے کفارہ و قربانی فدیہ و تصلیب پر ایمان لا کر بپتسمہ لیتا ہے وہ نجات پاتا ہے۔ حتیٰ کہ مسیحی علماء اکویناس {Aquinas} اور آگسٹائن {Augustine} کے بقول جو بچے بپتسمہ لینے سے پہلے مر گئے ان میں چونکہ اصل گناہ برقرار ہے اس لئے وہ کبھی خداوند کی بادشاہت نہیں دیکھیں گے ان کیلئے ابدی عذاب عین انصاف ہے۔ اس عقیدۂ کفارہ کے متعلق چند باتیں انتہائی قابل غور ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس کی تحقیق کی جائے کہ آیا حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش کوئی گناہ تھی یا نہیں۔ واقعہ صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو درخت کا پھل کھانے سے امتحاناً منع کیا۔ وہ بھول کر کھا بیٹھے انسان تو نسیان کا پتلا ہے' خطا خاصہ بشریت ہے۔ بائبل کی تاریخ تو اس سے انتہائی زیادہ سنگین گناہوں سے بھری پڑی ہے۔ ان گناہوں کو سامنے رکھا جائے تو ممنوع پھل کھانے کے گناہ کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوئی خاص گنجائش نہیں رہتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ ''اصل گناہ'' حضرت آدم علیہ السلام سے تمام اولاد آدم کی طرف اور پھر ان تمام سے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گیا تو خدا کے قانون عدل میں ایک انسان کا گناہ دوسرے پر لادنے کی گنجائش کہاں تک ہے؟ کیا خدا اتنا مغلوب الغضب ہے کہ ایک فرد کے گناہ کی سزا سب کو دیتا ہے؟ یہ نکتہ نظر عقلی طور پر باطل ہونے کے علاوہ بائبل کی واضح تعلیمات کے سخت خلاف ہے چنانچہ لکھا ہے ''جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ'' (حزقی ایل باب ۱۸ آیت ۲۰) ''راستبازوں کی بابت کہو کہ بھلا ہو گا کیونکہ وہ اپنے کاموں کا پھل کھائیں گے۔ شریروں پر واویلا ہے! کہ انکو بدی پیش آئے گی کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں کا کیا پائیں گے'' (یسعیاہ باب ۳ آیت ۱۰) ''بیٹوں کے بدلے باپ نہ مارے جائیں نہ باپ (باقی اگلے صفحہ پر.........

یہ خدا تھے تو تین دن رات تک کیا سارا جہاں اپنے خالق کے بغیر رہا؟ اس عرصہ میں کائنات کی تدبیر وانتظام بندوبست کرنے والا کون تھا؟ آیا اس عرصہ میں شیطان مردود ساری کائنات پر مسلط

.............کے بدلے بیٹے مارے جائیں ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب سے مارا جائے" (استثناء باب ۲۴ آیت ۱۶) تیسری بات یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ خلقی اور موروثی طور پر اولاد آدم علیہ السلام کے ہر فرد میں منتقل ہوا ہے اور ہر انسان گناہگار ہے تو حضرت عیسی علیہ السلام کے انسانی وجود اور مادی جسم میں وہ گناہ منتقل کیوں نہیں ہوا؟ کیونکہ مسیحی عقیدہ کے مطابق حضرت عیسی علیہ السلام جس طرح کامل خدا ہیں اسی طرح کامل انسان بھی ہیں آخر وہ بھی تمام انسانوں کی طرح ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔ بائبل کے صحیفہ ایوب باب ۲۵ آیت ۴ میں ہے "جو عورت سے پیدا ہوا کیونکر پاک ہو سکتا ہے" بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں اصل گناہگار عورت تھی پہلے اس نے شیطان کا فریب کھایا' گناہ میں پڑی پھر مرد کو بھی گناہ میں مبتلا کیا جیسا کہ پولوس تیمتھیس کے نام پہلا خط باب ۲ آیت ۱۴ میں صراحت کرتے ہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ انسان کو ازلی گناہ سے توبہ وعمل پاک نہیں کر سکتے۔ پاکیزگی صرف فدیہ سے حاصل ہو سکتی ہے یہ بھی منطقی طور پر غلط ہونے کے علاوہ بائبل کے اصول کے قطعاً خلاف ہے جو بائبل بتاتی ہے کہ فدیہ وقربانی کے علاوہ دیگر چیزیں بھی گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں چنانچہ لکھا ہے "شفقت اور سچائی سے بدی کا کفارہ ہوتا ہے اور لوگ خداوند کے خوف کے سبب سے بدی سے باز آتے ہیں" (امثال باب ۱۶ آیت ۶) "جو اپنے باپ کی عزت کرتا ہے وہ اپنے گناہوں کا کفارہ دیتا ہے" (یشوع بن سیراخ' باب ۳' آیت ۴ کیتھولک بائبل" کلام مقدس" ص ۸۷۰) "پانی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھا دیتا ہے اور خیرات گناہوں کا کفارہ دیتی ہے" (یشوع بن سیراخ' باب ۳' آیت ۳۳ کیتھولک بائبل' کلام مقدس' ۸۷۱) پانچویں بات یہ ہے کہ اگر نجات کا طریقہ یہی ہے تو پہلی امتوں کی نجات کس طرح ہوگی جو حضرت مسیح علیہ السلام کی قربانی وکفارہ' فدیہ وتجسمہ' تثلیث وصلیب بلکہ انکے اسم گرامی سے بھی واقف نہ تھے۔ اگر یہی نجات کا طریقہ ہے تو شروع دنیا میں سب سے پہلے نبی پر اسکو ظاہر کیوں نہ کیا گیا تاکہ خدا کا سلسلہ رحم وعدل برابر رہتا۔ اگر مجرم لوگ محض کفارہ پر ایمان لا کر چھوٹ جائیں تو خدا کی شان عدل کیسے قائم رہ سکتی ہے؟ اگر یہ نجات کا واحد طریقہ اور عقائد کا اہم مسئلہ تھا تو حضرت عیسی علیہ السلام نے اسے پوری وضاحت کیساتھ بیان کیوں نہیں فرمایا؟ چھٹی بات یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ قادر مطلق خدا ہو کر ایسا پابند اور مجبور تھا کہ "بیٹے کی قربانی" اور فدیہ کے بغیر گناہ معاف نہ کر سکے؟ کیا اللہ تعالیٰ اتنا بے اختیار ہے کہ گناہ کو از خود معاف نہیں کر سکتا بلکہ انسان کی سچی توبہ دیکھ کر بھی رحم نہیں کر سکتا؟ جبکہ خدا کا کلام تو یہ کہتا ہے "لیکن اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کیے ہیں باز آئے اور میرے سب آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہے کرے تو وہ یقیناً زندہ رہیگا۔ وہ نہ مرے گا۔ وہ سب گناہ جو اس نے کیے ہیں اسکے خلاف محسوب نہ ہونگے۔ وہ اپنی راستبازی میں جو اس نے کی زندہ رہیگا۔" (حزقی ایل باب ۱۸ آیت ۲۱) دیکھیے! کتنی وضاحت کیساتھ کہا جا رہا ہے کہ اگر کوئی شخص آئین شریعت پر چلے اور اطاعت اختیار کرے تو اسکے سب گناہ معاف ہونگے وہ راستبازی کیساتھ یقیناً ہمیشہ زندہ رہیگا۔ "سب" اور "تمام" کا لفظ اپنی مراد پر بہت واضح ہے "سب" اور "تمام" (کل) کے مفہوم میں ازلی گناہ سمیت تمام گناہ داخل ہیں لہذا اگر کوئی ازلی گناہ ہوا بھی ہو تو وہ بھی توبہ واطاعت (باقی اگلے صفحہ پر.........

ہو گیا تھا؟ یا حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی معتقد و شاگرد تمام زمین و آسمان کا مہتمم اور منتظم تھا؟ پھر اُنکو دوبارہ زندہ کرنے والا کون ٹھہرا؟ اگر کہو کہ کسی دوسرے نے اُنکو زندہ کیا اور اُسی دوسرے نے موت دی تھی تو لازم آئیگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مخلوق اور بندہ ہوں اور وہ "دوسرا" خدا ہو اور بس۔ اللہ اللہ ایسی خرافات سے باز آؤ اور دیکھو کہ استثناء باب ۱۳ آیت ۱ تا ۱۰، باب ۱۷ آیت ۲ تا ۵ میں کتنا صاف واضح اور کھلے طور پر حکمِ خداوندی لکھا ہوا ہے کہ جو کوئی اللہ کے سوا کسی کو معبود ٹھہرائے اُسے مار ڈالو خواہ معجزوں والا نبی ہی کیوں نہ ہو اور سنگسار کر دو۔ بہر حال یہ عقیدہ ایسا ہے کہ کوئی شخص

.........سے مٹ جائیگا اور اسکے خلاف محسوب نہ ہوگا۔ ساتویں بات یہ ہے کہ کفارہ کا فلسفہ یہی ہے کہ انسان کو گناہ گار دیکھ کر خدا نے اپنے بے گناہ بیٹے کو جو خود بھی خدا ہے فدیہ میں قربان کر دیا۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے کوئی مہربان ڈاکٹر مریض کا درد سر ٹھیک کرنے کیلئے اپنا سر پھوڑ دے یا کوئی بادشاہ ملک کے جرائم پیشہ لوگوں کو سزا دینے کی بجائے اپنے شہزادے یا وزیر اعظم کو پھانسی پر لٹکا دے۔ بے قصور کو قصوروار ٹھہرا کر اصل مجرم کے جرم کو ختم کرنے کا یہ طریقہ انتہائی احمقانہ، مضحکہ خیز اور نادر الوقوع ہے۔ آج تک دنیا کی کسی عدالت میں معمولی سمجھ رکھنے والے جج نے بھی ایسا نہیں کیا کہ عدالت میں پیش ہونے والے کسی مجرم کو رہا کر کے اس کی جگہ اپنے بیٹے کو سزا دے دی ہو۔ حکمتوں اور تعریفوں والے خدا پروردگار عالم کی طرف ایسی بے عقلی کا عمل منسوب کرنا توہینِ خداوندی کا بدترین نمونہ ہے۔ آٹھویں بات یہ ہے کہ قربانی کی حقیقت تو یہ ہے کہ چھوٹا بڑے پر، ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہو۔ نباتات حیوانات پر قربان ہوتے ہیں، حیوانات اشرف المخلوقات (انسان) پر قربان ہوتے ہیں۔ بائبل بھی یہی کہتی ہے کہ "آدمی کی جان کا کفارہ اسکا مال ہے" (امثال ۱۳:۸) مال ادنیٰ ہے انسان اعلیٰ ہے حضرت مسیح علیہ السلام بحیثیت رسول اپنی امت میں سب سے اعلیٰ اور امت نبی و رسول سے ادنیٰ ہوتی ہے۔ بائبل کا اصول یہ ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہو لہٰذا امت نبی پر قربان ہوگی اور نبی امت پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر قربان ہوگا۔ یہ بات عقل و نقل کے عین مطابق ہے مگر "کفارہ" میں بالکل الٹی گنگا بہتی ہے۔ نویں بات یہ ہے کہ اناجیل اربعہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی گرفتاری سے لیکر مصلوب ہونے تک کے واقعات تصلیب، تدفین، قیامت، ظہور وغیرہ میں اتنے تضادات اور اختلافات موجود ہیں کہ کوئی بات وضاحت کیساتھ بغیر شبہ کے ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ اناجیل اربعہ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات مخفی نہیں رہتی اور مصنف نے اظہار الحق ج ۱ میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ دسویں بات یہ ہے کہ عقیدہ کفارہ کے مطابق گناہ کی تلافی کیلئے ایک معصوم جان کا قربان کرنا ضروری تھا مگر حضرت مسیح علیہ السلام بائبل کی نگاہ میں نیکوکار، راستباز، پاکیزہ یا معصوم نہیں تھے وہ بے چارے تو خود یوحنا اصطباغی (یحییٰ علیہ السلام) سے بپتسمہ لیتے ہیں (مرقس باب ۱ آیت ۹) اور یوحنا کا بپتسمہ صرف گناہوں کی معافی کیلئے توبہ کا بپتسمہ ہوتا تھا (مرقس باب ۱ آیت ۴) اگر ہم انہیں معصوم اور بے گناہ بھی قرار دے دیں تب بھی تمام انسانوں کے گناہ کی وجہ سے ایک بے گناہ معصوم ہستی کا پھانسی پر چڑھا دینا (اگرچہ اسکی رضامندی سے ہو) انصاف کا خون کرنا ہے۔ تلك عشرة كاملة

اسکی قباحت وشناعت کہاں تک بیان کرے (۱) اس لئے اس بیان سے سکوت کر کے اُس مبحث کے

(۱) اس قبیح عقیدہ شرکیہ (تثلیث) کا پوری بائبل میں کوئی بیان نہیں ہے حضرت عیسی علیہ السلام کے ارشادات میں کہیں اسکا ذکر نہیں ہے شاگردان مسیح علیہ السلام نے کبھی اسکی تعلیم نہیں دی عقلی طور پر یہ بالکل باطل ہے جیسا کہ یہ سب باتیں ماقبل میں مفصل اور باحوالہ گذریں۔ اب ایک سوال تشنہ جواب رہ جاتا ہے کہ پھر یہ ناقابل فہم فلسفہ آیا کہاں سے؟ اسکا جواب مسیحیت کے مستند محققین کی زبانی سنیے "لفظ تثلیث کتاب مقدس میں موجود نہیں اصطلاح تثلیث فی التوحید پہلی مرتبہ دوسری صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں بزرگ طرطلیان نے استعمال کی اور یہ مسئلہ مسیحی علم الٰہی میں اس شکل میں چوتھی صدی عیسوی میں بیان کیا گیا۔ تاہم یہ مسیحی مذہب کا بنیادی امتیازی اور جامع مسئلہ ہے جسکا صاف اشارہ کلام پاک کے پہلے صفحہ سے آخری صفحہ تک کئی مرتبہ آیا ہے" (قاموس الکتاب ص ۲۳۳) پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ بائبل میں تثلیث کا بیان تو دور کی بات ہے لفظاً تک موجود نہیں۔ ہاں البتہ قرآن مجید میں تثلیث کا صاف لفظوں میں رد موجود ہے ﴿وَلَا تَقُولُوا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ﴾ (النساء۔ آیت ۱۷۱) "اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں (اس سے) باز آجاؤ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے وہ پاک ہے اس سے کہ اسکے بیٹا ہو" دوسری بات یہ ہے کہ تثلیث حضرت عیسی علیہ السلام سے ثابت نہیں بلکہ اس اصطلاح کا موجد "بزرگ" طرطلیان ہے۔ مسیحی لٹریچر میں اسکا تعارف اس طرح آیا ہے "ان شہیدوں کی بے ریا شہادت اور ثابت قدمی سے جہاں اور بھی بہت سے حق کے متلاشی خُداوند کی آغوش رحمت میں آئے۔ وہاں ان میں ایک رومی وکیل بھی تھا۔ جو اپنے زمانہ کا زبردست قانون دان منطق کا ماہر اور علم وفضل کا پتلہ تھا۔ اس مجسمہ فہم وفراست کا نام ترتولیان (طرطلیان) تھا۔ وہ لاطینی نسل سے متعلق تھا اور ایک متمول خاندان کا فرد تھا۔ اسکا والد شاہی صوبہ دار تھا۔ اسکی پرورش ناز ونعمت میں ہوئی تھی۔ رومی امرا کی طرح اسکے اوقات کا بہتر مصرف تفریح گاہیں تھیں۔ اسکے ہم جلیس اوباش اور بے فکرے لوگ تھے۔ چونکہ تیز فہم اور زود حس انسان تھا۔ اس لئے مسیحیوں کی بے لوث قربانی نے اسکے دل پر گہرا اثر کیا۔ وہ انکی پاکیزگی اور ایثار کا گرویدہ ہو گیا اور مشرف بہ مسیحیت ہوا۔ مسیحیت نے اسکی زندگی کو یک قلم بدل دیا اور وہ مسیحیت کا سب سے بڑا حامی بن گیا۔ مسیحیت کی حمایت میں اس نے ایسے دلائل پیش کیے کہ مخالفین چپ ہو گئے۔ وہی منطق اور فلسفہ جو اس سے پیشتر وہ دنیاوی مقاصد کیلئے پیش کیا کرتا تھا۔ اسی کو اس نے دین حق کے ثابت کرنے میں پیش کرنا شروع کر دیا...... ایمان کے ضمن میں ایک جوہر اور تین اقانیم اسی کی ایجاد کردہ اصطلاح ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ اقنوم یا شخص کے غلط مفہوم سے بھی آگاہ کرتا ہے کہ مبادا اس سے خدائے ثلاثہ کا عقیدہ اخذ کیا جائے۔ اس لئے وہ اس سے اجتناب کرتا ہوا "تثلیث" کا عام طور پر استعمال کرتا ہے۔ وہ واضح طور پر کہتا ہے۔ باپ خدا ہے بیٹا خدا ہے۔ اور رُوح القدس خدا ہے اور ان اقانیم میں سے ہر ایک خدا ہے۔ اس نے اس بات کی بھی تعلیم دی کہ مسیح کی ذات میں الوہیت اور انسانیت کا کامل اتحاد تھا اور اس کا ایمان تھا کہ خدا میں بہترین صنعت جو پائی جاتی ہے وہ نجات کی ہے۔ تقریباً پچاس سال کی عمر یعنی ۲۰۲ء میں مونطانیت خیال کا حامی ہو گیا۔ اور جس ہمت اور جوش سے اس نے غیر مذاہب کی مذمت کی۔ اسی طرح اس نے اس وقت کے نظام کلیسیا کی مخالفت کی۔ اسکے خیال میں بپتسمہ کے بعد کلیسیا مجاز نہیں کہ گناہوں کی مخلصی دے۔ خادم الدینوں (باقی اگلے صفحہ پر..............

ناطے جو نوع انسانی میں شریک ہونے کی وجہ سے ہے اس جگہ پر اللہ جل جلالہ کا ایک ارشاد نقل

.... کے نکاح ثانی کی بھی اس نے مذمت کی۔ ان امور میں اسکی چپقلش پوپ سالسیطاس سے ہوگئی۔ اسکے خیال میں محض رُوحانی اور حق پرست فرقہ مونطانی تھا۔ اس لئے اس فرقہ کی حتی المقدور امداد کی اور کلیسیائے مسلط کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس فرقہ کا بانی مونطانیس مشرف بہ مسیحیت ہونے سے پیشتر سبل دیوتا کے معبد کا پوجاری تھا" (آبائے کلیسیا۔ ص ۳۲۱ مصنفہ فیروز خاں ناردؔ۔ شائع کردہ۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور) طرطلیان موصوف کے اس تفصیلی تعارف سے جو کچھ معلوم ہوا اسکا حاصل یہ ہے کہ یہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی شاگرد یا صحبت یافتہ آدمی نہ تھا بلکہ اُنکے آسمان پر اٹھائے جانے کے دو سو سال بعد دوسری صدی میں جب روم میں مسیحیوں نے عیسائیت کی تبلیغ کیلئے بے لوث قربانیاں دیں تو اس نے متاثر ہوکر عیسائیت قبول کرلی۔ یہ شخص شاہی صوبہ دار کا بیٹا تھا اسکے اوقات کا بہتر مصرف "تفریح گاہیں" تھیں۔ اسکے ساتھی بھی اوباش قسم کے لوگ تھے۔ یہ شخص منطق وفلسفہ کا ماہر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے عیسائی دنیا کو "ایک جوہر تین اقانیم اور تثلیث" کا فلسفیانہ عقیدہ بخشا۔ یہ شخص مونطانیت خیال کا حامی ہوگیا تھا اور اس فرقہ کو رُوحانی وحق پرست سمجھتا تھا جبکہ اس فرقہ کا ہادی وبانی مونطانیس نامی شخص تھا جو قبول عیسائیت سے پہلے سبل دیوتا کے معبد کا پجاری تھا۔ اس طرح بت پرستی کے قدیم ذوق اور منطق وفلسفہ کی فنی مہارت سے تثلیث کی معجون مرکب تیار ہوئی جس میں دونوں چیزوں کا ذائقہ برابر موجود ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں یا اُنکے شاگردوں یا شاگردوں کے شاگردوں کے زمانے میں موجود نہ تھا بلکہ اُنکے رفع آسمانی کے چار سو سال بعد بیان کیا گیا اور مختلف عقیدہ ساز کونسلوں، حکمرانوں کی سرتوڑ کوششوں سے ترقی پاکر موجودہ شکل میں لایا گیا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ مسیحی مذہب کا بنیادی، امتیازی اور جامع مسئلہ ہے تاہم پاک کلام میں اسکا واضح ذکر نہیں بلکہ "اشارے" ملتے ہیں۔ ان نادان محققوں کو یہ خبر نہیں کہ مذہب کے بنیادی، امتیازی اور جامع مسئلہ کو گونگوں کے اشاروں سے نہیں سمجھایا جاتا بلکہ صاف صاف لفظوں میں بار بار دوہرایا جاتا ہے تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور اتمام حجت ہو جائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ بائبل ایک ضخیم کتاب ہے اس میں دنیا جہان کی اوٹ پٹانگ باتوں کا تذکرہ ہے مگر تثلیث جو مسیحی عقائد کا اساسی نکتہ ہے اسکا ذکر نہیں ہے۔ کیا اس عقیدہ کے بطلان کیلئے صرف یہی دلیل کافی نہیں؟ پانچویں بات یہ ہے ان محققین کے بقول تثلیث کا مسئلہ بائبل میں اشاروں سے سمجھایا گیا ہے اور توحید کا مسئلہ کھول کھول کر کئی بار بتایا گیا ہے لہٰذا عوام کا تو کیا ذکر خود مسیحی علماء وفضلاء کیلئے بھی اسکا سمجھنا از حد دشوار ہوگیا ہے۔ وہ بڑی بے بسی کیساتھ اس عقیدہ کے سمجھ نہ آنے کا اور خلاف عقل یا ماوراء عقل ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ چنانچہ مسیحیت کے مایہ ناز عالم لوئیس برک ہاف لکھتے ہیں "خدا کا جسم میں ظاہر ہونا یہ نہ صرف بائبل کے معنوں ہی میں ایک بھید ہے جسے پرانے عہدنامہ میں پورے طور پر ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ ان معنوں میں بھی کہ یہ انسان کی سمجھ سے بالکل باہر ہے۔ اس مسئلے کے بارے میں بہت سے مختلف خیالات ہیں۔ لیکن اب تک کوئی ایسا خیال پیش نہیں کیا گیا جو اسکو پورے طور پر حل کر سکے۔ جو خیالات پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے چند ایک ایسے ہیں جو مسیح کی دونوں ذاتوں کو پورے طور پر پیش نہیں کرتے جبکہ دیگر مسیح کی شخصیت کی وحدت کو پورے طور پر پیش نہیں کرتے" (باقی اگلے صفحہ پر............

کر دیتا ہوں چاہے مانو یا نہ مانو۔ فرمایا یَا اَھلَ الکِتَابِ لَاتَغلُوا فِی دِینِکُم وَلَاتَقُولُوا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الحَقّ اِنَّمَا المَسِیحُ عِیسَی ابنُ مَریَمَ رَسُولُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلقٰھَا اِلٰی مَریَمَ وَرُوحٌ مِّنہُ فَاٰمِنُوا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَاتَقُولُوا ثَلٰثَۃٌ اِنتَھُوا خَیرًا لَّکُم اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ سُبحٰنَہٗ اَن یَّکُونَ لَہٗ وَلَدٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الاَرضِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیلًا (النساء آیت ۱۷۱) یعنی اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلو مت کرو(۱) اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق کے

............بحوالہ مسیحی علم الٰہی کی تعلیم، مصنفہ پادری لوئیس باک ہاف' ص ۲۳۲۔ مسیحی قارئین کو برا نہ لگے تو ہم معذرت کیساتھ ایک لطیفہ سنانا چاہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ تین آدمیوں نے عیسائی مذہب قبول کیا۔ ایک قابل پادری صاحب کو انکی تعلیم پر مامور کیا گیا۔ یہ تینوں عیسائی ہر وقت پادری صاحب کی خدمت میں حاضر باش رہتے اور وہ بھی انکو مسیحی عقائد سمجھانے کیلئے کمربستہ رہتے۔ اتفاقاً ایک روز پادری صاحب کا ایک دوست ملاقات کیلئے آ گیا۔ پادری صاحب نے ان تینوں شاگردوں کو اپنے دوست کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے عیسائیت قبول کر کے ہمارے مذہب کی ضروری باتیں سیکھ لی ہیں آپ امتحان لے سکتے ہیں۔ پادری صاحب کا خیال تھا کہ اس طرح انکی محنت و کارکردگی سامنے آئے گی۔ اس دوست نے ایک شاگرد کو بلایا اور اس سے پوچھا عقیدہ تثلیث کے بارے میں تم نے کیا سمجھا؟ اس نے جواب دیا کہ پادری صاحب نے مجھے اس طرح بتایا ہے کہ خدا تین ہیں ایک آسمان میں دوسرا کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہونے والا اور تیسرا وہ جو کبوتر کی شکل میں دوسرے خدا پر تیس سال کی عمر میں نازل ہوا۔ پادری بڑا جھنجھلا گیا ہوا اور اسے "اُلو کا چرخہ" کہہ کر ہٹا دیا۔ پھر دوسرے کو بلایا اور یہی سوال کیا۔ اس نے جواب دیا مجھے بتایا گیا ہے کہ خدا تین تھے جن میں سے ایک کو سولی دے دی گئی اب صرف دو خدا باقی رہ گئے ہیں۔ پادری صاحب نے غصہ ہو کر اسے بھی نکال دیا پھر تیسرے کو بلایا جو زیادہ ہوشیار تھا اور اس سے بھی یہی سوال کیا۔ اس نے جواب دیا مائی ڈیئر فادر! آپ نے جو کچھ سکھایا میں نے خوب اچھی طرح یاد کیا اور خداوند یسوع مسیح کی مہربانی سے پوری طرح سمجھ گیا ہوں۔ تثلیث یہ ہے کہ ایک تین اور تین ایک۔ ان میں سے ایک کو سولی دے دی گئی وہ مر گیا اور بوجہ اتحاد سب کے سب مر گئے لہٰذا اب کوئی خدا باقی نہیں رہا ورنہ تینوں میں اتحاد کی نفی لازم آئے گی۔ ان جواب دینے والوں کو جہالت و نافہمی کا الزام دینا ٹھیک نہیں کیونکہ بڑے بڑے دانشوروں کا بھی یہی حال ہے وہ بھی حیران ہو کر اقرار کرتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ کوئی عقیدہ ہے ہی نہیں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کسی نبی نے اپنی امت کو ایسی کوئی تعلیم نہیں دی۔ یہ تو ایک خلافِ عقل مفروضہ ہے' بے حقیقت خواب ہے' بے معنی فلسفہ ہے اور بس!

(۱) کیونکہ دین میں غلو اور مبالغہ ناپسندیدہ امر ہے بلکہ دین و دنیا کے کسی بھی امر میں مبالغہ کرنا' حد سے بڑھنا اور افراط و تفریط کا شکار ہونا درست نہیں' راہِ اعتدال ہی درست راہ ہے۔ اگر کسی شخص سے عقیدت ہو تو اسکی تعریف میں حد سے بڑھنا نہیں چاہیے اگر کسی شخص سے عقیدت و تعلق نہ ہو تو نفسانیت یا حسد کی وجہ سے خلافِ واقعہ بات نہیں کہنی چاہیے۔

سوا کچھ نہ کہو۔(۱) مسیح عیسیٰ ابن مریم تو بس اللہ کا ایک پیغمبر ہی ہے(۲) اور اُس کا کلمہ ہے جس کو مریم کی طرف ڈالا تھا اور اُسکی طرف سے ایک رُوح تھے(۳) تو خدا اُور اُسکے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں(۴) اس سے باز آ جاؤ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے(۵) اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے(۶) وہ اس لائق نہیں کہ اُسکے اولاد ہو(۷) اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ کا کارساز ہونا کافی ہے۔(۸)

---

(۱) قرآن کریم کا حسن استدلال دیکھئے کہ اولاً ایک ایسا اصول پیش کیا جسکا مخاطب انکار نہ کر سکے یعنی دین کے معاملے میں غلو‘ تعصب یا ضد سے کام نہیں لینا چاہئے‘ سچی بات کو ماننے سے انکار نہیں کرنا چاہئے‘ دل و دماغ کسی چیز کی گواہی دیتے ہوں تو زبان سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے تسلیم کرنے میں کسی بھی عقلمند انسان کو تردد نہیں ہو سکتا اسکے بعد اگلا مضمون پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو وہی بات کہو جو پایہ تحقیق کو پہنچی ہو کیونکہ خدا تعالیٰ اور اُسکی صفات غیر محسوس ہیں اُنکو مخلوق پر قیاس کرنا غلط ہے‘ ذاتِ خدا کو انسانی جسم کا لباس پہنانا خلاف عقل ونقل ہے لہٰذا اللہ کے بارے میں کوئی عقیدہ اپنی رائے سے گھڑ کر پیش نہ کرو‘ توحید میں کوئی شائبہ بھی شرک کا نہ آنے دو۔

(۲) حضرت عیسیٰ المسیح علیہ السلام حضرت مریمؑ کے بیٹے ہیں‘ خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر نشانی ہیں خدا کے پیغمبر و رسول ہیں۔ خلاف عادت پیدائش کی وجہ سے انکو ولد الزنا کہنا (نعوذ باللہ) خلاف حق غلو اور زیادتی ہے۔ دوسری طرف انسانی باپ نہ ہونے کیوجہ سے اُنکو ولد اللہ کہنا بھی خلاف حقیقت اور غلو ہے۔ افراط وتفریط کی ان دونوں انتہاؤں سے باز آ جاؤ‘ راہ اعتدال یہ ہے کہ وہ خدا کے پیارے بندے اور عظیم پیغمبر تھے خدائے پاک نے اُنکو محض اپنی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا کر دیا جیسا کہ آدم علیہ السلام کو ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا کر دیا۔

(۳) کلمہ‘ کلام اور رُوح سے کیا مراد ہے مصنفؒ خود آگے چل کر اس پر بڑی مکمل گفتگو کر رہے ہیں۔

(۴) جیسا کہ مسیحی حضرات کہتے ہیں کہ باپ خدا ہے‘ بیٹا خدا ہے‘ رُوح القدس خدا ہے اور تینوں مل کر ”ایک“ خدا ہے گویا درحقیقت تین خدا ہیں۔

(۵) کیونکہ شرک ناقابل معافی جرم ہے‘ دائمی خسران اور اَبدی عذاب کا باعث ہے قرآن مجید ہو یا بائبل دونوں اس پر سخت وعید کرتے ہیں (النساء آیت ۴۸‘ استثناء باب ۱۳ آیت ۱ تا ۱۰)

(۶) وہ ہر اعتبار سے واحد اور ہر معنی میں احد ہے‘ نہ وہ ایک تین میں تقسیم ہے‘ نہ وہ ایک اپنے کو تین شکلوں میں ظاہر کرنے والا ہے‘ نہ اُسکا کوئی تجسم ہے نہ کوئی اسکا اوتار نہ کوئی اُسکا اقنوم ہے نہ کوئی اُسکا مَرموز۔ وہ ایک ہی ہے وہی اول و آخر ہے۔

(۷) کیونکہ اولاد کا محتاج وہ ہوتا ہے جس پر فنا طاری ہو سکے اور اللہ اس سے پاک ہے۔ اولاد باپ کے مماثل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا کوئی ہم مثل‘ ہمسر نہیں۔ کون ہے جو اُسکے برابر ہو سکے؟

(۸) وہ خود ہی سب کام بنانے والا ہے اُسے کسی خلیفہ‘ وکیل‘ نائب‘ معاون یا بیٹے کی ضرورت نہیں اکیلا معاف کر سکتا ہے۔

پادری فنڈر کی عربی مہارت:

مصنفِ میزان الحق پادری صاحب اکثر جگہ آیاتِ قرآنی کے بیان میں اپنی ٹانگ اڑاتے ہیں یہاں تک کہ بعض جگہ مفسرینِ قرآن کو اصلاح ومشورہ دیتے ہیں۔ انکی عربی زبان سے واقفیت اور مفسرین قرآن کو اصلاحی مشورے دینے کی اہلیت کے شواہد مجھ کو بہت یاد ہیں انشاء اللہ سوالات کے جوابوں میں انکے اس قسم کے بعض بعض ارشادات منقول ہونگے (۱) مگر یہاں تبرّ کاً ایک دو مثالیں بطورِ نمونہ ذکر کرتا ہوں عقلمند کے نزدیک اُسی سے پادری صاحب کا حال آئینہ ہو جائیگا۔

پہلی مثال:

میزان الحق کا دوسرا نسخہ جسکو پہلے نسخے سے اصلاح کر کے خوب سارا حذف واضافہ کر کے بنایا ہے (۲) اور اُردو زبان میں لکھا ہے اپنے اظہارِ کمال اور بلاغت کیلئے خاتمہ کتاب کو عربی عبارت میں یوں تحریر فرماتے ہیں تمت هذه الرساله فى سنة ثمانية مائة ثلاثون والثلث بعد الالف مسيحى وبالمطابق مائتان واربعين ثمانية بعد الالف هجرى

(۱) یہ رسالہ دراصل مصنفؒ نے اپنی کتاب ازالۃ الشکوک کیلئے بطور مقدمہ تمہید لکھا ہے۔ ازالۃ الشکوک مسیحی اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے جس میں مصنفؒ نے پادری فنڈر پر رد کرتے ہوئے انکی غلطیوں پر جابجا گرفت کی ہے۔

(۲) میزان الحق پادری فنڈر کی تصنیف ہے جس میں اولاً یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن کی رُو سے بائبل الہامی کتاب ہے۔ پھر مسئلہ نسخ پر گفتگو ہے کہ کلام خدا منسوخ نہیں ہوسکتا لہٰذا اہل اسلام کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ قرآن عزیز نے گذشتہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ پھر اسلام پیغمبر اسلام اور قرآن کریم پر کچھ اعتراضات کیے ہیں اور آخر میں کچھ مرتد مسلمانوں کے احوال لکھے ہیں۔ پادری فنڈر کی یہ کتاب پہلی بار طبع ہوئی تو مولانا سید آل حسنؒ نے اسکا جواب ''کتاب الاستفسار'' کے نام سے لکھا اور وہ ضرب کاری لگائی کہ پادری صاحب کو اپنی کتاب نئے سرے سے بدلنی پڑی اور بہت سی باتیں جن پر مولانا سید آل حسنؒ نے سخت گرفت کی تھی انہیں نکال دیا' کچھ نئی چیزوں کا اضافہ کیا۔ اس طرح تصحیح وترمیم کے بعد میزان الحق کا نقشِ دوم شائع ہوا۔ مولانا کیرانویؒ انکے دوسرے نسخہ کا حوالہ دے رہے ہیں۔ پادری فنڈر کی دوسری کتاب ''مفتاح الاسرار'' کا بھی یہی حال ہے وہ بھی دو مرتبہ چھپی اور دوسرا نسخہ پہلے سے مختلف ہے کیونکہ خاصی کانٹ چھانٹ کے بعد تیار ہوا۔

اور مفتاح الاسرار کے دوسرے نسخہ میں جسکو پہلے نسخہ سے بہت چھانٹ چھانٹ کے تیار کیا ہے اور اُردو زبان میں لکھا ہے اُسکے خاتمہ کو بھی عربی عبارت میں یوں لکھتے ہیں تمت هذه الاوراق فی سنه ثمانية مائة وثلاثون السابعة بعد الالف مسيحى وفى سنة مائتان اثنا وخمسين بعد الالف من الهجرة المحمديه اِسی طرح مفتاح الاسرار کا پہلا نسخہ جو فارسی زبان میں لکھا ہے اُسکا خاتمہ یوں لکھتے ہیں تمت هذه الاوراق فی سنه ثمانية مائة وثلاثون السابعة بعد الالف مسيحى وفى سنة مائتان اثنا وخمسين بعد الالف من هجرة المحمديه یہ عبارت پہلی عبارت کے موافق ہے مگر پہلی عبارت میں لفظِ هجره الف لام کیساتھ تھا اور پچھلی عبارت میں بغیر الف لام کے ہے۔ شاید پادری صاحب نے صفت کے معرف باللام ہونے کی صورت میں موصوف کا معرف باللام ہونا محاورہ عرب کے خلاف سمجھ کر الف لام موصوف سے اُڑا دیا ہوگا۔ سبحان اللہ! کیا محاورہ شناس ہیں۔ بہرحال اِن تینوں عبارات کو دیکھیے کہ کس طرح قواعد نحویہ اور اُسلوبِ عرب کے مطابق ہیں (۱) کہ اگر خلیل' سیبویہ اور اخفش ہوتے تو بڑی تحسین کرتے اور اگر سحبان بن وائل' ابنِ مقفع' جریر (۲) وغیرھم دیکھتے تو اِس فصاحت وکمال پر رشک کرتے اگرچہ ہم عربی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے یہی سمجھیں کہ پادری صاحب کو اِس زبان میں اتنی بھی دسترس نہیں جو شرح مائة عامل (۳) پڑھانے والے کو ہوتی ہے اور اِن عبارات کو دیکھ کر

---

(۱) اگر آپ عربی زبان کی ابتدائی صرف ونحو سے بھی واقف ہیں تو ان عبارات کے حُسن وقبح کو واضح کرنے کی حاجت نہیں۔

(۲) خلیل ابن احمد الفراہیدی علم لغت' نحو رسم الخط کے مشہور امام ہیں اور علم عروض کے واضع ہیں ان موضوعات پر آگی کئی مؤلفات ہیں۔ سیبویہ عمرو بن عثمان مشہور نحوی ہیں نحاۃ بصرہ کے بڑے امام ہیں۔ امام اخفش کا بھی علم نحو خصوصی فن ہے۔ سحبان بن وائل عربی کے انتہائی قادر الکلام خطیب گذرے ہیں۔ عبداللہ ابن المقفع الکاتب مشہور ادیب ہیں عربی نظم ونثر دونوں پر بڑی دسترس رکھتے تھے۔ جریر ابن عطیہ مشہور اسلامی شاعر ہیں۔ عبدالملک بن مروان اموی خلیفہ کا زمانہ پایا ہے۔

(۳) شرح مائة عامل علم نحو کی مشہور کتاب ہے درس نظامی میں داخل نصاب ہے اور عربی کی پہلی جماعت میں پڑھائی جاتی ہے۔

قہقہہ لگائیں اُن تینوں خاتموں کو جو عقیدۂ تثلیث کی طرح بہت ہی درست ہیں! انکے کمالات کا خاتمہ سمجھیں۔

دوسری مثال:

مفتاح الاسرار کے پہلے نسخہ میں سورہ تحریم آیت ۱۲ ومریم ابنت عمرانَ الّتی احصنتْ فرجھا فنفخنا فیہِ من رُّوحنا (۱) اور سورۃ النسآء آیت ۱۷۱ رکوع ۲۳ پارہ ۶ انّما المسیحُ عیسَی ابنُ مریم رسولُ اللہِ و کلمتہٗ القاھا الٰی مریمَ ورُوحٌ منہُ نقل کر کے کچھ ترجمہ وتقریر کے بعد یوں ارشاد کرتے ہیں

''چونکہ آیات مذکورہ کے مطابق عیسیٰ مسیح روح اللہ ہے تو یقیناً مرتبہ الوہیت میں ہوا کیونکہ خدا کی روح کچھ خدا سے کمتر نہیں لیکن بعض محمدی کہتے ہیں کہ قرآن میں ان آیات میں جو لفظ روح آیا ہے اس سے مراد جبریل فرشتہ ہے یہ بات صرف عداوت کی ہے کیونکہ منہ کے لفظ کی ضمیر جو دوسری آیت میں اور رُوحِنا کے لفظ کی ضمیر متصل جو پہلی آیت میں لکھتے ہیں صرف کے ضابطہ کے مطابق فرشتہ نہیں بلکہ خدا کی طرف راجع ہے'' انتہی

---

(۱) آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مریم بنت عمران (والدہ عیسیٰ) کا حال بتاتے ہیں جس نے اپنے ناموس کو حلال وحرام (جائز یا ناجائز تعلق) دونوں سے محفوظ رکھا سو ہم نے انکے چاک گریبان میں (بواسطہ جبریل) اپنی طرف سے ایک جان پھونک دی۔ بعض محققین نے یہاں ''فرج'' کا معنی چاک گریبان لیا ہے اور احصنت فرجھا کا معنی یہ کیا ہے کہ کسی کا ہاتھ اپنے گریبان تک نہیں پہنچنے دیا۔ یہ انکی عفت وعصمت پر ایک انتہائی بلیغ کنایہ ہے جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ فلاں عورت بڑی ''پاکدامن'' ہے عربی محاورہ میں بھی کہا جاتا ہے نقی الجیب طاھر الذیل اس سے محض کپڑے کا دامن مراد نہیں ہوتا بلکہ عفیف النفس ہونا مراد ہوتا ہے۔ آیت کے اگلے حصہ میں بھی حضرت مریمؑ کی مدح ومنقبت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبانی اُن سے باتیں کیں وہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی فرمانبردار بندی تھیں اور کامل مردوں کی طرح اطاعت وریاضت پر ثابت قدم تھیں یا یوں کہو کہ قانتین کے خاندان سے تھیں۔ سورہ آل عمران آیت ۳۵ تا ۶۳ سورہ مریم آیت ۱۶ تا ۴۰ میں یہ مضمون بڑی تفصیل سے آیا ہے اور بھی کئی جگہوں پر انکا تذکرہ ہے۔ یہاں ان آیات میں دراصل دو کافر عورتوں اور دو مؤمن عورتوں کی مثال بیان کی گئی ہے۔ وتلک الامثالُ نضربُھا للنّاسِ وما یعقلُھا الّا العالمُون (سورۃ العنکبوت آیت ۴۳)

پادری فنڈر کا استدلال باطل ہونے کی وجوہ:

انکا یہ ارشاد پانچ وجوہ سے بے اصل ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ انکا یہ کہنا کہ ”یقیناً مرتبہ الوہیت میں ہوا“ مردود ہے(۱) کیونکہ قرآن کی عبارت سے یہ مطلب سمجھنا بالکل غلط ہے اور قرآن مجید میں صرف اس جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں لفظِ روح کی نسبت خدا کی طرف نہیں بلکہ یہ لفظ اور بھی کئی جگہوں پر آیا ہے اور کہیں بھی خدا کے معنی میں نہیں۔(۲)

لفظِ روح کا اطلاق قرآنِ مجید میں:

دیکھئے سورۃ السجدہ آیت ۹ پارہ ۲۱ رکوع ۱۴ میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے حوالے سے

---

(۱) پادری صاحب نے کہا ہے کہ آیات قرآنی کے مطابق عیسیٰ مسیح روح اللہ ہے تو یقیناً مرتبہ الوہیت میں ہوا اور خدا ہوا کیونکہ خدا کی روح خدا سے کچھ کم تر نہیں۔ مولانا کہتے ہیں کہ پادری صاحب کا یہ استدلال باطل ہے اور آیت قرآنی سے یہ مطلب نکالنا بالکل غلط ہے کیونکہ ”روح خدا“ کا اطلاق صرف حضرت مسیح علیہ السلام پر نہیں ہوا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام پر بلکہ ہر انسان پر یہ لفظ بولا گیا ہے۔ پادری صاحب کے خود ساختہ اصول کے مطابق انکو بھی خدا ہونا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

(۲) روح کا لفظ قرآن مجید میں کئی جگہوں پر کئی معنوں کیلئے آیا ہے مگر کہیں بھی خدا کے معنی میں نہیں۔ متعدد مقامات پر لفظِ روح بمعنی فرشتہ (جبریل امینؑ) آیا ہے مثلاً نزلَ به الرّوحُ الامین (الشعراء آیت ۱۹۳) یَوم یقومُ الرّوحُ والملائکۃُ (النبا آیت ۳۸) تنزّلُ الملائکۃُ والرّوحُ فیها (القدر آیت ٤) یعرجُ الملائکۃُ والرّوحُ الیه (المعارج آیت ٤) قُل نزّله روحُ القدسِ من ربّك (النحل آیت ۱۰۲) وایدناہ بروح القدس (البقرہ آیت ۸۷، ۲۵۳) اذ ایّدتُك بروح القدس (المائدہ آیت ۱۱۰) بعض جگہ لفظِ روح ”انسانی جان“ کے معنی میں آیا ہے وہی روح جو جسم میں پڑے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے ویسئلونك عن الروح (بنی اسرائیل آیت ۸۵) بعض جگہ لفظِ روح بمعنی وحی الٰہی (قرآن مجید) آیا ہے مثلاً وکذالك اوحینا الیك رُوحاً من امرنا (الشوریٰ آیت ۵۲) یُلقی الروحَ مِن امرہ (غافر آیت ۱۵) یُنزّلُ الملائکۃَ بالروحِ مِن امرہ (النحل آیت ۲) کیونکہ جس طرح جسد روح لطیف سے زندہ ہوتا ہے اسی طرح ایمانی زندگی روح قرآنی سے آتی ہے۔ ایک جگہ لفظِ روح حمایت و نصرت فیض غیبی کے معنی میں آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وایدھم بروحٍ منه (المجادلہ آیت ۲۲) یعنی اللہ نے انکو غیبی نور عطا فرما کر مدد دی ہے جس سے قلب کو ایک خاص قسم کی معنوی حیات ملتی ہے یہاں روح سے مراد روح القدس (جبریلؑ) بھی ہو سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ لفظ رَوح (بفتح الرا) بھی قرآن مجید میں آیا ہے ایک جگہ ”رحمت“ کے معنی میں ہے چنانچہ ارشاد ہے ولا تایئسوا من رَوح اللہ انه لا یایئسُ من رَوحِ اللہ الا القومُ الکافرون (یوسف آیت ۸۷) دوسری جگہ ”راحت“ کے معنی میں ہے فرَوحٌ وریحانٌ وجنّتُ نعیم (الواقعہ آیت ۸۹) الغرض کہیں بھی لفظِ روح سے خدائی اور الوہیت کا مفہوم مستنبط نہیں ہوتا۔

یوں واقع ہے ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ "پھر اسکو درست کیا پھر اس میں اپنی (طرف سے) روح پھونکی" (۱) پس اس آیت میں روحہ آیا ہے۔ لفظِ روح کی اضافت ضمیر غائب کی طرف ہے جو خدا کی طرف راجع ہے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بیان میں سورہ حجر آیت ۲۹ پارہ ۱۴ رکوع ۳ میں اور سورہ ص آیت ۷۲ پارہ ۲۳ رکوع ۱۴ میں دو جگہ واقع ہے۔ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ "پھر جب ٹھیک بنا چکوں اسکو (یعنی آدم کو) اور پھونک دوں اس میں اپنی روح سے تو تم گر پڑو اُسکے آگے سجدے میں" پس ان دو جگہ میں روحی آیا ہے لفظِ روح کی اضافت ضمیر متکلم کی طرف ہے اور متکلم یہاں خود باری تعالیٰ ہے۔ مذکورہ بالا تینوں آیات میں لفظِ روحہ اور روحی میں آدمؑ کے نفسِ ناطقہ پر روحِ خدا کا اطلاق ہوا۔ پورے قرآن کریم میں روحہ یعنی لفظِ روح کی اضافت ضمیر غائب کی طرف صرف ایک جگہ واقع ہے اور روحی یعنی لفظِ روح کی اضافت ضمیرِ متکلم کی طرف صرف دو جگہ واقع ہے۔ یہ تینوں حوالے اوپر مذکور ہوئے اور تینوں جگہ انسانی نفسِ ناطقہ (جان) مراد ہے۔ سورہ مریم آیت ۱۷ پارہ ۱۶ رکوع ۵ میں واقع ہے فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا "پھر بھیجا ہم نے اس (مریم) کے

---

(۱) دراصل یہاں تخلیق انسانی کا ذکر ہے اور نفخ روح ہر انسان میں ہوا ہے اس لئے اِن آیتِ قرآنی کے مطابق ہر انسان مراد ہے چنانچہ اس سے پچھلی آیات یوں ہیں الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ "جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اسکی نسل کو خلاصہ اخلاط یعنی ایک بے قدر پانی سے بنایا پھر اسکے اعضاء درست کیے اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے مگر تم بہت کم شکر کرتے ہو" ان آیات کی رُو سے ہر انسان کی تخلیق کے وقت اللہ تعالیٰ اُس میں اپنی روح پھونکتا ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت کے معنی و مفہوم کی تصدیق بائبل سے بھی ہوتی ہے چنانچہ آیا ہے "تو انکا دم روک لیتا ہے اور یہ مر جاتے ہیں اور پھر مٹی میں مل جاتے ہیں تو اپنی روح بھیجتا ہے اور یہ پیدا ہوتے ہیں (زبور ۱۰۴ آیت ۲۹،۳۰) دوسری جگہ مذکور ہے "اگر وہ اپنی روح اور اپنے دم کو واپس لے لے تو تمام بشر اکٹھے فنا ہو جائینگے اور انسان پھر مٹی میں مل جائیگا" (ایوب باب ۳۴ آیت ۱۴،۱۵) ان دونوں حوالوں کی عربی عبارت سے مدعا اور واضح ہو جاتا ہے اور قرآنی مضمون کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ ہر انسان میں اللہ کی روح موجود ہے لہٰذا اب ہر کوئی "روح اللہ" ہے۔ غور فرمائیے اگر پادری صاحب کا کلیہ جاری کیا جائے تو تمام انسان خواہ اچھے ہوں یا برے خدا ٹھہرتے ہیں۔

پاس اپنا فرشتہ (جبریل) پھر بن کر آیا اسکے سامنے ٹھیک آدمی" (۱) پس اس آیت میں روحنا آیا ہے لفظِ روح کی اضافت ضمیر متکلم کی طرف ہے جس سے مراد خدا تعالیٰ ہے اور روح اللہ کا اطلاق حضرت جبریلؑ پر ہوا ہے پس حق یہ ہے کہ فنفخنا فیه من رُّوحنا اور رُوحٌ منه میں لفظِ روح سے مراد انسانی نفسِ ناطقہ ہے جسکو ہم "جان" بولتے ہیں جیسا کہ ونفخ فیه من روحه اور فنفخت فیه من روحی جو آدم علیہ السلام کے متعلق آیات ہیں اُن میں بھی یہی مراد ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رُوح من اللہ کیوں کہا گیا:

روح کی اضافت خدا کی طرف کرنے کی وجہ محض عزت، تشریف وتکریم کا اظہار ہے جیسے بیت اللہ، ناقة اللہ میں اور اس بات پر آگاہ کرنا مقصود ہے کہ یہ خلافِ عادتِ الٰہی انوکھی پیدائش کیساتھ ظہور میں آئے ہیں پس اس میں خصوصیت زیادہ ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل عرب نہایت

(۱) حضرت جبریلؑ خدا کے حکم سے ایک نوجوان، خوبصورت مرد کی شکل میں پہنچے جیسا کہ فرشتوں کی عادت ہے کہ عموماً خوش شکل صورتوں میں متشکل ہوتے ہیں اور شاید حضرت مریمؑ کی انتہائی عفت و پاکبازی کا امتحان بھی مقصود ہوگا کہ ایسے زبردست اسباب اور محرکات بھی انکے جذبہ عصمت وتقویٰ کو ادنیٰ ترین جنبش نہ دے سکے اور وہ انتہائی کامیاب، راستباز عورت ثابت ہوئیں۔ سلام اللہ علیہا۔

(۲) گزشتہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت آدم علیہ السلام بلکہ ہر انسان میں خدا کی طرف سے روح ہے پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خصوصیت کیساتھ خدا کی روح کہا گیا ہے اور ان پر روح منه کا اطلاق ہوا ہے۔ مصنفؒ بتاتے ہیں کہ پہلی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش خلاف عادت بطور معجزہ بن باپ ہوئی ہے اس اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کی خاص نشانی ہیں۔ اس امتیاز کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انکی نسبت خصوصاً اپنی طرف فرمادی ہے جیسے سورۃ الشمس آیت ۱۳، سورہ اعراف آیت ۷۳ میں حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقة اللہ یعنی اللہ کی اونٹنی فرمایا گیا ہے۔ سب اونٹ اونٹیاں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں لیکن یہ اونٹنی قوم صالح علیہ السلام کے مطالبہ پر خلاف عادت بطور معجزہ ظاہر ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے انکی فرمائش کے مطابق ایک ٹھوس چٹان سے حاملہ اونٹنی نکال دی۔ یہ اونٹنی خدا کی قدرت اور حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت پر خاص نشانی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بطور خاص اسے اپنی طرف منسوب کیا۔ اس نسبت واضافت کا مقصد عزت وتکریم دینا ہے اسے اضافتِ تشریف بھی کہتے ہیں کہ کسی چیز کی عظمت وشرافت کے اظہار کیلئے بطور خاص نسبت کی جائے۔ قرآن مجید، بائبل مقدس اور انسانی کلام ومحاورات میں اسکی بہت مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے طهـــر بيتي (البقرہ آیت ۱۲۵، الحج آیت ۲۶) "میرے گھر کو پاک کرو" ظاہر ہے کہ بیت اللہ خانہ کعبہ (باقی اگلے صفحہ پر......

پاکیزہ چیز پر لفظِ روح کا اطلاق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ روح ہے چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام بے نطفہ باپ پیدا ہوئے اس لئے انکے محاورہ کے مطابق لفظِ روح کا اطلاق ہوا (۱) تیسری وجہ یہ ہے کہ روح کا لفظ رحمت کے معنی میں ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات بھی مخلوق کی ہدایت وارشاد کے لحاظ سے خدا کی ایک عظیم رحمت تھی (۲) چوتھی وجہ یہ ہے کہ لفظِ روح بمعنی نفخ کے بھی

.........کو "میرا گھر" کہنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا اس گھر میں رہتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ حیز ومکان سے پاک ہے بلکہ اس نسبت میں حکمت یہ ہے کہ دیگر مقاماتِ عبادت سے اس گھر کی عظمت وفوقیت سب پر عیاں ہوجائے۔ دوسری جگہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ارشاد ہے اسری بعبدہ (الاسراء، آیت ۱) "اپنے بندے کو رات کے وقت لے گیا" تمام بندے اچھے ہوں یا برے باعتبارِ تخلیق اسی ذات کے بندے ہیں مگر اس عبد کامل (محمد ﷺ) کی بندگی کی نسبت بطور خاص اپنی طرف کرکے انکی عظمت ورفعت نمایاں کردی۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ شیطان کو فرماتے ہیں اِنَّ عِبَادِی لَیسَ لَکَ عَلَیھِم سُلطَانٌ (الحجر آیت ۴۲، الاسراء، آیت ۶۵) "میرے بندوں پر تجھے کچھ قدرت نہیں" دیکھئے! فرمانبردار بندوں کی نسبت اپنی طرف کرکے انکی عظمت وشرافت، عزت ورفعت ظاہر کی گئی ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں ایسی بہت مثالیں ہیں اسی طرح بائبل میں بھی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً "تم جو اس وقت یہ کلام سنتے ہو جو رب الافواج کے گھر یعنی ہیکل کی تعمیر کیلئے بنیاد ڈالتے وقت نبیوں کی معرفت نازل ہوا" (زکریا باب ۸ آیت ۹) "اور یہ پتھر جو میں نے ستون سا کھڑا کیا ہے خدا کا گھر ہوگا" (پیدائش باب ۲۸ آیت ۲۲) "سو انہوں نے خداوند کے صندوق کو نئی گاڑی پر رکھا" (سموئیل دوم باب ۶ آیت ۳) "چنانچہ آج تک یہ کہاوت ہے کہ خداوند کے پہاڑ پر مہیا کیا جائیگا" (پیدائش باب ۲۲ آیت ۱۴) "اور خداوند کے بندہ موسیٰ کی وفات کے بعد ایسا ہوا" (یشوع باب ۱ آیت ۱) دیکھئے! ان تمام عبارات میں رب الافواج کا گھر، خدا کا گھر، خداوند کا صندوق، خداوند کے پہاڑ، خداوند کا بندہ موسیٰ یہ سب اضافتِ تشریف ہے۔ اسی طرح روح منہ وغیرہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت واضافت کا مقصد حضرت مسیح علیہ السلام کے خاص مجد وشرف کا اظہار ہے اس سے ٹھوکر کھا کر الوہیت کا عقیدہ نہیں گھڑنا چاہیئے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے حلول وتجسم کی گمراہی میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ عام انسانی کلام میں دیکھا جائے تو ہم بہت سے لوگوں کو چچا جان، بھائی جان وغیرہ کہہ کر مخاطب کرتے ہیں حالانکہ وہ رشتے میں ہمارے حقیقی چچا یا بھائی وغیرہ نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے کہ یہ لقب بطور مجاز وکنایہ ہے اور اس سے مقصود احترام کا اظہار ہے اور اضافت برائے تشریف ہے۔

(۱) دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کی عادت ہے اور عربی زبان کا محاورہ ہے کہ جب کسی چیز کی انتہائی زیادہ طہارت ونظافت کو بتانا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں اِنَّہٗ روح چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام نطفہ انسانی کی بجائے نفخ روحی سے پیدا ہوئے اس لئے اسلوب عرب کے مطابق ان پر روح منہ بولا گیا۔

(۲) تیسری وجہ یہ ہے کہ لفظِ روح رحمت کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ وایدھم بروح منہ (المجادلہ آیت ۲۲) ولاتایئسوا من روح اللہ (یوسف، آیت ۸۷) میں ہے۔ بائبل میں بھی کئی مقامات پر (باقی اگلے صفحہ پر.................

آتا ہے اور جب حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش نفخہ جبریلؑ سے جو محض حکمِ خدا تھا ظہور میں آئی اس لئے روحِ خدا کا اطلاق ہوا(۱) پانچویں وجہ یہ ہے کہ عربی محاورہ کے مطابق جو چیز مخلوق کیلئے دینی امور میں بھلائی اور بہبودی کا ذریعہ ہو اس پر لفظِ روح کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ اسی لحاظ سے ارشادِ خداوندی و کذالک اوحینا الیک روحا من امرنا میں لفظِ روح کا اطلاق قرآن کریم پر ہوا ہے(۲) اسی طرح اس قول فارسلنا الیھا روحنا میں محض عزت' تشریف وتکریم دینا ہے۔

............لفظِ روح رحمت کے معنی میں آیا ہے مثلاً "میں اپنی روح تیری نسل پر اور اپنی برکت تیری اولاد پر نازل کرونگا" (یسعیاہ باب ۴۴ آیت ۳) "خداوند کی روح مجھ پر ہے کیونکہ اس نے مجھے مسح کیا" (یسعیاہ باب ۶۱ آیت ۱) "اور اسکے بعد میں ہر فرد بشر پر اپنی روح نازل کرونگا" (یوایل باب ۲ آیت ۲۸) دیکھئے ان تمام جگہوں پر لفظ روح رحمت کے معنی میں ہے حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے عظیم پیغمبر' صاحب شریعت رسول اور اولوالعزم نبی تھے۔ ہر پیغمبر اپنی امت کیلئے نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ ہوتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بطور خاص رحمت ہیں' انکے معجزات بھی شفا ورحمت ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ونصرت' حمایت ورحمت بن کر آئے' انکا لوگوں کی جسمانی وروحانی بیماریوں کو ٹھیک کرنا وایدناہ بروح منہ کی عملی تفسیر ہے' وہ بنی اسرائیل کے مظلوموں کی دعا کا جواب تھے اس لئے انکو روح اللہ فرمایا گیا گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صورت میں بنی اسرائیل کی طرف اپنی روح (رحمت ونصرت) بھیجی۔ انکی پوری سیرت اس پر گواہ ہے۔ انجیل متی میں ہے "اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور انکی عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا اور لوگوں کی ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کرتا رہا۔ اور اسکی شہرت تمام سوریہ میں پھیل گئی اور لوگ سب بیماروں کو جو طرح طرح کی بیماریوں اور تکلیفوں میں گرفتار تھے اور انکو جن میں بدروحیں تھیں اور مرگی والوں اور مفلوجوں کو اسکے پاس لائے اور اس نے انکو اچھا کیا" (انجیل متی باب ۴ آیت ۲۳'۲۴)

(۱) چوتھی وجہ ہے کہ لفظِ روح نفخ (پھونک) کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ایک عربی شاعر آگ جلا کر اپنے دوست کو پھونک مارنے کا کہتا ہے ۔ فقلت لہ ارفعھا الیک واحیھا بروحک واجعلہ لھا قیتۃ قدرا

حضرت جبریلؑ نے بحکم خداوندی والدہ عیسیٰ علیہ السلام کے گریبان میں پھونک ماری جسکا نتیجہ استقرار حمل ہوا اور حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے گویا نطفہ کی بجائے محض نفخہ کام آیا اس لئے ان پر روح اللہ کا اطلاق ہوا۔

(۲) پانچویں وجہ یہ ہے کہ روح کا معنی ہے مابہ الحیاۃ وہ چیز جس کیساتھ زندگی قائم ہو۔ حسی زندگی سے جسمانی افعال واقع ہوتے ہیں مگر ایک معنوی زندگی ہوتی ہے جو ایمان کامل' اعمال صالحہ' حسن اخلاق سے عبارت ہے۔ یہ روحانی زندگی ہی اصل بھلائی وکامیابی پر مبنی حیات ہے۔ قرآن حکیم اس حیات کا ضامن ہے اس لئے اسکو روح کہا گیا ہے اسی طرح اسوۂ پیغمبر اور سیرت عیسوی بھی حیات آفریں ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام تو حیات حسی اور حیات معنوی دونوں کا مظہر اتم تھے اس لئے انکو روح کہا گیا جیسے کسی خوبصورت انسان کو حسن مجسم یا خوب سیرت انسان کو فرشتہ کہہ دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں چونکہ مطلق روح کو تجرید اور اصل خلقت کے اعتبار سے حضرتِ الوہیت جلّ جلالہ کیساتھ ایک گونہ مناسبت ہے اس لحاظ سے مطلق روح کی اضافت خدا کی طرف صحیح ہے جیسا کہ صحیفہ حزقی ایل باب ۳۷ آیت ۱۴ میں قولِ خدا بواسطہ حزقی ایل پیغمبر اُن ہزاروں آدمیوں سے خطاب کرتے ہوئے جن کو معجزۂ حزقی ایلؑ نے زندہ کیا تھا یوں مذکور ہے ''اور جب میں اپنی روح تم میں رکھونگا اور تم جیو گے'' (اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء) فارسی ترجمہ ۱۸۳۹ء میں یوں ہے ''روح خودرا در جوفِ شما خواہم نہاد تا زندہ شوید'' فارسی ترجمہ ۱۸۴۵ء میں یوں ہے ''روح خودرا در جوفِ شما خواہم نہاد کہ زندہ شوید'' عربی ترجمہ میں یوں ہے ''فاعطی فیکم روحی'' یعنی ''پس دونگا تم میں اپنی روح'' اس قول میں اللہ تعالیٰ نے صاف نفسِ ناطقہ انسانی کو اپنی روح فرمایا ہے (۱)

---

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح من اللہ کہا جانے کی یہ چھٹی وجہ ہے۔ مصنفؒ نے ازالۃ الشکوک میں اور وجوہ بھی لکھی ہیں۔ اُن میں ساتویں وجہ یہ ہے کہ بائبل میں سچا ناصح اور واعظِ حق پر روح اللہ اور روح الحق کا اطلاق ہوا ہے یعنی روح بمعنی واعظِ حق ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن کے مطابق ایک عظیم پیغمبر، سچے ناصح، مخلص منادا اور واعظِ حق ہیں اس لئے ان پر روح من اللہ کا اطلاق صحیح ہے اور قرآن مجید میں الوہیتِ مسیح علیہ السلام کے عقیدہ پر جابجا انکار و تردید ہے اس لئے قرآن کی رُو سے انکو خدا سمجھنا غلط ہے۔ یوحنا اپنے پہلے خط باب ۴ آیت ۱ تا ۶ میں لکھتے ہیں ''اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں.......... خدا کے روح کو تم اس طرح پہچان سکتے ہو کہ جو کوئی روح اقرار کرے کہ یسوع مسیح مجسم ہو کر آیا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے........ ہم خدا سے ہیں جو خدا کو جانتا ہے وہ ہماری سنتا ہے۔ جو خدا سے نہیں وہ ہماری نہیں سنتا۔ اسی سے ہم حق کی روح اور گمراہی کی روح کو پہچان لیتے ہیں'' (اردو بائبل کتابِ مقدس) یہ عبارت عربی بائبل مطبوعہ لبنان ۱۹۹۵ء میں یوں ہے ''ایھا الاحباء لاتصدقوا کل روح بل امتحنوا الارواح لتروا ھل ھی من اللہ ...... وانتم تعرفون روح اللہ بھذا: کل روح یعترف یسوع المسیح انہ جاء فی الجسد یکون من اللہ ...... نحن من اللہ فمن یعرف اللہ یسمع لنا ومن لایکون من اللہ لایسمع لنا بذالک تعرف روح الحق من روح الضلال'' فارسی وانگریزی تراجم بھی اسکے مطابق ہیں۔ غور فرمائیے! یوحنا نے اپنے اس الہامی خط میں دینِ مسیح کی تبلیغ کرنے والے عام لوگوں پر ''روح'' اور ''خدا کی روح'' کا اطلاق کر دیا ہے۔ اس عبارت کی رُو سے اگر مسیحیت کے عام پادری و مبشر حضرات ''روح اللہ'' کہلا سکتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو سراپا صدق و حق، مجسمہ رحمت و ہدایت تھے وہ کیوں نہیں کہلا سکتے؟! اگر پادری روح خدا ہو جانے سے خدا نہیں بنتے تو حضرت مسیح علیہ السلام روح اللہ کہلانے سے اللہ کیسے بن سکتے ہیں؟! اگر اپنے خود ساختہ دین کی تبلیغ سے یہ لوگ روح اللہ بن سکتے ہیں تو حق و صداقت کی وعظ و تبلیغ کرنے والے داعیِ اعظم حضرت مسیح علیہ السلام اس معنی میں روح اللہ کیوں نہ ہوئے؟ آٹھویں وجہ ہے کہ بائبل میں (باقی اگلے صفحہ پر ....

.........روح اللہ قدرت اللہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے یعنی روح بمعنی قدرت ہے حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے ''لیکن اگر میں خدا کی روح کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہوں تو خدا کی بادشاہی تمہارے پاس آ پہنچی'' (متی باب ۱۲ آیت ۲۸) عربی ترجمہ میں یوں ہے "اما اذا کنت بروح الله اطرد الشياطين" اسی ارشاد عیسوی کو لوقا نے یوں نقل کیا ہے ''لیکن اگر میں بدروحوں کو خدا کی قدرت سے نکالتا ہوں تو خدا کی بادشاہی تمہارے پاس آ پہنچی'' (لوقا باب ۱۱ آیت ۲۰) دیکھئے! انجیل متی نے ''خدا کی روح'' سے تعبیر کیا تھا لوقا نے اسی کی تفسیر ''خدا کی قدرت'' کیساتھ کردی۔ کتاب ایوب باب ۲۶ آیت ۱۳ میں ہے ''اس نے اپنی روح سے آسمان کو زینت دی ہے'' مطلب وہی ہے کہ اللہ نے اپنی قدرت سے آسمان کو آراستہ کیا ہے۔ قضاۃ باب ۱۴ آیت ۶ میں ہے ''تب خداوند کی روح اس پر زور سے نازل ہوئی اور اس نے اسے بکری کے بچے کی طرح چیر ڈالا'' یہاں بھی وہی مطلب ہے کہ سمسون نے خدا کی قدرت سے اس شیر کو بکری کے بچے کی طرح چیر ڈالا۔ جس طرح ان مقامات میں روح سے مراد قدرت ہے اسی معنی کے اعتبار سے حضرت مسیح علیہ السلام پر روح کا اطلاق صحیح ہے کیونکہ وہ بن باپ پیدا ہونے کی وجہ سے خدا کی قدرت کا خاص نشان تھے۔ نویں وجہ یہ ہے کہ ایسی روح (نفس ناطقہ انسانی) جسکو ادراک کامل حاصل ہو' خوبیوں کا منبع' امور غریبہ کا مصدر ہو بائبل میں اس پر ''روح اللہ'' کا اطلاق ہوا ہے۔ پیدائش باب ۴۱ آیت ۳۸ میں فرعون مصر کا قول حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق یوں مذکور ہے ''سو فرعون نے اپنے خادموں سے کہا کہ کیا ہم کو ایسا آدمی جیسا یہ ہے جس میں خدا کی روح ہے مل سکتا ہے'' عربی بائبل مطبوعہ لبنان ۱۹۹۵ء میں یوں ہے "فقال لهم هل نجد مثل هذا رجلاً فيه روح الله" اتنی سمجھ تو فرعون کے خادموں کو بھی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو روح اللہ کہنا اس معنی میں نہیں ہے کہ فرعون ان کی الوہیت کا قائل ہے بلکہ یہ مجاز ہے چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسی دانشمند روح رکھنے والا اس وقت اور کوئی نہ تھا اس لئے مجازاً انہیں روح اللہ کہا گیا ہے۔ بادشاہ بابل کا قول حضرت دانی ایل پیغمبر کے بارے میں یوں ہے ''میں نے تیری بابت سنا ہے کہ الٰہوں کی روح تجھ میں ہے'' (دانی ایل باب ۵ آیت ۱۱' ۱۴' باب ۴ آیت ۹'۸) اسکے مقابل دوسری روح کو روح زنا وغیرہ کہا جاتا ہے چنانچہ ہوسیع باب ۴ آیت ۱۲ میں ہے ''بدکاری کی روح نے انکو گمراہ کیا'' یسعیاہ باب ۲۹ آیت ۱۰ میں ہے ''خداوند نے تم پر گہری نیند کی روح بھیجی ہے اور تمہاری آنکھوں یعنی نبیوں کو نابینا کر دیا'' حضرت مسیح علیہ السلام کی نفس ناطقہ روح مبارک ادراک کامل رکھنے والی' مصدر حسنات اور منبع کمالات تھی اس لئے ان پر روح اللہ بولا گیا اور روح منه سے مراد ذو روح منه ہے جیسا کہ صاحب جلالینؒ اور مفسر بیضاویؒ نے صراحت کی ہے یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور دانی ایل کو کہا گیا ہے۔ آپ علیہ السلام کی زندگی میں کوئی آپ سے بڑھ کر نہ تھا اور آپ روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ دسویں وجہ صاحب روح المعانی نے یہ بتائی ہے کہ عربی میں روح بمعنی سر (راز) بھی ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے روح هذه المسئلة كذا (اس مسئلہ کی روح یعنی حقیقت واصل یہ ہے) چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک ''سر'' اور آیات ربانی میں سے ایک ''آیت'' تھے اس لئے ان پر روح بولا گیا ہے۔ تلك عشرة كاملة یہ چند حکمتیں ہیں اللہ جل جلالہ کے کلام معرفت (قرآن مجید) کی ساری وجوہ کا احاطہ حد بشر سے باہر ہے۔ اہل علم چاہیں تو اور بھی بہت کچھ تلاش کر سکتے ہیں۔ والله الموفق والمعين

بلکہ روحِ شیطانی جو بحکمِ خدا کسی پر مسلط ہو اس پر بھی روحِ خدا کا اطلاق ہوا ہے(۱) چنانچہ سوال نمبر ۱۷ کے جواب میں تفصیلاً آئیگا۔(۲) قرآن کریم میں اس عقیدہ کے حوالے سے جناب مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا عقیدہ رکھنے والوں پر جابجا سرزنش اور ملامت مذکور ہے اسکے باوجود اگر پادری صاحب اس آیتِ قرآنی سے اپنی فہم اور نادر تحقیق کے مطابق یہ سمجھتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ ان آیات کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت جبریلؑ کو بھی خدا قرار دیں نہ کہ فقط حضرت مسیح علیہ السلام کو اور صحیفہ حزقی ایل باب ۳۷ آیت ۱۴ جس کو یقیناً وہ کلامِ خدا جانتے ہیں اسکے موافق اُن سب لوگوں کو بھی مرتبہ الوہیت میں سمجھیں جو معجزہ حزقی ایلؑ سے زندہ ہوئے تھے بلکہ عیاذاً باللہ

---

(۱) مثلاً ساؤل بادشاہ بنی اسرائیل کے بارے میں ہے ”اور خداوند کی طرف سے ایک بری روح اسے ستانے لگی......دیکھ ایک بری روح خدا کی طرف سے تجھے ستاتی ہے......جب خدا کی طرف سے یہ بری روح تجھ پر چڑھے......جب وہ بری روح خدا کی طرف سے ساؤل پر چڑھتی تھی تو داؤد بربط لیکر ہاتھ سے بجاتا تھا“ (سموئیل اول باب ۱۶ آیت ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۲۳) اسرائیل کے اور بادشاہ اخی آب کو بہکانے کیلئے یہ انتظام ہوا ”سو دیکھ خداوند نے تیرے ان سب نبیوں کے منہ میں جھوٹ بولنے والی روح ڈالی ہے اور خداوند نے تیرے حق میں بدی کا حکم دیا ہے“ (سلاطین اول باب ۲۲ آیت ۲۳) ایک جگہ بنی اسرائیل کے حوالے سے آیا ہے ”بدکاری کی روح نے انکو گمراہ کر دیا ہے......بدکاری کی روح ان میں موجود ہے (ہوسیع باب ۴ آیت ۱۲، باب ۵ آیت ۴) پولوس لکھتے ہیں ”بعض لوگ گمراہ کرنے والی روحوں اور شیاطین کی تعلیموں کی طرف متوجہ ہو کر ایمان سے برگشتہ ہو جائینگے“ (تمتھیس کے نام پہلا خط باب ۴ آیت ۱) غور فرمایئے! یہ بری روح، جھوٹ بولنے والی روح، بدکار روح، گمراہ کرنے والی روح روحِ شیطانی نہیں تو اور کیا ہے؟ بائبل میں ایسے بہت سے حوالے ہیں جن میں بدروح، بدروحوں، بدروحیں وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں۔ جب ایک بری روح (روحِ شیطانی) خدا کی طرف سے (روحِ خدا) ہو سکتی ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نیک روح (روحِ رحمانی) خدا کی طرف سے (روح منہ) کیوں نہیں ہو سکتی؟ اور اس سے الوہیت وخدائی کا دھوکا کیوں کھایا جاتا ہے؟ اگر روحِ شیطانی خدا کی طرف سے ہونے کے باوجود خدا نہیں ہو سکتی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی روح من اللہ ہونے کی وجہ سے خود اللہ نہیں بن گئے۔

(۲) ازالۃ الشکوک مسیحی اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے اس میں سوال نمبر ۱۷ کے تحت اس پر مفصل گفتگو ہے۔ مصنف نے ازالۃ الشکوک جلدِ اول صفحہ ۳۶ پر ”فائدہ عظیمہ“ کا عنوان دیکر ایک قابلِ قدر تحقیق لکھی ہے کہ بائبل میں لفظ روح کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے اور پھر انکی مختصر تشریح کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ”روح“ کا لفظ ریح (ہوا) نفخ (سانس، دم) نفسِ ناطقہ انسانی (جان) فیضان وسکینت (رحمت) قدرت (اختیار وطاقت) واعظِ حق، نیک شخص، مقصد وارادہ، رضا ومشاء، علم وفہم کامل اور حکم وغیرہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

روح شیطانی کو خدا کا عین کہنا چاہیے۔(۱) پس آیتِ قرآنی سے الوہیت کا مرتبہ مراد لینا بالکل غلط ہے بلکہ قرآن کا کیا ذکر پادری صاحب نے ازراہِ غفلت یا محض دھوکہ دینے کیلئے حل الاشکال میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ کتبِ عہدِ عتیق میں روح خدا بمعنی ذاتِ خدا آتا ہے حالانکہ یہ کلیۃً باطل ہے(۲)

پادری صاحب کا استدلال باطل ہونے کی دوسری وجہ:

پادری صاحب کا یہ کہنا کہ بعض محمدی الــــــخ (۳) اگر بعض محمدی سے مراد کوئی بھی مفسر ہے تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ سورۃ النساء میں رُوحٌ مِّنْهُ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں آیا ہے اسکے متعلق کسی بھی سنی یا شیعہ مفسر نے یہ نہیں کہا کہ جبریل علیہ السلام کے معنی میں ہے۔ اگر کوئی فرضی نام

---

(۱) اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام حزقی ایل کو بھی خدا سمجھنا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں "کاش خداوند کے سب لوگ نبی ہوتے اور خداوند اپنی روح ان سب میں ڈالتا" (گنتی باب ۱۱ آیت ۲۹) اس ارشادِ موسوی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی روح اللہ ہوتا ہے پادری صاحبان کو چاہیے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام (جن میں بعض انکے نزدیک زانی، شرابی، مشرک تک ہیں نعوذ باللہ) کو مرتبہ الوہیت پر فائز کردیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہودی قبیلے کے ماہر کاریگر بضلی ایل بن اوری کے متعلق فرماتے ہیں "اور میں نے اسکو حکمت اور فہم اور علم اور ہر طرح کی صنعت میں روح اللہ سے معمور کیا ہے" (خروج باب ۳۱ آیت ۳) لیجئے! قرآن مجید یا بائبل میں کہیں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کیلئے صاف "روح اللہ" کے الفاظ نہیں آئے مگر اس شخص کے بارے میں یہاں یہ لفظ آیا ہے۔ مسیحی دانش کے مطابق یہی اصل خدا کہلانے کے لائق ہے۔ پولوس اپنے متعلق لکھتے ہیں "میں سمجھتا ہوں کہ خدا کا روح مجھ میں بھی ہے" (کرنتھیوں کے نام پہلا خط باب ۷ آیت ۴۰) لیجئے! ہمیں تو انکے "رسول" ہونے میں بھی تردد ہے مگر عیسائی منطق کے مطابق وہ "خدا" بن بیٹھے ہیں۔ پولوس حواریوں کے متعلق لکھتے ہیں "کیا تم نہیں جانتے کہ تم خدا کا مقدس ہو اور خدا کا روح تم میں بسا ہوا ہے؟" (کرنتھیوں کے نام پہلا خط باب ۳ آیت ۱۶) غور فرمایئے! مسیحی اصول کے مطابق یہ لوگ "رسولوں" کے مرتبہ سے بڑھ کر "الٰہوں" کے درجہ پر چڑھ گئے ہیں اور بات تین سے نکل کر تیرہ تک جا پہنچی ہے نعوذ باللہ

(۲) کیونکہ بائبل مجاز و مبالغہ سے ایسی پُر کتاب ہے کہ اس میں روح شیطانی پر بھی روح خدا کا اطلاق ہوا ہے اور شیطان کو بھی خدا "الٰہ" العالم تک کہا گیا ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں مفصل اور باحوالہ گذرا۔ اب پادری مذکور کے اس دعویٰ کی کیا حیثیت ہے خود ہی غور فرمالیں۔ "ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی"

(۳) پادری صاحب نے کہا تھا کہ بعض محمدی مسلمان کہتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں لفظ روح سے مراد جبریل فرشتہ ہے مصنفؒ اسکا جواب دے رہے ہیں کہ یہاں روح سے مراد جبریل کسی نے نہیں لیا پادری صاحب نے اپنی طرف سے کوئی نام فرض کرلیا ہو تو کچھ کہہ نہیں سکتے اور ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔

پادری صاحب کے ذہن میں ہو تو یہ انکی دیانت ہے۔

تیسری وجہ:

انکا قول کہ لفظ منہ کی ضمیر الخ (۱) شاید پادری صاحب منہ کی ضمیر کو متصل نہیں سمجھتے ورنہ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ دوسری آیت میں منہ کے لفظ میں اور پہلی آیت میں روحنا کے لفظ میں ضمیر متصل صرف کے ضابطہ کے مطابق الخ کیونکہ دونوں جگہ ضمیر متصل ہے۔

چوتھی وجہ:

انکا قول کہ صرف کے ضابطہ کے مطابق الخ (۲) خدا کیلئے پادری صاحب اور انکے معتقدین بتلائیں کہ علم صرف کا وہ کونسا قاعدہ ہے جو تقاضا کرتا ہے کہ منہ کی ضمیر فرشتہ کی طرف نہیں بلکہ خدا کی طرف راجع ہو؟ ہم نے تو اس علم میں ایسا پڑھا نہ دیکھا۔ اس سے صاف پادری صاحب کی قلعی کھل گئی کہ انہوں نے صرف نام سن رکھا ہے کہ صرف کوئی علم ہے اور یہ نہیں جانتے کہ اس میں کس چیز سے بحث ہوتی ہے۔ جب علم صرف کا یہ حال ہو تو اور علوم خصوصاً علم تفسیر میں مداخلت کرنے کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر پادری صاحب کے فرضی قاعدہ کے مطابق ہم مان بھی لیں اور کوئی شخص کہے کہ روح سے مراد جبریل ہے تو اس صورت میں ضمیر کا اللہ کی طرف راجع ہونے میں کیا منافات ہے؟ جیسا کہ فارسلنا الیھا روحنا والی آیت میں ضمیر متکلم سے مراد

---

(۱) پادری صاحب نے کہا تھا کہ دوسری آیت میں منہ کے لفظ کی ضمیر اور پہلی آیت میں روحنا کی ضمیر متصل خدا کی طرف راجع ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب اپنی عربی لیاقت کی وجہ سے روحنا کی ضمیر کو متصل بتاتے ہیں مگر منہ کی ضمیر کو متصل نہیں کہتے حالانکہ دونوں ہی ضمیریں متصل ہیں مولانا اس پر گرفت فرما رہے ہیں اور پادری صاحب کو عربیت میں نااہل ہونے کا احساس دلا رہے ہیں۔

(۲) پادری صاحب نے کہا تھا کہ روح منہ اور روحنا کی ضمیر صرفی قاعدے کے مطابق فرشتہ نہیں بلکہ خدا کی طرف راجع ہے مولانا اس پر تنقید کر رہے ہیں کہ علم صرف کا کونسا قاعدہ ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے؟ علم صرف کا تو یہ موضوع ہی نہیں۔ علم صرف میں تو صیغوں کی شناخت، کلمات کے گردانے کا طریقہ، ایک صیغہ سے دوسرا صیغہ بنانے کے قواعد بتائے جاتے ہیں اور تصریف و تعلیل سے بحث ہوتی ہے۔ ضمائر اور انکے احکام یہ علم نحو کا موضوع ہے مگر پادری صاحب کو کیا خبر کہ علم صرف کیا ہے؟ اور نحو کیا ہے؟ ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ اور علوم لغت کون سے ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہے اسکے باوجود روح سے مراد جبریل ہے۔ ہاں سورۃ النساء میں آیت کا سیاق نہیں چاہتا کہ مراد جبریل ہو نہ اس وجہ سے کہ ضمیر کا اللہ کی طرف راجع ہونا مانع ہے(۱)

پانچویں وجہ:

پادری صاحب نے اپنی تصنیفات میں کسی بھی فن کی کتاب کے مضامین اور کلام الٰہی کی تفسیر سمجھنے کیلئے کئی قواعد لکھے ہیں(۲) ان میں دوسرا اصول یوں لکھا ہے "چاہیئے کہ کتاب کے مضامین کی سلسلہ بندی کی طرف متوجہ ہو کر اگلی پچھلی باتوں کے میلان ومناسبت کو نہ بگاڑے۔ جس مضمون کی تفسیر کرنا چاہے تو اس سے مناسبت رکھنے والے دیگر مقامات کیساتھ موازنہ کر کے اسکے مطابق تفسیر کرے" انتہی (۳) اب دیکھئے کہ پادری صاحب مضامین کی سلسلہ بندی کی طرف کیا متوجہ ہوئے ہیں؟ اور سیاق وسباق سے کیسی مناسبت رکھی ہے؟(۴)

---

(۱) آیت نساء میں ضمیر کی وجہ سے نہیں بلکہ سیاق آیت کی وجہ سے لفظ روح کا مصداق جبریل نہیں ہو سکتا انما المسیح عیسیٰ ابنُ مریمَ رسولُ اللهِ و کلمتُهٗ القاھا الی مریمَ وروحٌ منه لفظ المسیح مبتدا ہے۔ عیسیٰ ابن مریم اس سے عطف بیان یا بدل ہے رسول اللہ خبر ہے کلمتہ القاھا الی مریم بواسطہ عطف خبر ثانی ہے اور روح منه بھی حرف عطف کے ذریعے خبر ثالث ہے۔ خبر اپنے مبتدا پر محمول ہوتی ہے معنی یہ ہوگا کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح ہیں۔ ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام روح من اللہ تو ہیں جبریل نہیں وہ ایک الگ ذات ہے۔

(۲) پادری صاحب نے اپنی کتاب میزان الحق باب سوم فصل سوم میں اور حل الاشکال باب چہارم میں یہ قواعد لکھے ہیں۔

(۳) دنیا کے تمام مذاہب وعلوم میں علم تفسیر کا طے شدہ اصول جس میں کسی کو اختلاف نہیں یہ ہے کہ کسی آیت یا مضمون کا معنی ومفہوم سمجھنا چاہیں تو دوسری آیات اور کتاب کے دیگر مضامین وتعلیمات کی روشنی میں سمجھا جائے یہ عقل کا تقاضا بھی ہے اور گمراہی سے بچنے کا ذریعہ بھی ہے۔ باطل فرقوں کے وجود میں آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اپنے مخصوص نظریات کی تائید میں چند مخصوص آیات یا حوالے تلاش کر لیتے ہیں اور کتاب کے مجموعی مضامین، دیگر مطالب اور سیاق وسباق سے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ یہی گمراہی کا راستہ ہے ایسے شخص کو ہدایت نہیں ملتی قرآن مجید میں اسی لئے فرمایا گیا ہے یُضِلُّ بِهٖ کَثِیرًا وَّیَهدِی بِهٖ کَثِیرًا (البقرہ آیت ۲۶) پادری صاحب کو بھی یہ سنہری اصول یاد تو ہے مگر اس پر عمل کی توفیق نہیں ہوئی۔ کَبُرَ مَقتًا عِندَ اللّٰهِ اَن تَقُولُوا مَا لَا تَفعَلُونَ (الصف آیت ۳)

(۴) اور ایسی "تفسیر" گھڑی ہے کہ مفسرین اسلام زمخشری وبیضاوی، رازی وقرطبی وغیرہم کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آئی۔ جی ہاں!

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

پادری صاحب کا تجاہلِ عارفانہ:

سورۃ النسآء کی آیت میں اول یوں تھا یا اهلَ الکتابِ لاتغلُوا فی دینکم ولاتقولُوا علی اللہ اِلا الحق اس میں صاف عیسائیوں کو سرزنش اور تنبیہ ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق مبالغہ کر کے انہیں مرتبہ الوہیت دے دیا ہے۔ پھر یوں تھا ولا تقولوا ثلاثہ انتهوا خیراً لکم انما اللہ الہ واحد سبحانہ ان یکون لہ ولد اس میں تثلیث اور جناب مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے پر کھلے طور پر ملامت اور وعید ہے اور صاف مذکور ہے کہ تثلیث کو چھوڑ دو اس میں تمہارا بھلا ہے اللہ اس لائق نہیں کہ اسکا بیٹا ہو۔ اسکے باوجود پادری صاحب لفظِ رُوحٌ منہ جو ان دونوں قولوں کے درمیان میں مذکور ہے اس سے الوہیتِ مسیح علیہ السلام والا مطلب سمجھتے ہیں سبحان اللہ! کیا خوب تفسیر دانی ہے(۱) سچ تو یہ ہے کہ کسی کتاب کا ایسا شارح مکمل غور کرنے کے بعد کہے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں تو میں تو تعجب نہ کروں۔(۲)

---

(۱) اتنا بھی نہیں سوچتے کہ انکے اس لقب "روح من اللہ" میں ہی انکے معبود نہ ہونے کی دلیل پوشیدہ ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم و روح سے مرکب ہیں اور جو مرکب ہے وہ اپنے اجزا کا محتاج ہے اور جو محتاج ہے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟

(۲) مولانا نے لکھا ہے کہ ہم پادری صاحب سے اس بارے میں کیا شکایت کریں یہاں تو حال یہ ہے کہ انجیل متی کا مؤلف جو پادری صاحب کے نزدیک صاحب الہام اور مرتبہ نبوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل ہے وہ بھی عہد عتیق کے اکثر فقرات کو ایسے غلط طریقے سے سمجھتا ہے اور پادری صاحب سے زیادہ اُلٹ پلٹ کر کے انکو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر منطبق کرتا ہے اور آگے پیچھے کے مضمون کو نہیں دیکھتا۔ مولانا کہتے ہیں کہ انشاء اللہ سوالِ اوّل کے جواب میں اثبات رسالت محمدی ﷺ کی بحث کے ذیل میں اسکی کچھ مثالیں اور باتیں لکھی جائینگی (ازالۃ الشکوک ج ا ص ۳۴۲) ہم قارئین کی تسلی کیلئے ایک مثال سپرد قلم کرتے ہیں۔ متی حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اسکی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو انکے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ رُوح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ پس اسکے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دیکر کہا اے یوسف ابن داؤد! اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اسکے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔ اسے بیٹا ہوگا اور تو اسکا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو انکے گناہوں سے نجات دیگا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ جو (باقی اگلے صفحہ پر).....

پادری صاحب کی ترمیم شدہ دوسری عبارت:

مگر الحمدللہ بعض علماء کی سرزنش اور ملامت سے پادری صاحب بہت نادم ہوئے اور اپنے اس قول رکیک کی کوئی توجیہ انکو نظر نہ آئی اس لئے مفتاح الاسرار کے نئے نسخہ کو جب چھاپا جسکو پہلے نسخہ سے چھانٹ چھانٹ کر اور بہت سارا حذف واضافہ کر کے تیار کیا تھا تو اس میں یہ عبارت اور اسکے بعد کی کئی سطور جو بچوں کے ہنسنے کے لائق تھیں انکو صاف ہضم کر گئے اور کچھ اور ہی نئی چال چلی اور

...........خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ۔ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اسکا نام عمانوایل رکھیں گے جس کا ترجمہ ہے خدا ہمارے ساتھ۔ پس یوسف نے نیند سے جاگ کر ویسا ہی کیا جیسا خداوند کے فرشتہ نے اسے حکم دیا تھا اور اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آیا۔ اور اسکو نہ جانا جب تک اسکے بیٹا نہ ہوا اور اسکا نام یسوع رکھا" (متی باب ۱ آیت ۱۸ تا ۲۵) غور فرمایئے! متی اس واقعہ پیدائش کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ نبی کی معرفت کہی گئی بات پوری ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اسکا نام عمانوایل رکھیں گے۔ مسیحی علماء کے مطابق اس سے مراد یسعیاہ نبی کی پیشینگوئی ہے جو صحیفہ یسعیاہ باب ۷ آیت ۱۴ میں درج ہے اور سات سو سال مکمل کی گئی اور حضرت مسیح علیہ السلام پر پوری ہوئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس پیشینگوئی کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دینا متی کی غلط فہمی یا خوش اعتقادی کے سوا کچھ نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ متی نے اور کتاب یسعیاہ کے مترجمین نے جس لفظ کا ترجمہ "کنواری" سے کیا ہے وہ در حقیقت عبرانی لفظ "علمہ" ہے۔ اسکا معنی کنواری نہیں بلکہ نوجوان لڑکی ہے خواہ کنواری ہو یا نہ ہو یہی وجہ ہے کہ آر ایس وی بائبل میں اسکا ترجمہ Young Woman سے کیا گیا ہے۔ لہٰذا متی کا یہ کہنا کہ "ایک کنواری حاملہ ہوگی" بالکل غلط ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ پیشگوئی کے الفاظ یہی تھے کہ "ایک کنواری حاملہ ہوگی" تب بھی حضرت مریم و عیسیٰ علیہ السلام پر یہ صادق نہیں آتی کیونکہ خود بائبل اور مسیحی مفسرین نے حضرت مریمؑ کے کنوارے پن پر ضرب کاری لگادی ہے جیسا کہ پیچھے گذر چکا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس پیشینگوئی میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کا نام "عمانوایل" رکھیں گے حالانکہ متی اسی باب کی آیت ۲۵ میں خود کہہ رہے ہیں کہ مریم و یوسف نے بیٹے کا نام عمانوایل نہیں بلکہ "یسوع" رکھا۔ زندگی بھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یسوع کے نام سے ہی پکارا گیا۔ مسیحی مفسر لکھتا ہے "ایسا کوئی ریکارڈ موجود نہیں کہ زمینی زندگی میں مسیح کو کبھی "عمانوایل" کے نام سے پکارا گیا ہو۔ اسکو ہمیشہ "یسوع" کے نام سے یاد کیا گیا ہے" (تفسیر الکتاب۔ ولیم میکڈونلڈ۔ جلد اول۔ ص ۳۲) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام یسوع رکھا گیا' یہی نام پکارا گیا کسی نے انکا نام عمانوایل نہیں رکھا اور نہ کسی نے انکو اس نام سے پکارا اور یاد کیا تو اس پیشینگوئی کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دینا کس طرح صحیح ہے؟ مگر متی رسول اور مسیحی علماء کو ان حقائق سے غرض نہیں انکا رسولی و مذہبی فریضہ یہ ہے کہ جب بھی عہد نامہ قدیم میں کوئی خبر نظر آئے اسکو توڑ مروڑ کر کسی نہ کسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فٹ کر دیا جائے لہٰذا انکے نزدیک یہ بھی ایک سچی پیشینگوئی ہے۔

وہ یہ ہے کہ سورہ تحریم ونساء کی ان دونوں آیتوں کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''اب دیکھو کہ قرآن کی ان آیتوں میں مذکور ہوا کہ یسوع مسیح نے اور آدمیوں کی طرح تولد نہیں پایا بلکہ صرف خدا کی قدرت سے بن باپ مریم کے پیٹ سے اس طرح پیدا ہوا کہ خدا نے اپنی روح اُس میں پھونک دی اور یہ بھی مسطور ہوا کہ وہ خدا کی روح اور اسکا کلمہ ہے۔ پس قرآن میں کونسے نبی کیلئے ایسا ذکر ہوا اور کسی کے حق میں کہا ہے کہ اُسکا کلمہ ہے لہٰذا قرآن نے بھی مسیح کو سب آدمیوں اور سارے پیغمبروں پر فوقیت دی ہے اور اسکی الوہیت کے مرتبہ پر اشارہ کیا ہے اور اگر کوئی کہے کہ درحالیکہ قرآن میں جابجا مسیح کی الوہیت کا انکار ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ محمد نے مسیح کے عالی مرتبہ کا اشارہ کر کے گواہی دی ہو؟ اسکا جواب یہ ہے کہ مسیحی لوگ لوقا باب ۱ آیت ۳۵ میں مسیح کے تولد کے متعلق جو بات آئی ہے اسکی وجہ سے عقیدہ رکھتے ہیں کہ یسوع مسیح بے باپ روح القدس سے پیدا ہوا اور یوحنا باب ۱ کے مضمون کے مطابق مسیح کو کلمۃ اللہ کہتے ہیں اور اس باب میں کہا گیا ہے کہ وہ کلمہ خدا تھا اور ہر ایک چیز اس سے پیدا ہوئی تو اس اعتبار سے کلمۃ اللہ مسیح کی الوہیت پر اشارہ ہے۔ محمد نے مسیحیوں سے یہ عبارت سن کر انکی خاطرداری کیلئے قرآن میں لکھ دی ہے اور بغیر جانے بوجھے ہمارے مطلب کی گواہی دی ہے'' انتہی۔

پادری فنڈر کی دوسری عبارت کا رد:

پادری صاحب کا قول کہ ''خدا نے اپنی روح اس میں پھونک دی الـــخ'' میں کہتا ہوں اسی طرح قرآن میں حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں بھی تین جگہ اللہ تعالیٰ نے نفخ فیہ من روحہ اور نفخت فیہ من روحی کے الفاظ فرمائے ہیں اور صحیفہ حزقی ایل باب ۳۷ آیت ۱۴ میں ہزاروں لوگوں کے متعلق اسکے مثل فرمایا ہے۔(۱) پس اس وصف وہ سب حضرت مسیح علیہ السلام کے برابر ہیں۔ انکا قول کہ ''وہ خدا کی روح اور اسکا کلمہ ہے'' میں کہتا ہوں کہ جبریلؑ کے متعلق بھی خدا تعالیٰ نے روحنا کا لفظ ارشاد فرمایا ہے اور آدم علیہ السلام کے نفس ناطقہ کو بھی اپنی روح ارشاد فرمایا ہے۔

(۱) یعنی ''فأعطی فیکم رُوحی'' بلکہ یہ لفظ بائبل میں بہت سے لوگوں کے متعلق آیا ہے جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گذرا۔

لفظِ کلِمہ اور کلِمات کا اطلاق قرآن مجید میں:

کلمہ کا لفظ جو خدا کی طرف مضاف ہو جیسے کَلِمَةُ اللّٰهِ، کَلِمَةُ رَبِّكَ، کَلِمَتُنَا پورے قرآن کریم میں جہاں بھی آیا ہے تو کلام خدا یا حکم خدا کے معنی میں ہے اور کہیں بھی اس سے ذات خدا یا اقنوم علم مراد نہیں مثلاً سورہ توبہ آیت ۴۰ پارہ ۱۰ رکوع ۱۲ میں یوں واقع ہے وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا یعنی ''اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے'' سورہ انعام آیت ۱۱۵ پارہ ۸ رکوع ۱ میں ہے وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا یعنی ''تیرے رب کی بات پوری سچ بے انصاف کی'' اسی طرح کَلِمَةُ رَبِّكَ کا لفظ سورہ اعراف آیت ۱۳۷ پارہ ۹ رکوع ۶، سورہ یونس آیت ۳۳ پارہ ۱۱ رکوع ۹، سورہ یونس آیت ۹۶ پارہ ۱۱ رکوع ۱۵، سورہ مومن آیت ۶ پارہ ۲۴ رکوع ۶، میں اسی معنی میں آیا ہے۔ سورہ صفت آیت ۱۷۱ پارہ ۲۳ رکوع ۹ میں مذکور ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ یعنی ''پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے بندوں کے حق میں جو رسول ہیں'' اسی طرح کَلِمَاتُ اللّٰهِ کا لفظ سورہ انعام آیت ۳۴ پارہ ۷ رکوع ۱۰، سورہ یونس آیت ۶۴ پارہ ۱۱ رکوع ۱۲، سورہ لقمان آیت ۲۷ پارہ ۲۱ رکوع ۱۲ میں آیا ہے۔ کَلِمَاتُ رَبِّي کا لفظ سورہ کہف آیت ۱۰۹ پارہ ۱۶ رکوع ۳ میں دو مرتبہ آیا ہے۔ کَلِمَاتُ رَبِّهَا کا لفظ اسی سورہ تحریم آیت ۱۲ میں آیا ہے جس سے پادری صاحب نے اپنے دعویٰ کیلئے دلیل پکڑنا چاہی ہے۔ کلماتہ کا لفظ جس میں کلمات کی اضافت ضمیر غائب کی طرف ہے جو راجع بسوئے خدا ہے یہ سورہ انعام آیت ۱۱۵ پارہ ۸ رکوع ۱، سورہ اعراف آیت ۱۵۸ پارہ ۹ رکوع ۱۰، سورۃ انفال آیت ۷ پارہ ۹ رکوع ۱۵، سورہ یونس آیت ۸۲ پارہ ۱۱ رکوع ۱۳، سورہ کہف آیت ۲۷ پارہ ۱۵ رکوع ۱۶ میں آیا ہے۔ ان سب جگہوں میں یہ لفظ ''خدا کی باتیں'' اور ''خدا کے احکام'' کے معنی میں مستعمل ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ کلمہ یا کلمات کا لفظ جو اللہ کی طرف مضاف ہو پورے قرآنِ کریم میں کہیں بھی ذاتِ خدا یا اُقنومِ علم کے معنی میں نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ تمام لغتِ عرب میں کہیں اس معنی میں استعمال نہیں ہوا پس اس لفظِ قرآنی سے یہ معنی مراد لینا بالکل غلط ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃُ اللہ کیوں کہا گیا:

کلمۃُ اللہ کا اطلاق حضرت مسیح علیہ السلام پر اس لئے ہے کہ وہ بغیر باپ بلا واسطہ نطفہ عام عادتِ الٰہی کے برعکس محض اللہ تعالیٰ کے امر یعنی کلمہ کُن سے پیدا ہوئے تو ان کیلئے ایک طرح زائد خصوصیت نکلی ورنہ ساری مخلوق اسی کلمہ کے واسطہ سے پیدا ہوئی ہے اور یہ استعمال لغت میں بہت ہی متداول ہے جیسے مخلوق پر خلق کا' مقدور پر قدرت کا' مصدر جو پر زجا کا اور مُشتَہی پر شہوت کا اطلاق ہوتا ہے۔(۱)

---

(۱) قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے کلمۃ اللہ کا لفظ بولا ہے اس سے مسیحیت کو جو غلط فہمی ہوئی ہے اسکا پس منظر جاننا بہت ضروری ہے۔ دراصل موجودہ مسیحیت توحید خالص کی بجائے تثلیث فی التوحید پر ایمان رکھتی ہے یعنی خدا ایک تو ہے مگر اسکی وحدت تین اقانیم (باپ' بیٹا' روح القدس) سے عبارت ہے۔ باپ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن اسکی صفتِ علم وکلام اور صفتِ حیات سے قطع نظر کر لیا گیا ہے۔ بیٹے سے مراد خدا کی صفت کلام (Word of God) ہے۔ یہ صفت ایک مستقل جوہر علیحدہ ذات ہے جو باپ کی طرح قدیم وجاودانی ہے اسی صفت کے ذریعے تمام اشیاء وجود میں آئی ہیں۔ خدا کی یہی صفت یسوع مسیح ابن مریم کی انسانی شخصیت میں حلول کر گئی تھی جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں رہے یہ خدائی اقنوم اسکے جسم میں حلول کیے رہا۔ اس نظریے کو عقیدۂ حلول وتجسم (Incarnation) کہتے ہیں۔ جب قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃُ اللہ کہتا ہے تو مسیحی حضرات انتہائی خوش ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن نے مسیح کو کلمۃ اللہ کہہ کر ہمارے اس عقیدۂ حلول وتجسم کی تصدیق کر دی ہے یعنی کلمۃ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ مسیح میں تثلیث کا دوسرا اقنوم (کلمہ وکلام) حلول کر گیا ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ خود بائبل میں کلمہ وکلام کا لفظ خدا کی باتوں' خدا کے احکام کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ مصنفؒ نے اسکے کئی شواہد ذکر کیے ہیں اور مسیحیوں کا من گھڑت نظریہ بائبل میں کہیں بھی مذکور نہیں اور لغت کی کسی کتاب میں بھی یہ خود ساختہ معنیٰ موجود نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمام مسلم مفسرین کا اتفاق ہے کہ آیتِ قرآنی وکلمتہٗ القاھا الی مریم سے مراد یہی ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے حکم کلمہ کُن سے پیدا ہوئے یعنی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے امر اور قدرتِ کاملہ سے انکو مریمؑ کے پیٹ سے بے باپ پیدا کر دیا۔ مولانا حقانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں "کلمہ اصطلاح میں اس لفظ کو کہتے ہیں کہ جو کسی معنیٰ مفرد کیلئے وضع کیا جاوے خواہ وہ اسم ہو خواہ فعل خواہ حرف اس صورت میں کلمہ کُن یعنی "ہو جا" بھی کلمہ ہے کیونکہ صیغہ امر ہے اور اگر اسکے فاعل انت کا لحاظ کر لیا جاوے تو یہی کلام بھی ہو جاوے گا کیونکہ کلمات سے مرکب کا نام کلام ہے بشرطِ اسناد۔ اس تقدیر پر کلمہ اور کلام تھا میں کچھ فرق نہ رہا مگر اس کلمہ یا کلام سے یہ کلمہ وکلام مراد نہیں جو زبان سے ادا کئے جاتے ہیں بلکہ کلام نفسی اور امر تکوینی جو اسکا ایک وصف یعنی خدا تعالیٰ نے کُن کہا اور اس کلمہ یعنی حکم کو مریمؑ کی طرف ڈالا جس سے حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ (باقی اگلے صفحہ پر

لفظِ کلمہ کا اطلاق بائبل میں:

کلمۃُ اللّٰہ اور کلمۃ الرب کے الفاظ بائبل میں بکثرت کلامِ خدا اور حکمِ خدا کے معنی میں آئے ہیں۔

(۱) زبور ۳۳ آیت ۶ عربی ترجمہ میں یوں ہیں "بکلمۃ الرب تثبت السموات وبروح فیہ جمیع جنودھا" فارسی ترجمہ ۱۸۴۵ء میں ہے "آسمانہا بکلامِ خداوند وتمام عساکر آنہا بنفس دہانش

.... (تفسیر حقانی، مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی دہلویؒ، ج ۲، ص ۳۴۲، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)

حاصل یہ ہے کہ کسی بچے کی پیدائش میں دو عامل کارفرما ہوتے ہیں ایک نطفہ دوسرا حکمِ الٰہی کلمۂ کن۔ حضرت عیسیٰ ؑ کے معاملہ میں پہلے عامل (نطفہ) کا کوئی دخل نہیں تھا اس لئے دوسرے عامل کی طرف نسبت کر کے آپ ؑ کو کلمۃ اللّٰہ کہا گیا ہے یعنی آپ مادی اسباب کی بجائے صرف کلمۂ کن سے پیدا ہوئے۔ تیسری بات یہ ہے کہ کلامِ عرب میں مجازِ مرسل کے بہت سے علاقات ہیں مثلاً سببیت، مسببیت، کلیت، جزئیت، محلیت، حالیت وغیرہ۔ انکی تفصیل تو علم بیان کا موضوع ہے یہاں اتنی بات جان لینا کافی ہے کہ عربی میں سبب کا اطلاق مسبب پر ہوتا رہتا ہے اور یہ بہت عام ہے۔ مشہور عربی شاعر متنبی کے شعر میں ہے لہ ایادٍ علیّ سابغۃ "اسکے مجھ پر بہت احسانات ہیں" یہاں لفظ ید کا اصل معنی ہاتھ (عضوِ انسانی) ہے مگر مراد احسان ونعمت ہے۔ کیونکہ ہاتھ نعمتوں کے بخشنے کا عام طور پر سبب بنتا ہے اس لئے ید (سبب) بول کر نعمت (مسبب) مراد ہے۔ عربی میں خلق بول کر مخلوق مراد ہوتا ہے مقدور بول کر قدرت مراد ہوتا ہے وغیرہ اسی طرح یہاں کلمہ بول کر وہ حکم مراد ہے جو بواسطہ جبریلؑ حضرت مریمؑ پر القا کیا گیا۔ اسکی ایک آسان مثال یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کا اپنے متعلق ارشاد ہے انا دعوۃُ ابراھیم (الحدیث) یعنی میں عبری خاندان کے سربراہ اولوالعزم انبیاء کرام علیہم السلام کے جدِ امجد موحدِ اعظم اور اپنے پدر بزرگوار حضرت ابراہیم ؑ کی دعا ہوں۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ دعا نہ تھے بلکہ دعا کا جواب تھے۔ چونکہ دعاءِ ابراہیمی آپ ﷺ کی تشریف آوری کا ایک سبب بنی اس لئے آپ ﷺ پر دعا کا اطلاق کر دیا گیا ٹھیک اسی طرح حضرت عیسیٰ ؑ کی ولادت کا سبب کلمۂ کن بنا اس لئے اس اسلوبِ عربی کے مطابق آپکو کلمۃ اللّٰہ کہا گیا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے ولا تقولوا ثلٰثۃ الخ (النساء آیت ۱۷۱) کہہ کر مسیحیت کے تثلیث فی التوحید کے تصور کو مکمل طور پر رد کر دیا ہے اور لقد کفر الذین قالوا اِنّ اللّٰہ ثالث ثلٰثۃ الخ (المائدہ آیت ۷۳) لقد کفر الذین قالوا اِنّ اللّٰہ ھو المسیح ابنُ مریم الخ (المائدہ آیت ۷۲) وغیرہ کہہ کر مسیحی عقیدہ کے کفر وضلال ہونے پر مہر لگا دی ہے۔ اسکے باوجود قرآنی لفظ "کلمۃ اللّٰہ" کو اپنا خود ساختہ مطلب پہنانا کہاں کا انصاف ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشادِ قرآنی ہے اِنّ الذین یُلحدون فی آیاتنا لایخفون علینا الخ (حٰم السجدہ آیت ۴۰) ومن یُرِد فیہ بالحادٍ بظلمٍ نُذقہ مِن عذابٍ الیم (الحج آیت ۲۵)

ساختہ شدند" اردو ترجمہ ۱۸۴۳ء میں یوں ہے "خداوند کے کلام سے آسمان بنے اور انکے سارے لشکر اسکے منہ کے دم سے" (۱)

(۲) تواریخ اول باب ۱۷ آیت ۳ عربی ترجمہ میں یوں ہے "فلما کان فی تلک اللیلہ حلّت کلمۃ اللّٰہ علی ناثان النبی" فارسی ترجمہ ۱۸۳۹ء میں ہے "درہمان شب چنیں اتفاق افتاد کہ کلامِ خداوند بہ ناثان رسید" (۲)

(۳) ہوسیع باب ۱ آیت ۱، ۲ عربی ترجمہ میں یوں ہے "کلمۃ الرب التی صارت الی ہوشع ..... بدؤ کلمۃ الرب بہوشع کذا و کذا" اردو ترجمہ ۱۸۴۳ء میں یوں ہے "خداوند کا کلام بیری کے بیٹے ہوسیع کے پاس پہنچا...... خداوند کے کلام کا شروع جو ہوسیع کے وسیلہ سے آیا یوں ہے" فارسی ترجمہ اردو ترجمہ کے مطابق ہے۔ (۳)

(۴) لوقا باب ۳ آیت ۲ عربی ترجمہ ۱۶۷۱ء، ۱۸۲۱ء میں یوں ہے "حلّت کلمۃ الرب علی یوحنا بن زکریا فی البریہ" عربی ترجمہ ۱۸۱۶ء میں یوں ہے "اتت کلمۃ اللہ الی یحییٰ بن زکریا فی البریہ" اردو ترجمہ ۱۸۴۰ء، ۱۸۴۳ء میں یوں ہے "خدا کا کلام بیابان میں یحییٰ کے

(۱) عربی ترجمہ مطبوعہ لبنان ۱۹۹۵ء میں یوں ہے "بکلمتہ صنعت السماوات وبنسمۃ من فمہ کل افلاکہا" فارسی ترجمہ ۱۹۸۷ء میں یوں ہے "بکلامِ خداوند آسمانہا ساختہ شد و کل جنود آنہا بنفخہ دہانِ او" اردو ترجمہ (کتابِ مقدس) میں یوں ہے "آسمان خداوند کے کلام سے اور انکا سارا لشکر اسکے منہ کے دم سے بنا" انگریزی تراجم بھی انکے مطابق ہیں۔ دیکھئے اکلمہ اور کلام کا لفظ "حکمِ خدا" کے معنی میں آیا ہے۔

(۲) موجودہ عربی ترجمہ میں یوں ہے "لکن فی تلک اللیلۃ قال الرب لناثان" فارسی ترجمہ میں یوں ہے "ودرآں شب واقع شد کہ کلام خدا بناثان نازل شدہ گفت" اردو ترجمہ (کتابِ مقدس) میں یوں ہے "اور اسی رات ایسا ہوا کہ خدا کا کلام ناتن پر نازل ہوا" دیکھئے اکلمہ اور کلام کا لفظ "کلام خدا" یعنی خدا کی باتوں کے معنی میں آیا ہے۔

(۳) موجودہ عربی ترجمہ میں یوں ہے "ہذہ کلمۃ الرب التی کلّم بہا ہوشع بن بیری ...... لما بدأ الرب یتکلم بلسان ہوشع قال الرب لہوشع" فارسی ترجمہ میں یوں ہے "کلامِ خداوند بر ہوشع بن بئیری نازل شدہ...... ابتدائی کلام خداوند بہوشع خداوند بہوشع گفت" اردو ترجمہ (کتابِ مقدس) میں یوں ہے "خداوند کا کلام ہوسیع بن بیری پر نازل ہوا...... جب خداوند نے شروع میں ہوسیع کی معرفت کلام کیا تو اسکو فرمایا"

بیٹے زکریا کو پہنچا'' جاننا چاہیئے کہ ان دونوں تراجم میں عبارت یوں ہے ''یحیٰی کے بیٹے زکریا کو'' حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ یوں ہونا چاہیئے کہ زکریا کے بیٹے یحیٰی کو پہنچا یا لفظ ''یحیٰی'' کے بعد لفظ ''کے'' نہ ہونا چاہیئے۔(۱) فارسی ترجمہ ۱۸۱۶ء ۱۸۲۸ء ۱۸۴۱ء میں یوں ہے ''کلام خدا نازل شد بہ یحیٰی بن زکریا در بیابان''(۲)

(۵) رسولوں کے اعمال باب ۴ آیت ۳۱ عربی ترجمہ میں یوں ہے ''وطفقوا یتکلمون بکلمة الله بطمانینة'' اردو ترجمہ ۱۸۴۴ء میں یوں ہے ''اور خدا کی بات دلیری سے کہنے لگے'' فارسی ترجمہ میں ہے ''وکلام خدا را بجرأت می گفتند''(۳)

(۶) رسولوں کے اعمال باب ۶ آیت ۲ و ۷ عربی ترجمہ میں یوں ہے ''فدعا الاثنا عشر جميع محفل التلامیذ وقالوا لیس بحسن ان نترک نحن کلمة الله ونخدم الموائد....... وکانت کلمة الرب تنتشر الخ''(۴) اردو ترجمہ میں یوں ہے ''تب ان بارہ رسولوں نے سب

(۱) ان دونوں مترجموں نے باپ کو بیٹا اور بیٹے کو باپ بنا دیا۔ عبارت درست ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ یوں کہا جائے ''خداوند کا کلام بیابان میں زکریا کے بیٹے یحیٰی کو پہنچا'' دوسری صورت یہ ہے کہ یوں کہا جائے ''خداوند کا کلام بیابان میں یحیٰی بیٹا زکریا کو پہنچا''

(۲) موجودہ عربی ترجمہ میں یوں ہے ''کانت کلمة الله الی یوحنا بن زکریا فی البریة'' فارسی ترجمہ میں یوں ہے ''کلام خدا بہ یحیٰی بن زکریا در بیابان نازل شدہ'' اردو ترجمہ (کتاب مقدس) میں یوں ہے ''اس وقت خدا کا کلام بیابان میں زکریاہ کے بیٹے یوحنا پر نازل ہوا'' انگریزی تراجم میں Word of God کے الفاظ ہیں۔

(۳) موجودہ عربی ترجمہ میں یوں ہے ''فاخذوا یعلنون بکلمة الله بجرأة'' فارسی ترجمہ میں یوں ہے ''کلام خدا را بدلیری مے گفتند'' اردو ترجمہ (کتاب مقدس) میں یوں ہے ''اور خدا کا کلام دلیری سے سناتے رہے'' انگریزی تراجم میں Word of God کے الفاظ آئے ہیں۔

(۴) موجودہ عربی ترجمہ میں یوں ہے ''فدعا الرسل الاثنا عشر جماعة التلامیذ وقالوا لهم لا یلیق بنا ان نهمل کلام الله لنهتم بامور المعیشة ..... وکان کلام الله ینتشر الخ'' فارسی ترجمہ میں یوں ہے ''پس آں دوازدہ جماعت شاگرداں را طلبیدہ گفتند شایستہ نیست کہ ما کلام خدا را ترک کردہ مائدہ ہا را خدمت کنیم ...... وکلام خدا ترقی نمود'' موجودہ اردو ترجمہ (کتاب مقدس) میں یوں ہے ''اور ان بارہ شاگردوں کی جماعت کو اپنے پاس بلا کر کہا مناسب نہیں کہ ہم خدا کے کلام کو چھوڑ کر کھانے پینے کا انتظام کریں...... اور خدا کا کلام پھیلتا رہا''

مریدوں کو بلا کے کہا مناسب نہیں کہ ہم خدا کی بات کو چھوڑ کے میز کی خدمت کریں......اور خدا کی بات پھیل گئی'' فارسی ترجمہ بھی اسکے مطابق ہے۔

(۷) رسولوں کے اعمال باب ۱۲ آیت ۲۴ یوں ہے "وکلمة الله كانت تذاع وتنشو الخ" اردو ترجمہ میں ہے ''لیکن خدا کا کلام پھیل کے بڑھ گیا'' فارسی ترجمہ بھی اسکے مطابق ہے۔(۱)

(۸) رسولوں کے اعمال باب ۱۳ آیت ۵، ۷، ۴۴، ۴۶ عربی ترجمہ میں یوں ہے "فلما انتهيا الى سلامينا جعلا يبشران بكلمة الله في مجامع اليهود ...... وكان يريد ان يسمع كلمة الله .... ولما كان السبت الاخر اجتمعت نحو كل المدينه ليسمعوا كلمة الله ...... فقال لهم بولس وبرنابا انه كان ينبغي ان يقال كلمة الله لكم اولاً الخ" اردو ترجمہ میں یوں ہے ''اور سالامی شہر میں پہنچ کے یہودیوں کی عبادت گاہوں میں خدا کے کلام کا وعظ کرنے لگے......چاہا کہ خدا کا کلام سنے......دوسرے سبت کے دن کو قریب سارے شہر کے باہم آئے تا کہ خدا کا کلام سنیں......تب پاول اور برنباہ نے دلیری کر کے کہا ضرور تھا کہ خدا کا کلام پہلے تم سے کہا جاتا'' فارسی ترجمہ بھی اسکے مطابق ہے۔(۲)

(۹) یوحنا کا پہلا خط باب ۲ آیت ۱۴ عربی ترجمہ میں یوں ہے " كتبت اليكم ايها الشباب

---

(۱) موجودہ عربی ترجمہ میں یوں ہے "وكان كلام الله ينتشر ويثمر" فارسی ترجمہ میں یوں ہے "اما کلام خدا نمو کردہ ترقی یافت" اردو ترجمہ (کتاب مقدس) میں یوں ہے ''مگر خدا کا کلام ترقی کرتا اور پھیلتا گیا''

(۲) موجودہ عربی ترجمہ میں یوں ہے "فلما وصلا الى سلاميس بشرا بكلام الله في مجامع اليهود ...... وطلب اليهما ان يسمع كلام الله ...... وفي السبت القادم احتشد اهل المدينه ليسمعوا كلام الرب ...... فقال بولس وبرنابا بجرأة كان يجب ان نبشر كم انتم اولاً بكلمة الله" فارسی ترجمہ میں ''کلام خدا'' اور اردو ترجمہ میں ''خدا کا کلام'' کے الفاظ آئے ہیں۔ اردو عبارت یوں ہے ''اور سلمیس میں پہنچ کر یہودیوں کے عبادت خانوں میں خدا کا کلام سنانے لگے......اس نے برنباس اور ساؤل کو بلا کر خدا کا کلام سننا چاہا......دوسرے سبت کو تقریباً سارا شہر خدا کا کلام سننے کو اکٹھا ہوا......پولس اور برنباس دلیر ہو کر کہنے لگے ضرور تھا کہ خدا کا کلام پہلے تمہیں سنایا جائے'' اور انگریزی تراجم میں Word of God بولا گیا ہے۔

انکم اشدا و کلمة الله حالة فیکم" اردو ترجمہ میں ہے "اے جوانوں میں نے تمہیں لکھا ہے کہ تم دلیر ہو اور خدا کی بات تم میں رہتی ہے" فارسی ترجمہ بھی اسکے مطابق ہے(۱)

اسی طرح اور مقامات میں ہے پس عہدِ عتیق وجدید کی ان تمام آیات میں کلمة الله اور کلمة الرب کلامِ خدا کے معنی میں آیا ہے۔

پادری صاحب کی بقیہ عبارت کا رد:

پادری صاحب کا قول "لہٰذا قرآن نے بھی الخ" (۲) قرآن سے ان صفاتِ مذکورہ کے سبب پادری صاحب کی اپنی مزعومہ فضیلت سمجھنا خطا ہے بلکہ قرآن تو بن باپ ہونے میں آدم علیہ السلام کو فضیلت دیتا ہے کیونکہ انکی ماں بھی نہ تھی۔ بنی نجران کے عیسائی جب حضرت ﷺ کے پاس مدینہ میں مباحثہ کو آئے تھے اور انہوں نے جناب مسیح علیہ السلام کی الوہیت اور ابن اللہ ہونے پر بن باپ پیدا ہونے سے دلیل پکڑی تھی تب اللہ تعالیٰ نے انکے رد میں یوں فرمایا اِنَّ مَثَلَ عِیسٰی عِندَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُن فَیَکُونُ (آلِ عمران آیت ۵۹) "عیسیٰ کی مثال (پیدائش عجیب میں اسکا حال) اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی۔ بنایا اسکو (یعنی آدم کو) مٹی سے پھر کہا اسکو ہو جا پس وہ ہو گیا" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حالت کو حضرت آدم علیہ السلام کی حالت پر قیاس کر لو! جب آدم علیہ السلام بن باپ اور بغیر ماں پیدا ہونے سے ابن اللہ اور الٰہ نہ ہوں تو عیسیٰ علیہ السلام فقط بن باپ پیدا ہونے سے کس طرح ابن اللہ اور الٰہ ہو گئے (۳) اس دلیل مزخرف

---

(۱) موجودہ عربی ترجمہ میں یوں ہے "کتبت الیکم ایھا الشبان لانکم اقویاء ولان کلمة الله ثابتة فیکم" فارسی ترجمہ میں آخری جملہ یوں ہے "وکلام خدا در شما ساکن است" اردو ترجمہ (کتابِ مقدس) میں یوں ہے "اے جوانو! میں نے تمہیں اس لئے لکھا ہے کہ تم مضبوط ہو اور خدا کا کلام تم میں قائم رہتا ہے" انگریزی تراجم میں وہی Word of God کے الفاظ ہیں۔

(۲) پادری صاحب نے اپنی ترمیم شدہ دوسری عبارت میں کہا تھا کہ قرآن نے بھی کلمة الله کہہ کر مسیح کو سب آدمیوں اور سارے پیغمبروں پر فوقیت دی ہے اور انکی الوہیت کے مرتبہ کا اشارہ کیا ہے مولانا اسکا جواب دے رہے ہیں۔

(۳) دوسری جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق مفصل گفتگو اور دفع شبہات کے بعد ارشاد ہے ذٰلِکَ عِیسَی ابنُ مَریَمَ قَولَ الحَقِّ الَّذِی فِیهِ یَمتَرُونَ مَا کَانَ لِلّٰهِ اَن یَّتَّخِذَ مِن وَّلَدٍ سُبحٰنَهٗ اِذَا قَضٰی اَمرًا فَاِنَّمَا یَقُولُ لَهٗ کُن فَیَکُونُ وَاِنَّ اللّٰهَ

کا عقلی و نقلی بیان تیسری تنبیہ میں مسیحی عقیدہ اجماعیہ کے رد میں اور برہان چہارم میں گذرا ہے۔

رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (مریم آیت ۳٤ تا ۳۷) ''یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں اور یہ وہ سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ہے جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے اور بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے سو اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے پھر مختلف فرقوں نے باہم اختلاف کیا سو جو لوگ کافر ہوئے ہیں اُنکے لئے بڑے دن کی آمد پر بڑی خرابی ہے'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو ہمیشہ گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح اصول اسلام یعنی توحید، رسالت، آخرت کی تعلیم دی۔ چنانچہ قیامت کے دن تثلیثیوں کے مقدمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس طرح اپنی صفائی دیکر اظہار برأت کرینگے ''وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ'' (المائدہ آیت ۱۱٦، ۱۱۷) ''اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب خدا فرمائیگا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنالو؟ وہ عرض کرینگے کہ تو پاک ہے میرے لئے یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔ اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور اسکا علم ہوتا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے اسے میں نہیں جانتا۔ بے شک تو ساری پوشیدہ چیزوں سے واقف ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اسکے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے وہ یہ کہ تم خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے (دنیا سے) اٹھا لیا تو تُو انکا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے'' یہی مضمون بائبل میں بھی وارد ہے اور قرآنی ارشاد کی پوری پوری تائید ملتی ہے چنانچہ لکھا ہے ''اُس دن بہتیرے مجھ سے کہیں گے اے خداوند اے خداوند! کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھائے؟۔ اُس وقت میں ان سے صاف کہدونگا کہ میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی۔ اے بدکارو میرے پاس سے چلے جاؤ۔ پس جو کوئی میری یہ باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے وہ اس عقلمند آدمی کی مانند ٹھہریگا جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا۔ اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر پر ٹکریں لگیں لیکن وہ نہ گرا کیونکہ اسکی بنیاد چٹان پر ڈالی گئی تھی۔ اور جو کوئی میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ اُس بیوقوف آدمی کی مانند ٹھہریگا جس نے اپنا گھر ریت پر بنایا۔ اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر کو صدمہ پہنچایا اور وہ گر گیا اور بالکل برباد ہو گیا'' (متی باب ۷ آیت ۲۲ تا ۲۷) بلاشبہ یہ ایک سچی حقیقت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی باتوں میں صرف توحید کا سبق ملتا ہے اور تثلیث کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص خالص توحید بلا تثلیث کا عقیدہ رکھتا ہے وہی حقیقت میں انکی باتوں کو سننے والا، عمل کرنے والا، چٹان پر گھر بنانے والا (باقی اگلے صفحہ پر.................

انکا قول کہ ''قرآن میں جابجا مسیح کی الوہیت کا انکار ہے'' الخ (۱) یہ بہت سچ ہے لیکن اعتراض کی تقریر پوری نہیں کی۔ انہیں یوں کہنا چاہیے تھا کہ جب و کلمتهٗ القاھا الیٰ مریمَ وروحٌ منه کے آگے پیچھے الوہیتِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ رکھنے والوں پر سرزنش ہے' اس آیت کے علاوہ تمام قرآن میں جابجا الوہیتِ مسیح علیہ السلام کا انکار ہے' سارے قرآن میں کلمة الله یا کلمة الرب کا لفظ کلامِ خدا اور حکم خدا کے معنی میں آیا ہے اور لفظِ روح جو خدا کی طرف مضاف ہو کہیں بھی ذاتِ خدا کے معنی میں نہیں لہٰذا اس قول سے جناب مسیح علیہ السلام کی الوہیت سمجھنا تعصب ہے۔

پادری صاحب کی انتہائی جسارت:

انکا قول کہ ''بغیر جانے بوجھے ہمارے مطلب کی گواہی دے دی الخ'' (۱) یہ بالکل فضول ہے کیونکہ پادری صاحب نے ان آیات کو مسلمانوں کیلئے دلیلِ الزامی کے طور پر نقل کیا ہے جیسا کہ عبارتِ مذکورہ سے تین سطروں بعد فرماتے ہیں ''یہ آیات ہم نے صرف محمدیوں کی خاطرداری کیلئے ذکر کی ہیں'' دلیلِ الزامی میں یہ شرط ہوتی ہے کہ کسی اور طرح سے نہیں بلکہ فریق مخالف کی تسلیم شدہ

.... عقلمند آدمی ہے اور جو کوئی انکی توحیدی تعلیمات کے برعکس تثلیث وصلیب کا پجاری ہے وہ انکی باتوں سے غفلت کرنے والا انکی ہدایات کو عمل میں نہ لانے والا' ریت پر گھر بنانے والا' بالکل برباد ہونے والا بے وقوف آدمی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو یہی کچھ فرمایا ہے کہ ''اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے'' اور فرمایا ''تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر'' (متی ۴:۱۰' لوقا ۴:۸) یعنی اے بنی اسرائیل صرف اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے اور اسکے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرو۔ قرآن مجید بھی انکی دعوت کا خلاصہ یہی بتاتا ہے۔

(۱) پادری صاحب نے اپنی ترمیم شدہ دوسری عبارت میں اپنے مزعومہ استدلال پر خود سے یہ اعتراض اٹھایا تھا کہ جب قرآن میں جابجا مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا انکار ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ محمد ﷺ نے مسیح علیہ السلام کے خدا ہونے کی گواہی دی ہو۔ مولانا اس پر تعاقب کر رہے ہیں کہ انہوں نے اعتراض کی تقریر نامکمل کر کے مغالطہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اعتراض کی درست اور پوری تقریر یوں ہونی چاہیے الخ مصنف کو دلائل قائم کرنے اور فن مناظرہ میں جو زبردست ملکہ حاصل ہے اسکا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۲) پادری صاحب نے اپنے من گھڑت استدلال پر اعتراض اٹھا کر یہ جواب دیا تھا کہ ہم تو مسیح کو اپنی بائبل میں مذکور دلائل کی وجہ سے خدا سمجھتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ نے مسیحیوں سے دلائل سن کر ہماری خاطرداری کیلئے قرآن میں لکھ دیے اور کچھ سمجھے بغیر ہماری بات کہہ دی نعوذ باللہ مولانا اس پر خوب رد کر رہے ہیں۔

بات پر الزام ہو۔ تمام اہل اسلام قرآن کریم کو وحی الٰہی سمجھتے ہیں کہ جبریلؑ کی وساطت سے حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا اور حضرت محمد ﷺ کے واسطے سے ایک لفظ بھی گھٹائے یا بڑھائے بغیر ہم تک پہنچا اور قرآنی نظم و عبارت کو حضرت محمد ﷺ یا کسی اور کی تالیف نہیں جانتے اسی معنی میں اس نظم کو کلام اللہ کہتے ہیں لہٰذا اس صورت میں پادری صاحب کو چاہیئے کہ لفظِ محمد کی جگہ لفظِ اللّٰہ بدل کر یوں فرمائیں کہ "اللہ تعالیٰ نے مسیحیوں سے یہ عبارت سن کر انکی خاطرداری کیلئے قرآن میں نازل کر دی اور بغیر جانے بوجھے ہمارے مطلب کی گواہی دے دی" اگر اس طرح فرمائیں گے تو مسلمانوں پر پورا الزام ہو جائیگا اور پادری صاحب کی دیانت کا انکو اعتقاد کامل ہو جائیگا اور جان لیں گے کہ پادری صاحب علم باری تعالیٰ کے متعلق اس طرح کا مکمل عقیدہ رکھتے ہیں (۱) اور اگر مان لیں کہ قرآن تالیفِ محمد ﷺ ہے نعوذ باللّٰہ تو بھی ان آیات کو مسلمانوں کی خاطرداری کیلئے بطورِ الزام نقل کرنا غلط ہے کیونکہ پادری صاحب کو خود اقرار ہے کہ کلمہ اور رُوح سے محمد ﷺ کی مراد خدا نہیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمان اسی معنی کو مانیں گے جو انکے پیغمبر کی مراد ہو لہٰذا محمد ﷺ کے کلام سے یہ اشارہ سمجھنا انکے نزدیک سمجھنے والے کی گمراہی ہے اور ناقابلِ تسلیم ہے اور یہ بات کیوں لغو نہ ہو مثلاً اگر میں بطورِ الزام کہوں کہ پادری صاحب نے اپنی تصنیفات میں کئی جگہ ہمارے پیغمبر ﷺ کو محمد کیساتھ تعبیر کیا ہے اور سورہ احزاب آیت ۴۰ پارہ ۲۲ رکوع ۲ میں خدا تعالیٰ صاف فرماتا ہے "محمد خدا کا رسول ہے اور خاتم النبیین ہے" (۲) اور اسی کے مطابق سب مسلمان بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور پادری صاحب بغیر جانے بوجھے محمد ﷺ کے رسول اللہ اور خاتم النبیین ہونے کی گواہی دیتے ہیں تو کیا اس بات پر مسیحی لوگ گرفت نہ کریں گے؟ یا کوئی شخص بت پرستوں کو الزام دینے کیلئے

---

(۱) جو لوگ خدا کی ذات میں عقیدہ توحید کو "تحلیلی تشریح" سے غارت کر سکتے ہیں وہ خدا کی صفات کے متعلق ایسی بات کہہ دیں تو کیا تعجب ہے۔

(۲) آیت قرآنی یوں ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا "محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں (کہ نبوت ان پر ختم ہوئی) اور خدا ہر چیز سے واقف ہے"

کہے کہ طاسطس نے جو بڑا فاضل رومی بت پرست تھا حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے رسول اور مسیح موعود ہونے کی گواہی دی ہے کیونکہ اس نے مسیحیوں کے احوال کے بیان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کرسطوس (Christ) کیساتھ تعبیر کیا ہے جیسا کہ اسکا حوالہ کتاب کے شروع میں ''پہلی بات'' کے تحت گذر چکا ہے اور کرسطوس یوحنا باب ۴ آیت ۲۵ کے مطابق ''مسیح'' کے معنی میں ہے حالانکہ وہ بے ایمان اس زمانہ میں رائج عیسوی مذہب کو خراب بتلاتا تھا تو کیا اس قائل پر بت پرست نہ ہنسیں گے؟ یا کوئی شخص یہودیوں کو الزام دینے کیلئے کہے جناب مسیح علیہ السلام کے ہم عصر مخالف یہود انکو ''یسوع'' کہتے تھے جیسا کہ یوحنا باب ۶ آیت ۴۲ میں مذکور ہے اور اسکا حوالہ ''برہان چہارم'' میں گذر چکا ہے(۱) اور یہ لفظ متی باب ۱ آیت ۲۱ کے مطابق گناہوں سے نجات دینے والے کے معنی میں ہے(۲) پس وہ بغیر جانے بوجھے گواہی دیتے تھے کہ مسیح گناہوں سے نجات دینے والا ہے حالانکہ وہ لوگ عیاذاً باللہ جناب مسیح علیہ السلام کو اپنی بے اعتقادی کے باعث جھوٹا نبی دغاباز اور کافر بتلاتے تھے تو کیا یہودی لوگ یہ بات سن کر لغو نہ سمجھیں گے؟

خاتمہ کلام:

اب پادری صاحب اور انکے معتقدین کی خدمت میں عرض ہے کہ جناب والا! جب آپکا حال یہ ہے کہ نہیں جانتے کہ علم صَرف کیا ہے؟ اور ایک سطر عبارت بھی درست نہیں لکھ سکتے ہو اور مطالب تفسیر سمجھنے کا تو کیا ذکر تو لِلّٰہ اِن چیزوں میں دخل نہ دیا کیجئے(۳) وگرنہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اور حل الاشکال سے صرف آپکا قول اور ان صاحب کا قول ذکر کرتا ہوں جو آپ کے اعتراف کے مطابق بڑے فاضل عربی فارسی اردو زبانوں کے ماہر ہیں اور کلکتہ ریویو(۴) سے

(۱) یوحنا باب ۶ کی آیت ۴۲ یوں ہے ''انہوں نے کہا یہ یوسف کا بیٹا یسوع نہیں جس کے باپ اور ماں کو ہم جانتے ہیں''

(۲) متی باب ۱ آیت ۲۱ کی وہ عبارت یوں ہے ''اسکے بیٹا ہوگا اور تو اسکا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو انکے گناہوں سے نجات دیگا''

(۳) کیونکہ یہ ''چھوٹا منہ بڑی بات'' والی بات ہے یا عربی محاورہ ''انفٌ فی الماء واستٌ فی السماء'' کا مصداق ہے۔

(۴) یہ کلکتہ سے ہر تین مہینے بعد چھپتا تھا اور اس عرصہ میں ہندوستان میں جو حالات پیش آتے انکا اس میں تذکرہ ہوتا تھا۔

آپ نے اسکے قول کو نقل کیا ہے اور آپ نے اور ان صاحب نے وہ کشف الاستار کے مصنف کے حق میں فرمائے ہیں میں انہی دو باتوں کو ادنیٰ تغیر کیساتھ نقل کر دیتا ہوں ماننا یا نہ ماننا آپکا اختیار ہے۔(۱)

پہلی بات آپکے اس قول کے مطابق جو حل الاشکال صفحہ ۵۰ پر درج ہے یوں ہے کہ پادری صاحب جو محمدی علوم سے ناواقف ہیں ان علوم کو نہ کبھی دیکھا اور نہ پڑھا یہاں تک کہ علم صَرف جو مبتدیوں کو پڑھایا جاتا ہے اسکے بارے میں بھی نہیں جانتے کہ کیا ہے؟ اور عربی کی ایک سطر بھی صحیح نہیں لکھ سکتے اور قرآن کو کلی ہی سے دیکھا ہے وہ بھی تعصب اور نکتہ چینی کی راہ سے نہ خدا سے ہدایت مانگی نہ کسی محمدی عالم فاضل سے قرآن کے معنی پوچھے اسکے باوجود گمان کرتے ہیں کہ میں قرآن کے مضمون کو محمدیوں سے بہتر جانتا ہوں میں نے ہی درست سمجھا ہے اور وہ سب غلط بیان کرتے ہیں تو یہ عین نادانی اور بے حد مغروری ہے۔

دوسری بات اس صاحب کے قول کے مطابق جو حل الاشکال صفحہ ۹ پر منقول ہے(۲) یہ ہے

(۱) لکھنؤ کے ایک فاضل سید محمد ہادی نے پادری فنڈر کے رد میں ایک کتاب کشف الاستار کے نام سے لکھی جس کے جواب میں پادری صاحب نے حل الاشکال لکھی جس کے صفحہ ۵۰ پر مصنف کشف الاستار پر طعن کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہ مصنف جو مسیحی علوم سے محض ناواقف ہے اُن کتابوں کو اُس نے نہ دیکھا نہ پڑھا اور انجیل کو صرف کلی ہی سے دیکھا ہے سو وہ بھی تعصب اور نکتہ چینی کی راہ سے اور نہ خدا سے ہدایت مانگی نہ کسی مسیحی عالم و فاضل سے انجیل کے معانی پوچھے ہیں معہذا کہتا اور گمان کرتا ہے کہ میں انجیل کے مضمون کو مسیحیوں سے بہتر جانتا ہوں میں نے ہی درست سمجھ لیا ہے اور وہ سب خلاف بیان کرتے ہیں یہ تو عین نادانی اور بے حد مغروری ہے" مولانا نے بڑی متانت کیساتھ تھوڑا سا تغیر کر کے یہی عبارت پادری صاحب کو لوٹا دی ہے کہ اسکا اصل مصداق تو آپ ہی ہیں لہٰذا اپنی قیمتی سوغات واپس لے لیجیے۔

(۲) اس صفحہ کی عبارت یوں ہے "شاید مولوی صاحب ایسی باتوں سے اپنی ملت میں اور ناواقفوں کے نزدیک کچھ مدت تک اپنے لئے ایک نام پیدا کریں مگر جب معلوم و آشکارا ہوگا کہ یہ بات تعصب اور نادانی سے نکلی ہے تو آخراً اسکی بے اعتباری و بدنامی کا باعث ہوگی۔ ہماری صلاح یہ ہے کہ مولوی صاحب لکھنؤ کے مارٹیر مدرسہ میں طالب علمی کر کے یونانی اور عبرانی زبان خوب سیکھیں اسکے بعد ترجمہ کے باب میں بات کرنے کے قابل ہونگے" مولانا نے نہایت ادب کیساتھ تھوڑا سا تصرف کر کے پادری صاحب کی یہ عبارت خود اُن پر چسپاں کی ہے اور انکو احساس دلایا کہ اس مشہور مقولہ کا مصداق نہ بنیں "خود را فضیحت دیگراں را نصیحت"

کہ شاید پادری صاحب ایسی باتوں سے اپنی ملت میں اور ناواقفوں کے نزدیک کچھ مدت تک اپنے لئے ایک نام پیدا کرینگے مگر جب معلوم ہوگا کہ یہ بات تعصب اور نادانی سے نکلی ہے تو آخر انکی بے اعتباری اور بدنامی کا باعث ہوگی۔ ہماری صلاح یہ ہے کہ مدرسہ اکبر آباد میں داخلہ لیکر عربی زبان، علم صرف، نحو، معانی اور بیان خوب سیکھیں۔ اسکے بعد قرآن کے معانی اور بیضاوی و کشاف کے مطالب سمجھنے کے سلسلہ میں بات کرنے کے قابل ہو سکتے۔(۱) فقط

تمت

ولله الحمد اوّله وآخره وظاهره وباطنه علىٰ ما هدانا للاسلام وما كنا لنهتدي اليه لولا ان هدانا الله وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه وصفوة رسله وامام انبياءه محمد خاتم النبيين وسيد المرسلين عليه وعليهم صلوات الله وسلامه وعلىٰ آله واصحابه اجمعين ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم آمين برحمتك يا ارحم الراحمين

---

(۱) مولانا نے ازالۃ الشکوک ص ۵۲ پر اپنے دوست ڈاکٹر محمد وزیر خاں کی زبانی پادری صاحب سے تیسری بات بھی گذارش کی ہے تاکہ مسیحی تثلیث کے عدد مبارک کیساتھ موافقت دیکھ کر پادری صاحب مطمئن ہو جائیں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں "اب ہم آپکو نیک نوع ہونے کے سبب کچھ سمجھاتے ہیں اور امیدوار ہیں کہ آپ اسے مانیں اور وہ یہ ہے کہ آیندہ کو آپ کسی مسلمان سے ہرگز نہ الجھیں کیونکہ جب آپ سے جواب نہیں بن پڑتا تو آپ کو آئیں بائیں شائیں کہنا ہوتا ہے اس پر لوگ ہنستے اور کہتے ہیں کہ پادری صاحب خط کا جواب تو نہیں لکھتے بلکہ اپنی نوکری کا کام بجالاتے اور چاہتے ہیں کہ کمیٹی یہ جانے کہ پادری صاحب ایک کام میں لگے ہوئے ہیں مبادا تنخواہ میں خلل آوے اور ایسا نہ ہو کہ جیسا کلیسا لوتھرین سے چرچ آف انگلنڈ میں داخل ہونا پڑا ویسا ہی کہیں رومن کیتھولک کی طرف بھی التجا کرنی پڑے۔ لہذا آپکو مناسب ہے کہ اپنی قوم کے لوگوں کو کلیسوں میں جمع کرکے وعظ اور نصیحت کیا کریں اور کسی طرف طعن اور تشنیع سے پیش نہ آئیں۔ آگے آپ مختار ہیں جیسا چاہیں ویسا کریں ہم نے جو حق تھا سو کہہ دیا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ لوگ آپکو ایسا سمجھیں گو حقیقت میں آپ کیسے ہی ہوں"

کتابیات (مصادر و مراجع)

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ اظہار الحق (عربی) مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، ریاض، ادارة البحوث العلمیه

۳۔ ازالة الشکوک، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، مدراس، مطبع مجیدیہ، ۱۹۰۲ء

۴۔ ازالة الاوہام، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، شاہجہان آباد، سید المطابع، ۱۸۲۸ء

۵۔ اعجازِ عیسوی، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۸ء

۶۔ المناظرة الکبریٰ، ڈاکٹر عبد القادر خلیل ملکاوی، مکہ مکرمہ، مطابع الصفاء، ۱۹۹۰ء

۷۔ ایک مجاہد معمار، مولانا محمد سلیم، مکہ مکرمہ، مدرسہ صولتیہ، ۱۹۵۲ء

۸۔ آباءِ کلیسیا، فیروز خان ناراڈ، لاہور، پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

۹۔ آخری نبی اور توراتِ موسوی، مولانا بشیر احمد حسینی، کراچی، مکتبہ نوریہ ۱۹۸۶ء

۱۰۔ بائبل سے قرآن تک، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۲۰۰۲ء

۱۱۔ بین الاسلام والمسیحیه، ابو عبیدہ الخزرجی، قاہرہ، مکتبہ وہبہ، ۱۹۷۶ء

۱۲۔ تفسیر روح المعانی، علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ

۱۳۔ تفسیرِ ماجدی، مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۹۸ء

۱۴۔ تفسیرِ حقانی، مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی دہلویؒ، کراچی، میر محمد کتب خانہ

۱۵۔ تفسیرِ عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، لاہور، مکتبہ سید احمد شہید

۱۶۔ تفسیر الکتاب، ولیم میکڈونلڈ، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ، ۲۰۰۲ء

۱۷۔ تفسیر الکتاب، میتھیو ہینری، لاہور، چرچ فاؤنڈیشن سیمنارز، ۲۰۰۵ء

۱۸۔ تحریفِ بائبل بزبانِ بائبل، مولانا عبد اللطیف مسعودؒ، ملتان، مجلس تحفظ ختم نبوت، ۲۰۰۲ء

۱۹۔ تاریخِ کلیسا، جان۔سی دوائیا، کراچی، کیتھولک کل سوسائٹی، ۱۹۹۷ء

۲۰۔ تاریخِ کلیسیائے پاکستان، ایس۔کے۔داس، حیدر آباد، بشپ ہاؤس، ۲۰۰۱ء

۲۱۔تاریخ اصلاحِ کلیسا، پادری خورشید عالم، اسلام آباد، کرسچن بک سروس، ۲۰۰۴ء

۲۲۔ترجمہ تالمود، اسٹیفین بشیر، گوجرانوالہ، مکتبہ عناویم، ۲۰۰۳ء

۲۳۔رحمۃ للعالمین ﷺ مولانا سلیمان سلمان منصور پوریؒ، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۸ء

۲۴۔رسولوں کے نقشِ قدم پر، ولیم جی۔ ینگ، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۱۹۹۸ء

۲۵۔سیرۃ المصطفیٰ ﷺ مولانا محمد ادریس کاندہلویؒ، دہلی، فرید انٹر پرائزرز، ۲۰۰۱ء

۲۶۔سیرۃ النبی ﷺ علامہ شبلی نعمانیؒ وسید سلیمان ندویؒ، لاہور، الفیصل ناشران

۲۷۔سنن ابی داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانیؒ، کراچی، قدیمی کتب خانہ آرام باغ

۲۸۔عہدِ عتیق کا تاریخی سفر، سموئیل جے۔ شلٹز، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۲۰۰۵ء

۲۹۔عیسائیت (تجزیہ وتنقید) پروفیسر ساجد میر، لاہور، دارالسلام

۳۰۔فیروز اللغات، مولوی فیروز الدین، لاہور، فیروز سنز، ۲۰۰۵ء

۳۱۔قاموس الکتاب، پادری ایف۔ ایس۔ خیر اللہ، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۲۰۰۱ء

۳۲۔قصص القرآن، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، کراچی، دارالاشاعت

۳۳۔کتابِ مقدس (پروٹسٹنٹ اردو بائبل) مصنفین، لاہور، پاکستان بائبل سوسائٹی

۳۴۔کلامِ مقدس (کیتھولک اردو بائبل) مصنفین، لاہور، ابلاغیاتِ مقدس پولس، ۱۹۸۵ء

۳۵۔کتابِ مقدس (فارسی بائبل) کوریا، ۱۹۸۷ء

۳۶۔الکتاب المقدس (عربی بائبل) لبنان، جمعیة الکتاب المقدس، ۱۹۹۵ء

۳۷۔الکتاب المقدس (عربی بائبل) دار الکتب المقدس فی الشرق الاوسط

۳۸۔کلید الکتاب، مصنفین، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۱۹۹۸ء

۳۹۔لغات الکتاب، یونس عامر، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۲۰۰۳ء

۴۰۔مسیحی علم الٰہی کی تعلیم، لوئیس برک ہاف، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۲۰۰۵ء

۴۱۔ہماری کتبِ مقدسہ، جی۔ ٹی۔ مینلی، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۱۹۹۸ء

42. Encylopaedia Brittanica (1958)

43. Good News Bible today English Version

44 Holy Bible New International Version

45. Holy Bible King James Version

46. James Hastings Dictionary of Bible

47. The new Catholic Encylopaedia (1967)

48. The Jewish Encylopaedia